حرفِ آخر

"جمہوریت بہترین انتقام ہے"

KHALID BOOK DEPOT

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی زندگی پر معروف اہل قلم حضرات کی باکمال تحریریں

"جمہوریت بہترین انتقام ہے"

حرفِ آخر

خالد پرویز

KHALID BOOK DEPOT

خالد بُک ڈپو ۴۰۔اردو بازار لاہور

فون: 7223881-7229740

جملہ حقوق بحق محفوظ ہیں

نام کتاب ---------- حرفِ آخر

اہتمام اشاعت ---------- خالد پرویز

پریس ---------- نقوی پریس

قیمت ---------- -/300روپے(20ڈالر)

انتساب

اُن تمام مائوں

کے نام

جن کی کوکھ سے جرأت

نے جنم لیا

www.bhutto.org

فہرست

- ذوالفقار علی بھٹو کا تاریخی خط ---------- (ذوالفقار علی بھٹو) 11
- جمہوریت کے دشمن بینظیر کے قاتل ہیں، سرکاری تفتیش پر اعتبار نہیں ---- (آصف علی زرداری) 18
- شہادت کا سفر ---------- (شاہ محمود قریشی) 21
- محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل میں آمر اور قوتیں ملوث ہیں ---------- (میاں محمد نواز شریف) 26
- بے نظیر کی وفات پر ---------- عمران خان 29
  (چیئرمین پاکستان تحریک انصاف)
- وہ بولتی کیوں نہیں ---------- (خواجہ جمشید امام) 32
- بھٹو خاندان کی قربانیوں میں ---------- حنیف صابر 35
  (خبریں سنڈے میگزین)
- میری زندگی ---------- لائبہ خان 39
  محترمہ بے نظیر بھٹو کی کتاب "دختر مشرق" سے دلچسپ اقتباسات (خبریں سنڈے میگزین)
- بینظیر بھٹو کا دنیا کی 50 خوبصورت خواتین میں شمار ہوتا تھا ---------- محمد ہارون عباس قمر 65
  بابا کی "پنکی" سے شہید بی بی تک (خبریں سنڈے میگزین)
  دختر مشرق کا مختصر سوانحی خاکہ اور بچپن کی خوشگوار یادیں
- 28 دسمبر کی شام پاکستان کا ایک بے نظیر کردار ---------- (تحریر قیصر شاہد) 72
  لحد میں اُتار دیا گیا!
- خودکش حملہ آور اور فائرنگ نے وفاق پاکستان کی علامت ---------- (تحریر قیصر شاہد) 78
  محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کر ڈالا
- بڑی موت اور چھوٹے لوگ ---------- (ڈاکٹر محمد اجمل نیازی) 86
- اندھی اور بے رحم سیاست ---------- (عباس اطہر) 90
- کس کی زنجیر بلائیں ---------- عرفان صدیقی 93
- بے نظیر بھٹو کو کس نے اور کیوں قتل کیا؟ ---------- (احمد لطیف) 97
- محترمہ بے نظیر بھٹو کا بہیمانہ قتل معمہ بن گیا، ریاست کیلئے چیلنج ---------- (گل چمن شاہ) 104
- دسمبر 2007 ---------- (عابد حسین چوہان) 109
  پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ

www.bhutto.org

بے نظیر بھٹو کامیاب ہونے کے بعد کیسا پاکستان چاہتی تھیں؟	(وکیل انجم)	117
محترمہ بے نظیر بھٹو ..... شہید جمہوریت	(ہمایوں زمان مرزا)	125
بے نظیر بھٹو کی قاتل خونی سیاست	(علی عباس)	130
پیپلز پارٹی کی تہل پر ہمیشہ درد کے پھول کھلتے رہے	(انوار فطرت)	136
بے نظیر کی سیاسی فہم و فراست، ایک زمانہ اُن کا قائل تھا	(شیخ موسیٰ منصوری)	144
محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کر ڈالا	(تنویر قیصر شاہد)	154
بینظیر ہر پاکستانی خاتون کو خود مختار بنانا چاہتی تھیں	(شازیہ انوار)	162
بے نظیر بھٹو مسلم خواتین کی عالمی ترجمان	(افشاں قریشی، یاسمین فاطمہ خان)	166
گولی کا راج	(جیون خان)	176
کیا یہ ممکن ہے.....؟	(عرفان صدیقی)	180
اور زنجیر ٹوٹ گئی	(قیوم نظامی)	184
جانشین	(حسن نثار)	188
بینظیر کی شہادت ۔ اسباب کو مزید نہ الجھایا جائے:	(ارشاد احمد حقانی)	191
شہید جمہوریت	(نسیم زہرا)	195
"میری بہن بینظیر کو زندگی سے بہت پیار ہے"	(عائشہ اختر)	200
"بینظیر کو تحفظ دینے کے بدلے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا وعدہ کیا گیا"	(صفی علی اعظمی)	204
کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں؟	(معظم رضا تبسم)	208
بی بی نے میری گود میں آخری سانس	(سعید جان بلوچ)	215
طالبان کی ہوم لینڈ پر قدم!	(سلیم غیاث)	219
قاتلانہ حملے کے چند خفیہ گوشے	(اعجاز احمد بٹ)	223
بینظیر سیاست دان	(محمود الحسن)	230
جو تاریک راہوں میں مارے گئے!	(عبید اللہ عابد)	234
بھٹو خاندان کا خون	(سنڈے ایکسپریس)	245
مولوی کا لونڈا	(خواجہ جمشید امام)	248
"باؤ جی بڑا ظلم ہو یا ایہہ"	(خواجہ جمشید امام)	252
بینظیر بھائی	(خواجہ جمشید امام)	256
اہل وفا کا کوفہ	(خواجہ جمشید امام)	259

www.bhutto.org

حرفِ آخر

کہتے ہیں محترمہ بینظیر بھٹو شہید دنیا میں نہیں رہی ہیں میرے لیے یہ بات بڑی عجیب ہے۔ وہ جو پسے ہوئے طبقات کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ وہ جو مظلوم کی آواز ہوتے ہیں وہ جو اپنے عہد کے فرعونوں کے سامنے سنتِ موسیٰ ادا کرتے ہیں۔ وہ جن کی خواہشات عوامی اُمنگوں کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ وہ جو سماج کو ہمیشہ آگے کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں۔ وہ جو جبر کی ہر سیاہ رات کا مینارِ نور ہوتے ہیں۔ وہ جو تاریخ کا دھارا اپنی ذہانت سے بدلتے ہیں۔ وہ جو چشمِ قاتل میں کانٹا بن کر کھٹکتے ہیں۔ وہ جن کے گھوڑوں کے سموں سے نکلنے والی چنگاریاں قیصر و کسریٰ کے محلی محلات کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہیں۔ وہ جو اقوامِ عالم میں اپنی قوم کی شناخت ہوتے ہیں۔ وہ جن کا جینا اور مرنا صرف انسانوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہ جو دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ بھلا موت کی عفریت اُن کے ثبت کیے ہوئے نقوش کہاں مٹا سکتی ہے۔

کبھی پتھر کی لکیریں بھی مٹا کرتی ہیں
کتنے سادہ ہیں میرا نام مٹانے والے

موت کیا ہے؟ ہم ایک لباس اُتار کر دوسرا اوڑھ لیتے ہیں جسم فنا ہو جاتے ہیں۔ لیکن انسان تو جسم اور افکار کے مجموعے کا نام ہے عام انسانوں کے صرف جسم ہوتے ہیں۔ لیکن خاص انسانوں کے جسم اور افکار دو جو در رکھتے ہیں۔ عام انسان کی موت کے ساتھ ہی اُس کا وجود پریشاں ہو جاتا ہے اور اُس کا نام گمنامیوں کے تاریک غار میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، کبھی نہ اُبھرنے کے

www.bhutto.org

واسطے اُتر جاتا ہے۔ لیکن خاص انسان کی جسمانی موت کے ساتھ ہی اُس کے افکار عالم میں چہار سُو بکھر جاتے ہیں، پھول کی خوشبو کی مانند، سورج کی روشنی کی طرح، اُس کے اقوال زریں امیر کے محل اور غریب کے جھونپڑے پر رحمت باری کی طرح یکساں برستے ہیں خاص انسان خود انسانوں کی مکمل تاریخ ہوتے ہیں۔ کیا تاریخ کا جانبدار سے جانبدار مورخ مزدک، سقراط، عیسیٰؑ، حسینؓ، ذوالفقار علی بھٹو یا نیلسن منڈیلا کا نام عظیم انسانوں کی فہرست سے خارج کر سکتا ہے؟

چاروں صوبوں کی زنجیر محترمہ بینظیر بھٹو شہید کروڑوں انسانوں کو سوگوار چھوڑ کر وطن عزیز کی پرنم فضاؤں میں بکھر گئی۔ ملول دل، اُداس چہرے، عالمی سیاست کی پاکستانی شہزادی کو الوداع نہ کہہ سکے۔ شاید پاکستانی عوام اُسے کبھی بھی الوداع نہ کہہ سکے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ محترمہ بینظیر بھٹو شہید کو الوداع کہنا وفاقِ پاکستان کو الوداع کہنے کے مترادف ہے۔ عظیم پاکستانی قوم اپنی عظیم بہن کی جرأت اور محبت کو ہمیشہ سلام کرتی رہے گی۔ جب تک زمین پر آخری مظلوم زندہ ہے محترمہ بینظیر بھٹو شہید کو موت نہیں آ سکتی۔ وہ آج بھی مسکراتے ہوئے چہرے سے ہاتھ ہلا کر ہم سے رخصت کی اجازت مانگ رہی ہیں لیکن کیا ہم کبھی بی بی کو رخصت کر پائیں گے؟

پاکستان پیپلز پارٹی میرا پہلا رومانس ہے جو آج بھی میرے دل کے تاروں کو ویسے ہی چھوتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔ ابھی ابھی ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر سُن کر آیا ہوں یا محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے کسی بیان کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں 40 سالہ محبت کا یہ پودا آج تن آور درخت بن چکا ہے۔ سانحہ راولپنڈی پیش آنے کے بعد کافی دنوں تک اعصاب نے ساتھ نہیں دیا کچھ سوجھائی نہیں دے رہا تھا یوں محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں آنسوؤں کی برسات کچھ تھمی تو سوچا ایک نا ایک دن ہم نے بھی اس دنیا سے چلے جانا ہے۔ کیوں نہ محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے حوالے سے کوئی ایسی دستاویز تیار کی جائے جو آنے والی نسلوں کو اس عالمی سانحے کے حقائق سمجھنے میں مدد دے سکے۔ اس کتاب میں شامل مضامین اور کالمز پاکستان کے دانشوروں کا پہلا ردِعمل بھی ہے اور مرثیہ بھی۔ چشم دیدہ گواہان کے بیانات بھی ہیں اور چشم تصور سے دیکھے گئے ناقابلِ تردید حقائق بھی۔ یہ کتاب وفاقِ پاکستان کو فکرِ بینظیر سے یک جا رکھنے کی سعی بھی ہے اور اہلِ سندھ کے دُکھ میں شرکت بھی۔

اس کتاب کا مقصد چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی بلاول بھٹو زرداری، شریک چیئرمین آصف علی زرداری، بختاور زرداری، آصفہ زرداری، پاکستان پیپلز پارٹی کی تمام مرکزی صوبائی، ضلعی، علاقائی قیادتوں اور کروڑوں ورکروں کے ساتھ اُس دُکھ میں "سانجھ" بھی ہے جو ہم سب کا مشترک ہے۔

عزیزو! زیرِ نظر کتاب "حرفِ آخر" پاکستان پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان سے عقیدت کا رشتہ رکھنے والے پنجاب کے ایک غیور بیٹے کا پاکستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے کروڑوں دلوں کے لیے تشفی کے آخری حروف ہیں۔ میں اپنے خیالات کے لامتناہی سلسلے کو روکنے سے پہلے عزت مآب مخدوم امین فہیم، جہانگیر بدر، یوسف رضا گیلانی، شاہ محمود قریشی، عزیز الرحمٰن چن، برادرم زکریا بٹ، مصباح الرحمٰن، محترمہ ساجدہ میر، منصور ملک، احسن شاہ، میاں اصغر، آصف ہاشمی، سیٹھ نثار اور آغا صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جنہوں نے دُکھ کی اس گھڑی میں میری ڈھارس بندھائی اور کتاب کے تکمیلی مراحل میں میری راہنمائی فرمائی۔ میں تازندگی اِن احباب کا احسان مند رہوں گا۔

یہ دنیا زندہ انسانوں کی ہے اس سماج نے آگے کی طرف سفر کرنا ہے۔ ابھی ہر گھر سے بھٹو نکلنا ہے۔ ابھی ہر دختر نے دخترِ مشرق کی تصویر بننا ہے۔ ابھی تخت گرائے جانے ہیں۔ ابھی تاج اُچھالے جانے ہیں۔ الوداع سے پہلے۔

انسان میرے عہد کا پتھر کی طرح ہے
اور حرفِ بغاوت اسی پتھر سے اُٹھے گا

(عابد حسین عابد)

خالد یزدانی

14-2-2008

www.bhutto.org

مرکزی مجرم

بہت سوچنے کے بعد بھی ذہن صرف ایک ہی نقطے پر آ کر جم جاتا ہے کہ وطن عزیز کی تاریخ میں آخر اُن لوگوں کی موت پُراسرار یا معمہ کیوں ہے جن کی جڑیں عوام میں ہوں۔ قائداعظم محمد علیؒ جناح پاکستان قوم کے متفقہ علیہ قائد تھے۔ پہلے گورنر جنرل بھی تھے لیکن عظیم قائد کو وقت پر ایمبولینس بھی فراہم نہ کی جا سکی۔ لیاقت علی خان کی حیثیت بھی قائد ثانی کی تھی لیکن شہید کر دیئے گئے اُن کا قاتل موقعہ پر قتل ہوا اور اُس قاتل کو قتل کرنے والا نامعلوم قاتلوں کے ہاتھوں۔ مادرِ ملت فاطمہ جناح کی متنازعہ سیاسی حیثیت بھی غیر متنازعہ تھی لیکن اُن کی موت بھی کسی معمے سے کم نہیں۔ حسین شہید سہروردی کا قتل بھی اندھا قتل ثابت ہوا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین شہید ذوالفقار علی بھٹو کو انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ عدل کے تمام تقاضوں کو پورے کرتے ہوئے ''عدالتی مقتول'' قرار دے دیا گیا شاہنواز بھٹو کی موت زہر سے ہوئی۔ میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کا ڈرامہ لیاقت علی خان کے قتل سے ملتا جلتا ہے اور اب چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو شہید کی بڑی بیٹی چیئرپرسن پاکستان پیپلز پارٹی دخترِ مشرق محترمہ بے نظیر بھٹو کو بے رحم قاتل نے پاکستانی عوام سے چھین لیا۔ کون نہیں جانتا تھا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہیدہ کی زندگی خطرے میں ہے۔ خود محترمہ اِس کا اظہار قاتلوں کے نام تک بتا کر قبل از وقت کر چکی تھیں لیکن پاکستانی سیاست کا وہ بے رحم پوشیدہ کردار جو ہر بار کسی بپھرے ہوئے جنگلی سور کی طرح غریب کسانوں کی کماد اُجاڑ جاتا ہے اِس بار بھی اپنے مقصد میں کامیاب و کامران ہو گیا۔ اِس بار بھی قاتل کے قدموں کے نشان صحرائی ریت پر ثبت تھے جنہیں ہلکی سے بادِ سموم نے ہمیشہ کے لئے

www.bhutto.org

مٹا دیا۔ اِس بار بھی دل ملول ہوئے، اِس بار بھی قوم نوحہ کناں ہوئی، اِس بار بھی فلک رو یا، اِس بار بھی بے یقینی نے وطنِ عزیز کو اپنی آغوش میں لیا، اِس بار بھی مقبول عوامی قیادت ہی قتل ہوئی۔

کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ غیر مقبول، پردیسی اور قابض قیادتیں کبھی پُراسرار موت کا شکار نہیں ہوئیں۔ اُن کی موت کبھی معمہ نہیں ہوتی وہ گمنام ہو کر طبعی زندگی پوری کرتے ہیں۔ مقبول عوامی قیادتوں کے قتل کے نتیجے میں نقصان کس کا ہوتا ہے؟ فائدے میں کون رہتا ہے؟ یقیناً وہ پوشیدہ قوتیں جن کے لئے عوام کا اتحاد اور بڑی اکثریت کا کسی ایک قیادت پر متفقہ ہونا خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ وطنِ عزیز کے یہ نظر نہ آنے والے حکمران روزِ اوّل سے اقتدار پاکستان پر قابض ہیں۔ قیادتیں پیدا ہوتی ہیں تو اِن ریاستی مجاوروں کے سیاسی آتش کدوں کی آگ بجھ کر یا اقتدار کے کعبہ میں رکھے ہوئے ہُبل منہ کے بل گر کر، سیاست کے اِن ابوجہلوں کو غریب عوام کے مسیحوں کو مصلوب کرنے کی سازش اور طریقہ کار طے کرنے کا اشارہ دے دیتے ہیں اور پھر ہمیشہ وہ منحوس گھڑی آجاتی ہے جب قوم کو اپنا گریباں چاک کرنا پڑتا ہے۔ سر میں خاک ڈالنی پڑتی ہے۔ ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک درد کی اک چادر تن جاتی ہے۔ جنگلی سور کمادیں اجاڑتے رہتے ہیں۔ اور غریب کسان نئے سرے سے زمین کو کماد کے لئے تیار کرتے رہتے ہیں۔ یہی کھیل جاری ہے۔ کھلاڑی بدلتے رہتے ہیں۔

بحیثیت پاکستانی یہ المیہ تقسیم سے لے کر آج تک ہمارے تعاقب میں ہے کہ ہم حادثات و واقعات سے سیکھتے نہیں۔ ہم شاید حادثات کے عادی ہو چکے ہیں اتنے عادی کہ اب اگر حادثہ نہ ہو تو عجیب لگتا ہے۔ بڑے سے بڑا صدمہ ہمارے لئے جان لیوا ثابت نہیں ہوتا ورنہ محترمہ بےنظیر بھٹو شہیدہ کے دردناک انجام پر ہر گھر سے نہ سہی ہر محلے سے ایک جنازہ تو اٹھنا ہی چاہیے تھا۔ محترمہ بےنظیر بھٹو شہیدہ کے نامزد کیے ہوئے ملزمان کو کھلم کھلا پھرنے کی اجازت تو نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن شاید ہم اگلی فصل کی تیاری میں جُت گئے ہیں۔

اِس ملک میں قائدِ ملت، قائدِ عوام اور دخترِ مشرق کا ظہور تو چہرے بدل بدل کر ہوتا رہے گا لیکن اُن کا انجام ہمیشہ وہی ہوگا جو آج ہوا ہے جو کل ہوا تھا۔ چیزیں بہت بڑی ہوں تو بھی مکمل نظر نہیں آتیں اور بہت چھوٹی ہوں تو بھی۔ پاکستانی عوام کے قائدین کی کلنگ سیریز کا ایک ہی

www.bhutto.org

''مرکزی مجرم'' ہے جس کا جسم اتنا بڑا ہے کہ وہ مکمل نظر نہیں آتا۔ اُس کے مختلف حصوں پر نظر تو پڑتی ہے لیکن ہم اُسکے مختلف حصوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اُس بے رحم قاتل کو اِس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ وہ کسی عظیم قائد کو موت کے گھاٹ اُتار سکے اور ہر بار وہ بے رحم قاتل اپنے وجود کو فالج زدہ ظاہر کر کے نئے قتل کی تیاری شروع کر دیتا ہے مجھے یہ لکھتے ہوئے مکمل ذمہ داری کا احساس ہو رہا ہے کہ محترمہ کا قتل کسی تنظیم یا فرد نے نہیں کیا اُس کا قاتل صرف اور صرف یہ بے رحم فرسودہ نظام ہے جس کو بدلنے کی بات ذوالفقار علی بھٹو شہید نے کی تھی۔ ہم اپنے اصل ایجنڈے سے ہٹ گئے لیکن فرسودہ نظام اپنے غافل دشمنوں کبھی معاف نہیں کرتا۔ یہ فرسودہ نظام آج بھی یہی سوچ رہا ہے کہ مجھے بدلنے کا خیال اگر کسی ذہن میں آیا تو کیوں آیا! وہ ابھی ہر اُس قائد کو قتل کرے گا جس کے ذہن میں اِس فرسودہ نظام کو بدلنے کا خیال آیا اور اُس نے اُسکا اظہار بھی کر دیا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ مستقبل کی دخترِ مشرق، قائدِ عوام، مادرِ ملت اور قائدِ ملت کا انجام ایسا دردناک نہ ہو تو صرف اِس فرسودہ نظام کو بدل دو۔

میرے لیے یہ انتہائی اعزاز کی بات ہے میں ایک ایسی کتاب کا دیباچہ لکھ رہا ہوں جس میں پاکستانی سیاست کے مقدس ناموں کا ذکر ہے۔ جس میں لاتعداد سچے واقعات اور سانحہ راولپنڈی کے حوالے سے ناقابلِ تردید حقائق ہیں۔ برادرم خالد پرویز نے انتہائی محبت، عقیدت اور جانفشانی سے پاکستان کے نامور دانشوروں کے لکھے ہوئے مضامین اور کالم یکجا کر کے اسے حقیقی معنوں میں ایک اہم دستاویز بنا دیا ہے۔ محترمہ پاکستانی سیاست کا صرف آخر تھیں یہ کتاب جس محنت، محبت اور جانفشانی سے مرتب کی گئی ہے وہ بھی حرفِ آخر ہی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت پر ایک بے بس بھائی کا یہ کامیاب ترین احتجاج ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے بھی مینارِ نور ہوگا۔

خواجہ جمشید امام

روزنامہ مخاذ

28 فروری 2008ء

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو کا تاریخی خط

میری پیاری بیٹی محترمی بے نظیر بھٹو

ایک سزا یافتہ قیدی کس طرح اپنی خوبصورت اور ذہین بیٹی کو اس کے یوم پیدائش پر تہنیت کا خط لکھ سکتا ہے جبکہ اس کی بیٹی (جو خود بھی مقید ہے اور جانتی ہے کہ اس کی والدہ بھی اس کی طرح تکلیف میں مبتلا ہے) اس کی جان بچانے کے لیے جدوجہد میں مصروف ہے۔ یہ رابطہ سے زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ محبت وہمدردی کا پیغام کس طرح ایک جیل سے دوسری جیل اور ایک زنجیر سے دوسری زنجیر تک پہنچ سکتا ہے؟

نہرو بھی اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے۔ نہرو نے بھی جیل سے اسے اس کے یوم پیدائش پر تہنیت کا پیغام بھیجا تھا۔ جکارتہ سے 14 سال پہلے میں نے جو خط لکھا تھا اس میں میں نے تمہیں متنبہ کر دیا تھا کہ میں نہرو کی نقالی نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے ان کی نقالی اس وقت بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اب میں ان کی پیروی کر رہا ہوں۔ بے شک اس وقت میں بھی جیل میں ہوں اور وہ بھی اس وقت جیل ہی میں تھے جب انہوں نے اپنی بیٹی کو خطوط لکھے تھے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تذبذب نہیں ہے کہ میری بیٹی جواہر لال نہرو کی بیٹی کے مقابلہ میں جن کو بھارت کی دیوی کہا جاتا ہے، کہیں بہتر ہے۔ میں کوئی جذباتی یا ذاتی قسم کا اندازہ نہیں لگا رہا ہوں۔ یہ میری

www.bhutto.org

دیانتدارانہ رائے ہے۔ تم میں اور اندرا گاندھی میں ایک قدر مشترک ہے کہ تم دونوں یکساں طور پر بہادر ہو۔ تم دونوں پختہ فولاد کی بنی ہوئی ہو، یعنی تم دونوں کی قوت ارادی فولادی نوعیت کی ہے لیکن تمہاری صلاحیت وذہانت تمہیں کہاں لے جائے گی؟ عام طور پر تو یہ صلاحیت وذہانت تمہیں اعلیٰ ترین مقام تک پہنچائے گی لیکن ہم ایک ایسے معاشرہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ذہانت وصلاحیت ایک نقص شمار ہوتی ہے اور دم گھونٹنے والی معمولی قسم کی ذہانت ایک اثاثہ شمار کی جاتی ہے۔ سوائے تمہارے والد کے، قائداعظمؒ اور شاید سہروردی کے اس ملک پر حکومت شعبدہ بازوں اور کپتانوں نے کی ہے۔ شاید اس صورتحال میں تبدیلی پیدا ہو جائے، اگر کوئی جنگجو قسم کا نوجوان جدوجہد کا آغاز کرے۔ اگر حالات تبدیل نہیں ہوتے تو پھر تبدیل کرنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا، یا تو اقتدار عوام کو حاصل ہوگا یا پھر ہر شے تباہ و برباد ہو جائے گی۔

تمہارے دادا نے مجھے فخر کی سیاست سکھائی۔ تمہاری دادی نے مجھے غربت کی سیاست کا سبق دیا۔ میں ان دونوں باتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں تاکہ ان دونوں کا انضمام ہو سکے۔ پیاری بیٹی میں تمہیں صرف ایک پیغام دیتا ہوں۔ یہ پیغام آنے والے دن کا پیغام ہے اور تاریخ کا پیغام ہے۔ صرف عوام پر یقین کرو۔ ان کی نجات و مساوات کے لیے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ کی جنت تمہاری والدہ کے قدموں تلے ہے۔ سیاست کی جنت عوام کے قدموں تلے۔ تم بڑی نہیں ہو سکتی ہو، جب تک کہ تم زمین چومنے کے لیے تیار نہ ہو یعنی عاجزی کا رویہ اختیار نہ کرو۔ تم زمین کا دفاع نہیں کر سکتی جب تک کہ تم زمین کی خوشبو سے واقف نہ ہو۔ میں اپنی زمین کی خوشبو سے واقف ہوں۔ نظریات، اصول، تحریریں تاریخ کے دروازہ سے باہر ہی رہتی ہیں۔ غالب عنصر عوام کی تمنائیں ہیں اور ان کے ساتھ مکمل ہم آہنگی ہے جب اس راگ یا موسیقی کے معنی سمجھ لیے جاتے ہیں تو منزل کے نشان واضح ہو جاتے ہیں۔

میں اس جیل کی کوٹھڑی سے تمہیں کیا تحفہ دے سکتا ہوں جس میں سے میں اپنا ہاتھ بھی نہیں نکال سکتا۔ میں تمہیں عوام کا ہاتھ تحفہ میں دیتا ہوں۔ میں تمہارے لیے کیا تقریب منعقد کر سکتا ہوں؟ میں تمہیں ایک مشہور نام اور ایک مشہور یادداشت کی تقریب کا تحفہ دیتا ہوں۔ تم سب سے قدیم تہذیب کی وارث ہو۔ اس قدیم تہذیب کو انتہائی ترقی یافتہ اور انتہائی طاقتور بنانے کے لیے

www.bhutto.org

اپنا بھرپور کردار ادا کرو۔ ترقی یافتہ اور طاقتور سے میری مراد یہ نہیں کہ معاشرہ انتہائی ڈراؤنا ہو جائے۔ ایک خوفزدہ کرنے والا معاشرہ ایک مہذب معاشرہ نہیں ہوتا۔ مہذب کے معنی میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور معاشرہ وہ ہوتا ہے جس نے قوم کے خصوصی جذبہ کی شناخت کر لی ہو۔ جس نے ماضی وحال سے مذہب اور سائنس سے، جدیدیت اور تصوف سے، مادیت او رروحانیت سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔ ایسا معاشرہ ہیجان وخلفشار سے پاک ہوتا ہے اور کلچر سے مالا مال ہوتا ہے۔ مارشل لاء کسی بھی مہذب ملک کے لیے ایک سرطان کی مانند ہے۔ پاکستان کے لیے تو مارشل لاء اس کے وجود کے اسباب ہی کی نفی ہے۔ اس لیے کہ پاکستان ایک جمہوری تحریک کے ذریعہ عوام کی تخلیق ہے۔ دوسرے دنیا میں کوئی بھی ملک اپنے جی این پی کا اس قدر حصہ مسلح افواج پر خرچ نہیں کر رہا جس قدر کہ پاکستان کر رہا ہے۔ دنیا کے ایک غریب ترین ملک کے عوام کی یہ جرأت مندانہ قربانی سال بہ سال جاری ہے۔ مسلح افواج کے حق میں عوام کی اس قربانی کا مقصد یہ ہے کہ مسلح افواج پاکستان کی سالمیت کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے نمٹنے۔ اس لیے نہیں ہے کہ مسلح افواج پاکستان کی خارجی حیثیت کے بارے میں ملک پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سمجھوتہ کر لیں۔

وہ فوجی جو فوجی بیرکوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور سرکاری محلوں میں رہتے ہیں، وہ جنگیں ہار جاتے ہیں اور جنگی قیدی بن جاتے ہیں جیسا کہ 1971ء میں ہوا تھا۔ پاکستانی فوج کے جنرلوں نے اس تاریخ کو دہرانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ فوجی ڈکٹیٹروں نے ایشیاء، لاطینی امریکہ اور افریقہ کو روند ڈالا ہے۔ اس کے اس اقدام کے نتیجہ میں انہوں نے مارکس اور اینگل، لینن اور ماؤ کی تصنیفات سے زیادہ کمیونزم کو پھیلانے کے لیے کام کیا ہے۔ وہ بعد کے نوآبادیاتی دور کے بدترین ظالم ہیں۔ انہوں نے قابل احترام اداروں کو تباہ کیا ہے اور اپنے عوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا ہے۔ ان فوجی ڈکٹیٹروں نے آزادی کے لیے جنگ نہیں لڑی ہے اور نہ ہی وہ کسی نظریہ کے پابند ہیں۔ وہ ایسے سازشی ہیں جو سماجی لحاظ سے نچلے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یکا یک ترقی کر کے اعلیٰ طبقہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔ وہ غیر ملکی سفارت کاروں کے "شوبوائے" ہیں۔ وہ عوام کا مخالف ایسا پیشہ ور ہے جو ہر چھوٹے موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ اپنے پیشہ کو خیر باد کہہ کر اپنے مالک کے پیشہ کو اپنا لے۔ وہ ایسا شخص ہے جو لوگوں سے متنفر اور بیزار ہے۔ وہ ایسا

www.bhutto.org

شخص ہے جو ایک اعلیٰ افسر کی بیساکھی پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ افراط زر میں ایک یا دو فیصد کی کمی کا مطلب کشمیر کی آزادی ہے۔

پیشہ ور فوجی ڈکٹیٹروں کے دماغ ایک جیسے خطوط پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا مؤقف اور طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مجبوراور عارضی طور پر فوجی بیرکوں کو خیر باد کہا ہے۔ جن کو وہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتے اور یہ کہ انہوں نے ایسا ملک کا خانہ جنگی اور کمیونزم کے خطرہ سے بچانے کی خاطر کیا ہے اور گندے سیاستدانوں نے جو گڑبڑ پیدا کی ہے اس کو صاف کرنے کے لیے اور سیاسی استحکام قائم کرنے کے لیے یہ اقدام کیا ہے۔ اگر آپ ایوب خان، یحییٰ خاں اور ضیاء الحق کی تقاریر کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ مشترکہ عنصر بغیر کسی مشکل کے معلوم ہو جائے گا۔

براہ کرم یہ خیال نہ کرنا کہ فوجی جنتا نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے میں نے بہت زیادہ سختی کے ساتھ اپنی رائے قائم کی ہے۔ مجھے تاریخ کی کافی معلومات ہیں اور میں جانتا ہوں کہ پانسہ پلٹ جاتا ہے اور کل کے شہنشاہ آج کے فقیر بن جاتے ہیں۔ تمہیں علم ہے کہ میں نپولین بونا پارٹ کا مداح ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ فرانسیسی انقلاب اور نپولین کے دور کے ساتھ میری جذباتی وابستگی کس قدر ہے۔ انقلابیوں نے نہ صرف اپنے بادشاہ کو قتل کیا بلکہ وہ اپنے ہی لائے ہوئے انقلاب میں غرق ہو گئے۔ روبسپیئر اور ڈینٹن کو پھانسی کے تختہ پر چڑھنا پڑا اور وہ دونوں ممتاز انقلابی تھے۔ انتقام پر انتقام لیا گیا۔ نپولین جو ایک غیر معمولی صلاحیتوں کا انسان تھا اور تہذیب کے قافلہ کا مکمل کپتان تھا اس کو ایلبا اور سینٹ ہیلینا میں مقید کر دیا گیا۔

میں تمہیں بہت زیادہ عوامی مقبولیت کے نظریہ سے محتاط رہنے کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ کبھی کبھی ایک مقبول فیصلہ بالآخر عوام کے لیے مفید نہیں ہوا کرتا ہے، نہ تو عملیت کا نظریہ اور نہ ہی عوامی مقبولیت کا نظریہ بنیادی سیاسی اور سماجی واقتصادی اصول ہیں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ تم انہیں آزماؤ۔ میں نے اذیت کی حالت میں یہ افسردہ قسم کا تجزیہ کیا ہے۔ جیل کی فضا نے میری غیر جانبداری کو متاثر نہیں کیا ہے۔ میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ چونکہ میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں اس لیے ساری دنیا موت کی کوٹھڑی میں ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہائی کورٹ نے ساری دنیا کو موت کی سزا سنا دی ہے اس لیے کہ اس نے مجھے موت کی سزا سنائی ہے۔ میں اپنے آپ کو سب سے

زیادہ خوش قسمت انسان تصور کروں گا اگر بنی نوع انسان کے تاریک موسم سرما میں دھوپ کی کرن پھوٹ پڑے اور رنگ برنگ کے پھول کھل جائیں۔ دنیا تو بہت خوبصورت ہے۔ ''ایک خوبصورت شے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسرت وشادمانی کا باعث ہوا کرتی ہے۔'' سطح مرتفع کی خوبصورتی ہے۔ بلند وبالا پہاڑوں کی خوبصورتی ہے۔ ہرے بھرے میدانوں کا حسن ہے۔ غیر ہموار ریگستانوں کا اپنا حسن ہے۔ پھولوں اور جنگلات کا حسن ہے۔ نیلے سمندروں اور بل کھاتے ہوئے دریاؤں کا حسن ہے۔ طرز تعمیر کی شان وشوکت ہے۔ موسیقی کی شان وشوکت ہے اور رقص کی چمک دمک کا حسن ہے۔ سب سے بڑھ کر تو مرد اور عورت کا اپنا حسن ہے جو اللہ تعالیٰ کی مکمل تخلیق ہیں۔

افریقہ پاگلوں یا خرد ماغ لوگوں سے نجات حاصل کرلے گا۔ افریقہ یہ ثابت کرنے کے لیے زندہ رہے گا کہ سیاہ رنگ بھی خوبصورت ہوا کرتا ہے۔ افریقہ قدیم ہے لیکن ایشیاء تو سدا جوان ہے۔ اس کے بانکپن والے حسن نے تو بنی نوع انسان کی پیدائش کے وقت سے ہی تہذیب کو چار چاند لگائے ہیں۔ اس کے شعلہ کی لو میں کس قدر حسن ہے۔ یورپ آب وتاب والا اور محبت کیے جانے کے قابل ہے۔ وہ کئی بار چہرے کو خوبصورت اور پرکشش بنوانے کے باوجود بھی دلکش اور خوبصورت ہے۔ امریکہ کے بحری ساحل پر رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں۔ اس کے رکے ہوئے پانی کے بہاؤ میں اس کے حسن کی عکاسی ہوتی ہے۔ طبیعاتی معنی میں میں نے شاذونادر ہی اس سے زیادہ مناظر کی خوبصورتی دیکھی ہے۔ جیسا کہ میں نے کیلی فورنیا اور ٹیکساس میں دیکھی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ طاقتور معاشرہ یا ملک کی اندھی قوت اس خوبصورتی کو ایسی بری شکل میں تبدیل کررہی ہے جیسی کہ ڈورین گرنے کی تصویر ہے۔

چار معاملات ہیں جن کے ذکر کے ساتھ ہی میں اس خط کو ختم کرنا چاہوں گا۔

1- جب میں نے تمہاری والدہ کے ساتھ ستمبر 1951ء میں شادی کی تھی تو میں اپنی مون منانے کے لیے انہیں استنبول لے گیا تھا۔ استنبول ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہ مشرق ومغرب کے درمیان ایک پل ہے۔ تاہم میں انہیں استنبول اس لیے لے گیا تھا کہ میں ان کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسلامی تاریخ کے سنہرے اور سب سے زیادہ جرأت مند بابوں یا ادوار کے کاریڈوروں میں سے ہو کر گزروں۔ اسلام کی تاریخ جذبات میں تموج پیدا کرنے والی ہے لیکن جس قدر وہ ترکی میں متواتر حیثیت سے

www.bhutto.org

جذبات میں تموج پیدا کرتی ہے اس قدر کسی اور ملک میں نہیں کرتی۔

-2 جوانی کے زمانے سے ہی میں برطانوی سامراجیت کے خلاف جنگ کرتا رہا ہوں۔ مجھے سامراجیت سے سخت نفرت ہے لیکن جب میں ان ذلت آمیز یا تذلیل کن باتوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے اندر کوئی تلخی باقی نہیں ہے۔ اب وہ دور ایک بند باب کی طرح ہے۔ تم ماضی کی جدوجہد کی یاد میں تو زندگی نہیں گزار سکتی ہو جبکہ تم مکمل طور پر حال کی جدوجہد میں مصروف ہو۔

-3 15 جون 1978ء کو جنرل شوکت مجھے دیکھنے کے لیے آئے۔ اس لیے کہ میں بیمار تھا۔ انہوں نے سول اور ملٹری ہاسپٹل راولپنڈی میں میرا آپریشن 1963ء میں کیا تھا جب میں وزیر خارجہ تھا۔ ہمیں یاد تھا کہ جب میں کلورو فارم کے اثر سے مغلوب ہوتا جا رہا تھا تو میں بار بار کہتا جا رہا تھا کہ میں اکبر بگٹی کو حکومت کے ہاتھوں موت کی سزا نہیں ہونے دوں گا۔ میں اکبر بگٹی اور خیر بخش مری کے نام پکارتا رہا۔ تاریخی واقعات کا گھروندا کس قدر عجیب ہے؟ 1973ء میں پاکستان کے صدر کی حیثیت سے میری پاکستان کی خاطر ہی بلوچ لیڈروں سے محاذ آرائی ہوئی۔ اگر اتفاق سے تمہاری ملاقات ان لیڈروں سے ہو جائے تو ان سے کہنا کہ مجھے اس بات پر یقین ہے کہ ایک بلوچ ایک بہادر باپ کا بیٹا اور ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوتا ہے جس کو اپنے اوپر فخر ہوتا ہے۔ بہادری اور فخر دونوں ہی بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں۔

-4 1957ء موسم سرما میں جب تم چار سال کی تھیں تو ہم ''المرتضیٰ'' کے بلند چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت موسم بڑا خوشگوار تھا۔ میرے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے ایک جنگلی طوطا مار گرایا۔ جب طوطا چبوترے کے قریب آ کر گرا تو تم نے چیخ ماری۔ تم نے اسے اپنی موجودگی میں دفن کرایا۔ تم برابر چیختی رہیں۔ تم نے کھانا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ ایک مردہ طوطے نے 1957ء کے موسم سرما میں لاڑکانہ میں ایک چھوٹی سی لڑکی کو رلا دیا تھا۔ 21 سال بعد وہ چھوٹی سی لڑکی ایک نوجوان لڑکی بن گئی ہے جس کے اعصاب فولادی ہیں اور جو ظلم کی طویل

www.bhutto.org

ترین رات کی دہشت کا بہادری سے مقابلہ کر رہی ہے۔ حقیقتاً تم نے بلاشبہ ثابت کر دیا ہے کہ بہادر سپاہیوں کا خون تمہاری رگوں میں موجزن ہے۔

میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ کمزوریوں سے پر ہے۔ میں بارہ مہینے سے قید تنہائی میں ہوں او رتین مہینے سے موت کی کوٹھڑی میں ہوں اور تمام سہولتوں سے محروم ہوں۔ میں نے اس خط کا کافی حصہ ناقابل برداشت گرمی میں اپنی ران پر رکھ کر لکھا ہے میرے پاس حوالے دینے کوئی مواد یا لائبریری نہیں ہے۔ میں نے نیلا آسمان بھی شاذونادر ہی دیکھا ہے۔ حوالہ جات ان چند کتابوں سے لیے گئے ہیں جن کو پڑھنے کی مجھے اجازت تھی اوران اخبارات ورسائل سے لیے گئے ہیں جو تم یا تمہاری والدہ اس دم گھوٹنے والی کوٹھڑی میں مجھ سے ہفتہ میں ایک بار ملاقات کرنے کے وقت ساتھ لے کر آتی ہو۔ میں اپنی خامیوں کے لیے بہانے نہیں تراش رہا ہوں لیکن اس قسم کے جسمانی اور ذہنی حالات میں گرتی ہوئی یادداشت پر بھروسہ کرنا بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔

میں پچاس سال کا ہوں اور تمہاری عمر میری عمر سے نصف ہے جس وقت تک تم میری عمر کو پہنچو گی۔ تمہیں عوام کے لیے اس سے دوگنی کامیابی حاصل کرنی چاہیے، جس قدر کہ میں نے ان کے لیے حاصل کی ہے۔ میر غلام مرتضیٰ جو میرا بیٹا اور وارث ہے وہ میرے ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی شاہنواز اور صنم میرے ساتھ ہیں میرے ورثہ کے حصہ کے طور پر اس پیغام میں ان کو بھی شریک کیا جائے۔

''ہر نسل کا اپنا مرکزی مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا جنگ کو ختم کرنا ہے، نسلی ناانصافی کو مٹانا ہے یا کارکنوں کی حالت کو بہتر بنانا ہے۔'' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے نوجوانوں کو انفرادی انسان کے وقار کی فکر ہے اور وہ ضرورت سے زائد اختیار اور طاقت کی حد بندی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ ایسی حکومت چاہتے ہیں جو اپنے شہریوں سے براہ راست اور دیانتداری کے ساتھ بات کرے۔ امکانات تو بہت زیادہ ہیں۔ داؤ پر بہت کچھ لگا ہوا ہے۔ میں آنے والی نسل کے لیے ٹینی سن کا مایوس کن لیکن ایک طرح سے پیغمبرانہ پیغام چھوڑتا ہوں کہ ''پچاس سال کی عمر میں میں کیسا ہو جاؤں گا اگر قدرت نے مجھے زندہ رکھا جبکہ اس پچیس سال ہی کی عمر میں میں دنیا کو اس قدر تلخ پاتا ہوں۔''

(ڈسٹرکٹ جیل، راولپنڈی 21 جون 1978ء)

سنڈے ایکسپریس

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

جمہوریت کے دشمن بینظیر کے قاتل ہیں، سرکاری تفتیش پر اعتبار نہیں

آصف علی زرداری

پچھلے ہفتے میری پیاری بیوی محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت سے جہاں دُنیا کو صدمہ پہنچا وہیں میری زندگی بھی پریشان ہو کر رہ گئی۔ بینظیر ایک جمہوری، اعتدال پسند اور ترقی پسند پاکستان پر یقین رکھتی تھیں اور وہ اس کیلئے جان بھی دینے کو تیار تھیں۔ وہ ان آمروں اور انتہا پسندوں کے خلاف ثابت قدمی سے کھڑی رہیں جو ہمارے آئین کو مسخ کرتے ہیں، دہشت گردی اور تشدد سے مسلمانوں کی مقدس کتاب کیلئے بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ میرے بچوں کے دکھ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن میں ایسی دُنیا کو ابتر محسوس کرتا ہوں جو تہذیبوں، مذاہب اور روایات کے درمیان ایک پل نہیں۔

میری بینظیر سے شادی 1987ء میں ہوئی۔ وہ 2 مرتبہ وزیراعظم منتخب ہوئیں لیکن میں نے ان کے ساتھ وزیراعظم ہاؤس میں صرف 5 سال گزارے کیونکہ ان کے دورِ حکومت میں فوج نے مداخلت کی۔ میں نے پاکستان کی جیلوں میں ایسے الزامات کے تحت 11 سال گزارے جو نہ تو عدالتوں میں ثابت ہوئے بلکہ ان الزامات کو عائد کرنے والے سابق وزیراعظم نواز شریف اور ان پیروی کرنے والے پرویز مشرف اب سرعام تسلیم کر رہے ہیں کہ یہ سیاسی بنیادوں پر لگائے گئے۔ حتیٰ کہ 1988ء میں بینظیر بھٹو کے پہلی بار وزیراعظم منتخب ہونے سے پہلے ہی خفیہ ایجنسیوں نے انہیں اور مجھے اور ان کے ساتھیوں کو ہدف بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان کے زرخرید میڈیا کے بڑوں نے مجھے ''مسٹر ٹین پرسنٹ'' کہنا شروع کر دیا اور بینظیر بھٹو کے غیر ملکی دوستوں پر مضحکہ خیز الزامات لگانے شروع کر دیئے اور انہیں یہود و ہنود کی لالی قرار دیا جاتا تھا۔

کردار کشی کی یہ مہم کسی کی شخصیت کو مسخ کرنے کی غالباً پہلی ایسی کوشش تھی جس میں

www.bhutto.org

اداروں کو استعمال کیا گیا۔ بینظیر اس کا نشانہ تھیں، ان کے خاوند اور دوستوں کو اس کیلئے استعمال کیا گیا اور اس کا مقصد جمہوری حکومت کو کمزور کرنا تھا۔ شاید جمہوری سیاستدانوں کو بدنام کر کے جمہوریت کا راستہ روکنا آسان ہے۔ میری اہلیہ کے دوارِ حکومت میں انہیں ایک مخالف انتظامیہ، مداخلت کی حامی مقتدر قوت اور عیار خفیہ ادارہ، کمزور مخلوط حکومت اور ایسی صدارتی تلوار کا سامنا تھا جو پارلیمنٹ کو تحلیل کر سکتی تھی۔ ان سب کے باوجود وہ پاکستان میں میڈیا کو آزادی دینے، پاکستان کو دس اہم کیپٹل مارکیٹوں میں شمار کرانے 46 ہزار سکول بنوانے اور بہت سے دیہات میں بجلی لانے میں کامیاب ہو گئیں۔ انہوں نے پاکستانی خواتین کی زندگی بدل ڈالی اور اسلامی دُنیا میں خواتین کے حقوق کی جانب توجہ دلائی اور یہ ایسے کارنامے ہیں جن پر وہ بجا طور پہ فخر کر سکتی تھیں۔ ان کی شہادت سے انکی بصیرت کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ اس سے ان کے قاتل بھی اقتدار میں نہیں آسکیں گے۔ ان کی شہادت کے ذمہ دار چاہے وہ حکومت میں ہوں یا حکومت سے بارہ انہیں لازماً گرفت میں لایا جانا چاہیے۔ میں اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ ان حالات، حقائق کی ایسے ہی چھان بین کرے جیسے لبنان کے سابق وزیراعظم رفیق الحریری کے قتل کے سلسلے میں کی گئی تھی اور میں مغرب میں جمہوریت نوازوں خصوصاً امریکہ اور برطانیہ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ آزادانہ تفتیش کے میرے مطالبے کی حمایت کریں۔ حکومت پاکستان کی جانب سے کرائی جانے والی تفتیش کی میرے ملک یا کہیں اور کوئی حیثیت نہیں گی۔ لومڑی کو کوئی مرغیوں کے ڈربے کی حفاظت پر نہیں رکھتا۔

یہ آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ اس گہرے صدمے میں پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت کی مشعل نئی نسل، ہمارے بیٹے بلاول بھٹو زرداری کو منتقل ہوئی ہے۔ جدوجہد کے دوران میں اپنے بیٹے کے ساتھ کام کروں گا، اس کی مدد کروں گا اور ممکنہ حد تک اس کی حفاظت کروں گا۔ بھٹو خاندان نے ہماری قوم کی اتنی خدمت کی ہے جو کسی کے تصور سے بھی بڑھ کر ہے۔ ان مشکل دنوں میں یہ ضروری ہے کہ پارٹی متحد رہے۔ میری دانشمندانہ بیوی نے یہ جانتے ہوئے کہ مستقبل کے بارے میں کوئی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی، یہ سفارش کی کہ ہمارا خاندان پاکستان کی خاطر پارٹی کو متحد رکھے اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ مشرف حکومت نے منگل کے روز انتخابات کو ملتوی کر دیا، یہ انتخابات اس لیے ملتوی نہیں کیے گئے کہ ان کے انعقاد میں کوئی مشکل تھی بلکہ اس لیے ملتوی کیے

گے کہ مشرف اور اس کی ''کنگز پارٹی'' جانتی ہے کہ انہیں انتخابات میں مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے گا اور پیپلز پارٹی اور دوسری جمہوریت نواز جماعتیں اکثریت سے جیت جائیں گی۔ پاکستان میں جمہوریت کو اسی صورت میں بچایا جا سکتا ہے اور انتہائی پسندی کو ختم کیا جا سکتا ہے اگر انتخابات آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور قابل اعتبار ہوں۔

آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ پاکستانی عوام کو ایسے انتخابات کی ضمانت دی جائے جو۔

1- نئی اور غیر جانبدار حکومت جو مشرف کی پارٹی کے زیر اثر نہ ہو کرائے جائیں۔

2- یہ الیکشن ایسے آزاد اور خود مختار الیکشن کمیشن کے زیر نگرانی کرائے جائیں جو بڑی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے تشکیل دیا گیا ہو۔

3- انتخابات میں تربیت یافتہ بین الاقوامی مبصرین کو تمام پولنگ سٹیشنوں تک رسائی دی جائے۔

4- ان انتخابات کی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو اس آزادی کے ساتھ کوریج کی اجازت دی جائے جو انہیں 3 نومبر کو مارشل لاء نافذ ہونے سے پہلے حاصل تھی۔

5- اور یہ انتخابات ایک ایسی عدلیہ کی موجودگی میں ہوں جس کی ضمانت آئین دیتا ہے۔ مزید برآں تمام سیاسی کارکن، وکلاء اور جج صاحبان کو رہا کر دیا جائے۔

''جمہوریت اور برداشت کے دشمن جنہوں نے میری اہلیہ کو مجھ سے چھینا ہے انہیں لازماً بے نقاب کیا جائے اور سزا دی جائے۔ پاکستانی عوام نے ہمیشہ آمریت اور انتہا پسندی کو مسترد کیا ہے۔ اگر آزادانہ، منصفانہ انتخابات کرائے جائیں تو ان طاقتوں کو 18 فروری کو پھر شکست ہوگی اور اس دن محترمہ بینظیر کی بصیرت کی روح پھر روشن ہوگی۔ جان کینیڈی کے الفاظ میں اسی آگ سے دنیا روشن ہوگی۔''

پاکستان پیپلز پارٹی کے شریک چیئرمین کا امریکی واشنگٹن پوسٹ شائع ہونے والا مضمون

شہادت کا سفر

شاہ محمود قریشی

ذوالفقار علی بھٹو لاڑکانہ (سندھ) میں 80 سال قبل 5 جنوری 1928ء کو سندھ کے ایک معروف گھرانے (خاندان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد جناب شاہ نواز بھٹو سیاستدان تھے جنہوں نے سندھ کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری کیلئے اپنی زندگی کو وقف کیے رکھا۔ بمبئی پریذیڈنسی سے سندھ کو الگ کر کے مسلم اکثریت کا ایک نیا صوبہ بنانے کی کوششوں کو اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ اس کا قیام عمل میں نہ آیا۔ قیام پاکستان کے وقت وہ ریاست جونا گڑھ کے وزیراعظم تھے اور پاکستان کی جدوجہد میں شاہ نواز بھٹو ہمیشہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کے معتمد ساتھیوں میں رہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کی والدہ لیڈی خورشید شاہ نواز پابند صلوٰۃ، نیک دل اور خدا ترس خاتون تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے فکر و عمل کی راہیں اپنی صلاحیتوں سے خود بنائیں۔ زندگی کے پہلے 6 سال ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے آبائی شہر لاڑکانہ میں گزارے۔ اس دوران انہیں ایک اتالیق سے مذہبی تعلیم دلائی گئی۔ 1934ء میں ان کے والد شاہ نواز بھٹو بمبئی کی صوبائی کابینہ میں لوکل سیلف گورنمنٹ کے وزیر بنائے گئے اور وہ اپنے خاندان سمیت بمبئی چلے گئے جہاں ذوالفقار علی بھٹو کو تین سال تک اساتذہ سے گھر پر ہی تعلیم دلائی گی۔ 1937ء میں جناب بھٹو صاحب کو بمبئی کے جان کونن ہائی سکول میں داخل کرایا گیا۔ اس وقت وہ 9 سال کے ہو چکے

www.bhutto.org

تھے۔ بے پناہ محنت اور علم کے حصول کی لگن کی بدولت انہوں نے دیر سے شروع کی جانے والی تعلیم کی کمی دور کر لی اور 1946ء میں سینئر کیمبرج کے امتحان میں اعزاز کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ کیمبرج کلاس تک پہنچتے پہنچتے جناب بھٹو عمر کی اس منزل میں قدم رکھ چکے تھے جسے عنفوان شباب کہتے ہیں اور وہ ایک رعنا جوان تھے۔ علم تعلیم کے ساتھ ساتھ ذوالفقار علی بھٹو نے بمبئی کی سبھی صحت مند سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ وہ ٹینس، بیڈمنٹن اور سکاش کے اچھے کھلاڑی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے تیراک بھی تھے۔ وہ کرکٹ کھیلنے کے شوقین بھی تھے اور ان میں کرکٹ کے اعلیٰ پائے کے کھلاڑی بننے کی تمام صلاحیتیں بھی موجود تھیں مگر سیاست کے ساتھ لگاؤ کی وجہ سے کرکٹ میں ان کی دلچسپی ختم ہوتی گئی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی زیر قیادت اس وقت مسلم لیگ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن کر ابھری تھی اور ذوالفقار علی بھٹو سیاسی فکر و نظر میں قائداعظمؒ کے پہلے پیروکار تھے اور ان مباحث میں وہ انہی کے نقطہ نظر کی حمایت کرتے اور عملی طور پر حصول پاکستان کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ذوالفقار علی بھٹو پر کوئی ایسا دباؤ نہ تھا جو ان کے کردار پر منفی اثرات ڈالتا اس قسم کے گردوپیش میں ان کی ذہانت نکھرتی چلی گئی۔ خود اعتمادی بڑھی، ذوق تحسین فراواں ہوا، عزت نفس کا انہیں صحیح شعور حاصل ہوا اور وہ بڑی متوازن حس مزاح کے حامل تھے۔ وہ اپنی عزت نفس پر آنچ نہ آنے دیتے اور جو بھی ٹھیس لگانے کی کوشش کرتا اس سے ان کا رویہ نہایت سخت ہو جاتا۔ مصیبت میں مبتلا لوگوں کو دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھتا اور ان کی مدد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔

شوق علم ستمبر 1947ء میں ذوالفقار علی بھٹو کو یو ایس اے میں لے گیا جہاں بھٹو صاحب نے سیاسیات، جیورس پروڈنس اور بین الاقوامی قانون کی اعلیٰ تعلیم کیلئے سدرن کیلی فونیا، لاس اینجلس میں داخلہ لے لیا، یہاں سامراجی اور ان کے گماشتے ایشیا والوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہاں ایک امریکی رسالے میں ایڈیٹر کے نام خط میں اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور نئی دہلی میں ہونے والی ایشین کانفرنس کی اس قرارداد کی طرف قائدین کی توجہ مبذول کرائی کہ ایشیاء باشندے ایشیاٹک کی حقارت آمیز اصلاح کو نہیں مانتے۔ وہ ایشین کی اصلاح اپنا چکے تھے۔ اس زمانے میں جہاں بھٹو کی نظر عالمی سطح پر بگڑتے انسانی معاشرے پر تھی

ہاں ان کے اندر مسلمان ہونے کی پہچان اور اسلامی روایات اور تہذیب کے عظیم ورثے کا احساس بھی اپنی انفرادی صورتوں میں اجاگر ہو رہا تھا۔ جنوری 1949ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے معلم تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے علم کی پیاس امریکہ کے چشموں سے پری طرح سیراب نہ ہوئی تو مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے انگلستان چلے آئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے کرائسٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں انہوں نے تین سالہ کورس دو ہی سالوں میں مکمل کر لیا۔ یہاں انہوں نے تین سالہ کورس دو ہی سالوں میں مکمل کر لیا۔ بھٹو صاحب ستمبر 1951ء میں طویل رخصت پر پاکستان آئے تو ان کی شادی محترمہ نصرت بھٹو صاحبہ کے ساتھ انجام پائی۔ نصرت ایک معزز خاندان کی سلجھی ہوئی ذہین لڑکی تھیں جنھوں نے نصرت بھٹو بن کر ذوالفقار علی بھٹو کی زندگی میں عملی قدم رکھا جس کے بعد بھٹو واپس انگلستان چلے گئے۔

ایم اے آنرز کرنے کے بعد وہ آکسفورڈ سے لندن آ گئے جہاں انہوں نے بیرسٹری مکمل کی۔ ان کی علمی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انگلینڈ کی ساؤتھمپٹن یونیورسٹی نے انہیں بین الاقوامی قانون کا پروفیسر چن لیا۔ اس کے بعد بھٹو صاحب کو یہ خبر موصول ہوئی کہ ان کے والد محترم شاہ نواز بھٹو سخت بیمار ہیں۔ چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو نومبر 1953ء میں وطن واپس آ گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا اصل مقام سیاست کا میدان تھا جس کے بارے میں وہ خود کہتے تھے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے پروفیشن میں، میں ماہی بے آب کی طرح ہوں۔ اس دور میں پاکستان کے آئین بنانے کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار گروہ کے اس قسم کے جعلی وفاق کے تصور اور مغربی پاکستان کے ون یونٹ بنانے کے خلاف تھے۔ اپنے خیالات کو انہوں نے ویژن کراچی کی اگست 1954ء کی اشاعت میں واضح کیا۔ اس عرصہ میں بھٹو کی شہرت سندھ کی حدود سے نکل کر ملک بھر میں پھیل گئی۔ ستمبر 1957ء میں حسین شہید سہروردی کی وزارت کے زمانہ میں اس باصلاحیت نوجوان کو پاکستانی وفد کے رکن کی حیثیت سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بھیجا گیا۔ اس دوران بھٹو کو اپنے والد محترم کی رحلت کی جانکاہ خبر موصول ہوئی اور آپ فوراً وطن واپس آ گئے۔ 1958ء میں فیروز خان نون پاکستان کے وزیر اعظم تھے۔ اس دوران بھٹو صاحب کو پاکستان کے وزیر اعظم تھے۔ اس دوران بھٹو کو اپنے والد محترم کی رحلت کی جانکاہ خبر

موصول ہوئی اور آپ فوراً واپس آ گئے۔ 1958ء میں فیروز خان نون پاکستان کی کانفرنس پر جنیوا بھیجا گیا۔ اس کانفرنس میں بھٹو صاحب کی کارکردگی اتنی اعلیٰ تھی کہ دُنیا کی کئی حکومتوں نے پاکستانی گورنمنٹ کو اس پر مبارکباد دی۔ اس وقت اندرونِ ملک کی حالت ناگفتہ بہ تھی، مسلم لیگ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے سازشی گروہ کی حاشیہ بردار بن چکی تھی۔ عوام سے اس کا رابطہ کٹ چکا تھا اور وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اسی طرح جس طرح آج لوگ مسلم لیگ (ق) سے بیزار ہو چکے ہیں اور آٹے تک کو ترس رہے ہیں اور بالآخر 1958ء میں مارشل لاء لگا تھا اور نیم جمہوریت کی بساط بھی الٹ دی گئی۔

1663ء میں مسٹر بھٹو کو ایوب خان کی کابینہ میں وزیرِ خارجہ کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ 1965ء میں جب بھارت نے بغیر کسی اعلان کے چوری چھپے رات کی تاریکی میں پاکستان پر بزدلانہ حملہ کیا تو ذوالفقار علی بھٹو ایک مجاہد بے باک کی طرح میدان میں نکلے۔ بھٹو کبھی اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں نظر آتے تو کبھی حفاظتی کونسل کی مجلسِ عمل میں بھٹو صاحب نے جگہ جگہ پہنچ کر ہندو قوم کی مکروہ ذہنیت کو اس خوبی سے بے نقاب کیا کہ دُنیا کے تمام ممالک پریشان ہو کر رہ گئے جس سے بھارت ذلیل ہو کر رہ گیا۔ ملک کے گوشے گوشے میں ہر شخص کی زبان پر بھٹو صاحب کا نام تھا۔ 1965ء کی پاک و ہند جنگ کے خاتمے پر روس نے پاک و ہند کی صلح کر کے پاکستان کو آئندہ جنگ کے خیال سے بے نیاز کر دیا جائے اور خود وقفہ حاصل کر کے اپنی قوت کو آئندہ جنگ کیلئے مستحکم کر لیا جائے، چنانچہ معاہدہ تاشقند کیلئے بھارت کی طرف سے لال بہادر شاستری وہاں پہنچے اور پاکستان کی طرف سے فیلڈ مارشل ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو گئے۔ صلح نامہ کی شرائط پڑھ کر بھٹو صاحب نے ایوب خان سے کہا کہ وہ ایسی صلح منظور نہ کریں مگر ایوب خان روس کے دباؤ میں تھے، لہٰذا صلح نامہ پر دستخط کرنے پڑے، بھٹو صاحب کو اس پر بے حد رنج ہوا۔ بھٹو صاحب نے کہا ہم نے ہندوستان سے صلح کر کے اسے آنے والے وقتوں میں اپنے خلاف سختی کے ساتھ لڑنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ اس صدمہ کی بنا پر بھٹو صاحب نے 10 جون 1966ء کو وزارتِ خارجہ کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اس استعفیٰ نے قوم کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی۔ اس طرح بھٹو صاحب نے حکومت سے الگ ہو کر اپنے لیے ایک نصب العین متعین کر لیا۔

بالآخر 1967ء میں 28 اکتوبر کے دن ایک پریس کانفرنس میں بھٹو صاحب نے پاکستان پیپلز پارٹی کی مکمل کروضاحت کی اور پھر 9 دسمبر 1967ء میں بھٹو صاحب نے اس پارٹی کا منشور عوام کے سامنے رکھا اور اس دن پارٹی کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا اور واضح کیا کہ یہ پارٹی ملک میں ایک ایسی سوشلسٹ پروگرام اختیار کرے گی اور ہم نے اپنے منشور کی بنیاد چار اصولوں پر رکھی ہے۔

اوّل: اسلام ہی راہ دین ہے۔ دوئم: جمہوریت ہماری سیاست۔

سوئم: سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ چہارم: طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔

چنانچہ 25 مارچ 1969ء کو صدر ایوب خان مستعفی ہو گئے اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ اس روز جنرل یحییٰ خان نے صدارت کا عہدہ بھی سنبھل لیا۔ سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندی ختم ہونے پر بھٹو صاحب نے اپنی انتخابی مہم کا آغاز 4 جنوری 1970ء میں کراچی کے ایک جلسہ عام سے کیا۔ 11 جنوری 1970ء لیاقت باغ راولپنڈی میں 18 جنوری 1970ء جناح پارک پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کیا۔ 23 مارچ 1970ء کمپنی باغ سرگودھا، 25 فروری کومران میں جلسہ سے خطاب کے بعد 8 مارچ 1970ء کو بھٹو صاحب نے لاہور کے تاریخی میدان موچی دروازہ باغ میں عوام سے خطاب کیا۔ 17 مارچ 1970ء ذوالفقار علی بھٹو نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس بلائی اور کہا کہ مجیب کے 6 نکات کا مقصد ملک کو ٹکڑے کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ ہم ان 6 نکات کی ہر گز حمایت نہیں کر سکتے۔ 31 مارچ 1970ء کو بھٹو صاحب سانگھڑ میں ایک جلوس کی قیادت کر رہے تھے کہ ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، حملہ آوروں نے جلوس پر پتھراؤ بھی کیا۔ لاٹھی چارج اور فائرنگ بھی ہوئی۔ آخر وہ دن آن پہنچا جب 7 دسمبر ذریعے کرنا تھا۔ پی پی پی نے پنجاب جب 7 دسمبر 1970ء کو قوم نے اپنے مستقبل کا فیصلہ اپنے ووٹ کے ذریعے کرنا تھا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل میں آمرانہ قوتیں ملوث ہیں

میاں محمد نواز شریف

پاکستان میں امن وامان نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ گزشتہ ہفتہ ہونے والے سانحہ نے تمام پاکستانیوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ محترمہ بےنظیر بھٹو کوئی معمولی انسان نہیں تھیں وہ دوبار پاکستان کی وزیراعظم رہیں اور وہ وطن عزیز میں جمہوریت کی بحالی کیلئے واپس آئیں۔ ان کی شہادت سے میں اپنے ایک دوست اور رفیق جمہوریت سے محروم ہوگیا ہوں۔ ان کی شہادت کا کسی کو مورد الزام ٹھہرانا قبل از وقت ہوگا۔ ایک بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ پاکستان کو شخص پرویز مشرف کے ناقابل معافی اقدامات کی وجہ سے بہت بڑی قیمت ادا کر پڑ رہی ہے۔ پاکستان میں پیدا شدہ بدامنی کے تنہا ذمہ دار صرف مشرف ہیں۔ گزشتہ 8 سالوں میں انہوں نے صرف اداروں کی تباہی، عدلیہ کے تعطل، آئین کو توڑنے اور میڈیا پہ بے جا پابندیوں کیلئے کام کیا ہے آج پاکستان فوجی ریاست بن چکا ہے جہاں دن دہاڑے سابق وزیراعظم کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ میری اپنی ایک سیاسی ریلی کو بینظیر بھٹو کی شہادت کے دن گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

پاکستان کی تاریخ کے یہ سیاہ ترین ایام ہیں۔ ان تمام ریلیوں کو جن سے میں نے خطاب کیا، عوام مجھے سوال کرتے ہیں کہ قانون شکنی پر مجرموں کو سزا دی جاتی ہے تو پھر آئین کو

توڑنے والوں کو اب تک سزا کیوں نہیں دی گئی؟ بینظیر بھٹو کو قتل کرنے والی کالی اور آمرانہ قوتیں ہیں بینظیر بھٹو اور میں جلاوطنی کے دوران محسوس کیا کہ جمہوری پارٹیوں کے درمیان عداوت کے سبب غیر جمہوری قوتوں کیلئے ان کے خلاف ریشہ دوانیوں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ تاہم ہم نے اسٹیبلشمنٹ کے مذموم مقاصد کی بھینٹ نہ چڑھنے کا فیصلہ کیا۔ فروری 2005ء میں محترمہ بے نظیر بھٹو سے ہونے والی ملاقات مجھے یاد ہے جب وہ مجھے جدہ سعودی عرب میں جلاوطنی کے دور میں ملنے آئیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ ہم دونوں جمہوریت کے حصول کے مشترکہ ہدف کی سعی کر رہے ہیں۔ محترمہ بھی قانون اور عوام کی بالادستی پر یقین رکھتی تھیں۔ 2006ء میں دستخط کئے جانے والے معاہدہ میثاق جمہوریت کا اہم نکتہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر کوئی عوامی مینڈیٹ کا خیال رکھے گا اور اسٹیبلشمنٹ کو گندی سیاست اور عوام رائے کو روندنے کی اجازت نہیں دے گا۔ جدہ میں ہونے والی ملاقات کے بعد ہم نے قومی اور بین الاقوامی اہم امر پر ایک دوسرے سے متواتر رابطے رکھنا شروع کر دیئے۔ بہت سے مواقعوں پر ہم کی، متعدد معاملات پر ہمارا اتفاق رائے ہوا اور عدم اتفاق رائے بھی لیکن ہم دونوں پاکستان کی بھنور میں ڈوبتی کشتی کو پار لگانا چاہتے تھے۔ گو کہ پاکستان پیپلز پارٹی ہماری روایتی حریف جماعت تھی تاہم یہ ایک قومی اثاثہ بھی ہے جس کی قیادت نے بہت سے پاکستانیوں کو متحرک کیا ہوا ہے۔ سیاسی پارٹیاں کسی بھی معاشرے کی وہ بنیاد ہوتی ہیں جس پر جمہوریت کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کو ترقی کی جانب گامزن دیکھنا چاہتے ہیں تب ہمیں ایک آزاد عدلیہ، خودمختار پارلیمنٹ اور مستحکم سیاسی پارٹیوں کی ضرورت ہے جو صرف عوام کی جوابدہ ہوں۔ سیاسی پارٹیوں کے وجود کے بغیر ناامیدی اور مطلق العنانیت جنم لیتی ہے۔ آمر عوامی طاقت سے خوفزدہ رہتے ہیں اسی لیے وہ اپنے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے پارٹیوں میں اختلافات پیدا کر کے انہیں تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہی سب کچھ پاکستان کے ساتھ حالیہ چند سالوں میں ہوا ہے۔

لہٰذا اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ پاکستان کو ظلمت کے اندھیروں سے باہر کیسے نکالنا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے صدر پرویز مشرف کو فوراً اقتدار چھوڑنا ہوگا۔ وہ نفاق کی بنیادی اور اوّلین علامت ہیں۔ دوسرا زخم خوردہ قوم کے زخموں پر مرہم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ فوری طور پر

وسیع تر قومی اتحاد کی حامل حکومت قائم کی جائے۔ نمبر 3، 1973ء کے آئین کو اس کی اصل حالت میں بحال کیا جائے۔ مزید کہ 3 نومبر کی حالت پر واپس لایا جائے جس کے خلاف "ایمرجنسی" کے نفاذ میں صدر پرویز مشرف نے اصلاحی اقدامات اٹھائے۔ میڈیا پر عائد پابندیاں ختم کی جائیں۔ آخر میں، شفاف اور غیر جانبدار انتخابات کا دوستانہ اور پرامن ماحول میں منعقد کرایا جائے تاکہ لوگ بہتر اور حکومت کیلئے ملک کے نمائندوں کا انتخاب کر سکیں جن پر اعتماد ہو کہ وہ کسی آمر کے ایجنڈے کے بجائے حقیقی معنوں میں ملک کی تعمیر کیلئے کام کریں گے۔ صدر کے یہ اقدامات ہی مسائل کی اصلاح کی ضمانت ہیں۔ اگرچہ مشرف پاکستان پر گزشتہ آٹھ سالوں کی طرح حکومت کرتے رہے ہوں گے مگر وہ قومی سطح کے مسائل کے حل کے بجائے محض کچھ کر سکے۔

قوم ہماری کو اب یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ مشرف کی پالیسیوں سے دہشت گردی کا خطرہ کم ہونے کے بجائے دہشت گردی مکمل طور پر عام ہو گئی ہے۔ مشرف کے دور میں وہ حقیقت دہشت گردی کو صرف تقویت ملی ہے اور ملک کی حالت بھی بگڑ گئی ہے۔ پاکستان کے عوام کو ایک فرد کیلئے کی اس حد تک قربانی دہشت گردی کا نشانہ بنا دیا ہے۔ ملک بھر میں دہشت گردی ہے کہ عوام پاکستان میں حقیقی جمہوریت اور قانون کی بالادستی کیلئے پاکستان کی مدد کرے۔ مہربانی کرکے تمام مسائل کا واحد حل جمہوری عمل کی بحالی ہے جس میں منصفانہ انتخابات اور دہشت پسندی کا خاتمہ ہے جو انتہا پسندی کے فروغ کا بھی ایک سبب ہے۔ آمریت کے ساتھ امن کوئی مستقل نہیں ہے۔

[illegible]

بے نظیر کی وفات پر

عمران خان (چیئرمین پاکستان تحریک انصاف)

کیا بینظیر بھٹو کی موت کے بعد پاکستان کے حالات بدل سکتے ہیں۔ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ایک عام پاکستانی کے مطابق نہیں اور کبھی نہیں پر مشتمل ملے گا اتنا ضرور ہوگا کہ جس خطرے کے پیش نظر اے پی ڈی ایم انتخابات کا بائیکاٹ کر رہی تھی اس بہیمانہ قتل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکومت الیکشن کا کھیل رچا کر اصل حقائق سے عوام کی توجہ ہٹانا چاہ رہی تھی۔ محترمہ کا قتل حکومتی غلط پالیسیوں خواہ ملکی سطح پر ہوں یا پھر بین الاقوامی سطح پر کی ناکامیوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

میری تمام تر اپیلوں اور بروقت فیصلوں کے باوجود اپوزیشن کی پارٹیاں ایک نقطے پر اکٹھا نہ ہوسکیں، بدقسمتی سے نواز شریف صاحب بھی بائیکاٹ کا اعلان کر کے انتخابات میں جا کودے اور اسی حکومت پالیسی کی بھینٹ چڑھ گئے جن سے میں انہیں بچانا چاہتا تھا۔ کل کے بائیکاٹ اور آج کے بائیکاٹ میں یہ فرق پڑا کہ ہم ایک مدبر اور بڑی سیاسی جماعت کی قائد سے محروم ہوگئے۔ ایک شہر جو ابھی تک ذوالفقار علی بھٹو کے داغ نہیں دھو پایا تھا اس کے ماتھے پر بے نظیر بھٹو کے خون سے نئی تاریخ رقم کر دی گئی۔ اتنی نااہلی، لاپرواہی اور فرائض سے غفلت پہلی مرتبہ دیکھنے کو نہیں ملی۔ امن وامان کا مسئلہ مہنگائی بدامنی کی بڑھتی ہوئی صورتحال، ارض پاک پھر

www.bhutto.org

پھیلی انارکی، عدلیہ کی بربادی صف اوّل کے اتحادیوں کے شاندار کارناموں کی وہ تفصیل ہے جس کے سہارے وہ ظلم کی حکومت کو طوالت بخشتے جا رہے ہیں۔ بینظیر بھٹو سے پہلے میاں نواز شریف کے قافلے پر حملہ ہوا ان کے کئی کارکن مارے گئے، پھر تھوڑ دیر بعد بینظیر بھٹو جان لیوا حملے کی نذر ہو گئیں، کیا یہ بہترین مثال نہیں ایک ناکام حکومت کی پالیسیوں کی، اختلافات اپنی جگہ پر لیکن ہمارا اور محترمہ کا نظریہ اور موقف یہی تھا کہ مکمل جمہوریت کی بحالی ہو، میاں نواز شریف عدلیہ کی بحالی کی خاطر میدان میں جا اتریں، ہمارا موقف کل بھی وہی تھا اور آج بھی وہی ہے کہ ججوں کو بحال کئے بغیر، الیکشن کمیشن کو آزاد کئے بغیر، آئین کو بحال کئے بغیر الیکشن لڑنا حکومتی موقف کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے جو ہم کبھی نہیں کریں گے۔

اب آگے کی حکمت عملی کیا ہوگی آئندہ چند دنوں میں ہم مل کر اے پی ڈی ایم کے پلیٹ فارم سے نیا لائحہ عمل طے کرینگے، میں ذاتی طور پر درخواست کرتا ہوں کہ تمام جماعتیں الیکشن کا بائیکاٹ کر کے نئے اور آزاد پاکستان کی خاطر قدم بڑھائیں۔ دشمن جو چاہتا ہے وہ پالیتا ہے جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے، وہ ہم کر رہے ہیں کہا بھی ہمارے پاس غلطی کی کوئی گنجائش موجود ہے؟

میں آج پورے ملک کے عوام سے اس ناگہانی موت پر بالعموم اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنان سے بالخصوص دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے پیغام دینا چاہتا ہوں کہ صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑیں یہ ایک انتہائی نازک گھڑی ہے اگر آج کوئی بھی جذباتی اور غیر دانشمندانہ قدم اٹھایا گیا تو اس کے اثرات انتہائی مضر اور ناقابل برداشت ہونگے۔ بھٹو خاندان کی جمہوریت کے لیے قربانیاں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، اللہ وتبارک تعالیٰ اس سانحے کے بعد انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور ملک کو دشمنوں کی نظرِ بد سے محفوظ رکھے۔

محترمہ کے انتخابی جلسوں میں مدارس کے خلاف آنے والے بیانات کو بنیاد بنا کر اس واقعے کو القاعدہ سے جوڑنا بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہر بڑے کام کے بعد کریڈٹ میں پہلے ان کا نام استعمال کیا جاتا تھا، تمام قومی املاک ہماری ملکیت اور سالمیت کی علامت ہیں انہیں جلانے، توڑنے پھوڑنے سے ملک کمزور ہوگا۔ بے نظیر بھٹو واپس نہیں آسکتیں، لہٰذا ہمارا مقابلہ ان قوتوں سے ہے جو جبراً آئین، عدلیہ، میڈیا اور جمہوریت پر قابض من مرضی کے فیصلے کر رہے ہیں اتنے

بڑے سانحے کے بعد حکومت کا الیکشن کرانا انتہائی بزدلانہ فیصلہ ہے کیونکہ ان کی بقا ان کے نزدیک انتخاب لڑنے میں پوشیدہ ہے جبکہ ہماری کے مطابق انتخابات میں حصہ نہ لینا ملک کو بچانے کے مترادف ہے۔

میں ذاتی طور پر تمام سیاسی رنجشوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پیپلز پارٹی کی قیادت سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر اب بھی انہوں نے کوئی دانشمندانہ فیصلہ نہ کیا تو وفاق کی علامت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ انتخابات ملک کی ضرورت نہیں بلکہ مشرف اور اس بے رحمانے نظام کی ضرورت ہیں جسے یہ بچانا چاہتا ہے۔ یقین مانیے کہ یہ آخری معرکہ ہوگا اگر ہم مل کر کسی ایک نکاتی ایجنڈے پر مل بیٹھیں، آج تمام ہمدردیاں آپ کے ساتھ اور ملک سے اٹھنے والی تمام ہوائیں آپ کو پکار رہی ہیں کہ ہمیں وقتی اقتدار نہیں ملکی سالمیت اور شہید ذوالفقار علی بھٹو والی جمہوریت درکار ہے، میں اپنے تمام کارکنان سے ہمدردی سے کہتا ہوں کہ وہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ساتھ ان کے دُکھ میں برابر کے شریک ہوں، ہم اس قومی المیے پر انہیں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتے۔ خدا محترمہ کو غریق رحمت کرے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ (آمین) ہمیں بطور پاکستانی پہلے اپنا ملک عزیز ہے اور بعد میں کسی قسم کی سیاست، آج قومی مشاورت کے بغیر ہم اس بحران سے نہیں نکل سکتے۔ اعتزاز احسن سمیت تمام وکلاء اور ججوں کو رہا کیے بغیر بات نہیں بنے گی۔ عدلیہ آزاد ہوتی تو اس قتل کے محرکات سے پردہ اُٹھایا جا سکتا تھا لیکن اب ایسا ممکن نہیں رہا ہے۔ بطور چیئرمین پاکستان تحریک انصاف وکلاء طلباء ججوں سمیت سب کو دعوت دیتا ہوں کہ امن، انصاف اور وطن کی سالمیت کی خاطر تحریک انصاف کا ساتھ دیں تاکہ اس معرکے کو بھرپور طور پر لڑا جا سکے۔ آج سب ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔

www.bhutto.org

وہ بولتی کیوں نہیں

خواجہ جمشید امام

وہ بولتی تھی تو بہت بولتی تھی اُس کا بولنا اچھا لگتا تھا وہ میرے خیالات اور خواہشات کے خلاف بھی بولتی تھی تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ جب فیصلے کی گھڑی آئے گی تو وہ میری امنگوں کے خلاف نہیں ہوگا میں نے اُسے کبھی خاموش نہیں دیکھا تھا وہ خاموش رہ ہی نہیں سکتی تھی بھلا سیماب بھی کبھی ایک جگہ ٹھہرا ہے اُسے اللہ نے بولنا سکھایا تھا اور اُس نے حق کا حق ادا کر دیا۔

اُسکے پاس بولنے کیلئے اتنے موضوعات تھے جتنے اس دنیا میں انسان نہ انسانوں کے دُکھ ختم ہوئے تھے اور نہ اُس نے بولنا بند کیا تھا۔ وہ یزید کے دربار میں کلمۂ حق ادا کرنے والی دختر زہرہؓ نواسی رسولؐ ہمشیرہ حسینؓ بنت علیؓ بی بی زینبؓ کی جانشین تھی۔

وہ بولتی تھی تو پاکستان کا موقف بولتا تھا یزید کے دربار میں موجود یہود و نصارا کے سفیر بی بی زینب کے خطبۂ کے وقت جان چکے تھے کہ اب ہمیں مسلمانوں کو تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ کارنامہ یزید اور اُسکے ساتھی خود ادا کر چکے ہیں لیکن اُس کے بولنے سے تو وہ جو علیحدہ علیحدہ تھے۔ تقسیم شدہ تھے، بٹے ہوئے تھے یک جا ہونے جا رہے تھے وہ کسی جماعت کو بچانے کیلئے نہیں بول رہی تھی وہ کسی صوبے کی محرومیوں کا رونا نہیں رو رہی تھی وہ تو پاکستان کی ترجمان تھی اور پاکستان کے ترجمان تو کبھی نہیں بولتے وہ بولتی تھی اور اس زمین پر سب سے زیادہ عذاب اُنہیں پر نازل ہوئے ہیں جو یا لکھتے ہیں یا بولتے ہیں وہ لکھتی بھی تھی اور بولتی بھی تھی اُس پر عذاب بھی دوہی نازل ہونے تھے سو ہوئے ایک وطن کے باہر سے آیا اور ایک وطن کے اندر سے۔

وہ گفتار کی شمشیر جو اپنے الفاظ کی ضربوں سے دشمنانِ پاکستان کو شدید زخمی کر چکی تھی وہ جرأت اظہار کی دیوی جس نے پاکستان کے مفاد میں جو بہتر سمجھا برملا کہہ دیا۔ اُس نے آخری بار

www.bhutto.org

بولتے ہوئے کہا تھا" ہم آگئے ہیں ہم بچائیں گے پاکستان وہ سارا پاکستان بچانا چاہتی تھی لیکن سارا پاکستان مل کر اُسے نہ بچا سکا۔ اب کوئی نہیں بولتا۔ اب کوئی کیوں نہیں بولتا کہ میں بچاؤں گا پاکستان کیا بولنے والے یہ جان چکے ہیں کہ پاکستان بچانے کا ارادہ کرنا موت ہے بے بسی کی موت۔ وہ پاکستان کے ساتھ ہونے والی ہر زیادتی کی مدعیہ تھی لیکن اُس کی موت کا مدعی کون ہے؟ پولیس پر خودکش حملہ ہوتا ہے تو فوری طور پر ٹینٹ لگا کر رستے بند کر کے تمام ضروری ثبوت اکٹھے کیے جاتے ہیں لیکن اُسکے قتل کے تیس منٹ بعد ہی جائے وقوعہ مَل مَل کر دھو دیا جاتا ہے۔

مگر کیا خون کے دھبے صرف زمین پر ہی گرتے ہیں؟ کیا کفرِ قاتل اُس سے محفوظ رہتا ہے۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر دیوانہ ہو رہا ہوں کہ اگر سانحہ راولپنڈی میں محترمہ بچ جاتیں اور قربانی امین فہیم، ناہید خان یوسف رضا گیلانی یا پھر مخدوم شاہ محمود قریشی میں سے کسی کی ہو جاتی تو کیا آج منظر نامہ یہی ہوتا؟ کراچی بم دھماکے کے بعد محترمہ کے خیالات اور باڈی لینگویج جس طرح بدلی ۔ اگر اس پلاننگ سے محترمہ بچ جاتیں تو شاید انقلاب اور تبدیلی کو ترسی ہوئی یہ قوم نا جانے کیا کچھ دیکھ لیتی کچھ بھی ہوتا لیکن اگر بی بی محفوظ رہ جاتی تو کم از کم ایسی مجرمانہ خاموشی نہ ہوتی۔ سیاسی بصیرت، اور علم و دانش کے نئے کوہ ہمالیہ اُس برہنہ شمشیر کو سر کرتے ہوئے سب نے دیکھنا تھا۔ کہتے ہیں اگر سو گیدڑوں کا سردار شیر ہو تو وہ اُن سو شیروں کو شکست دے دے گا جن کا والی وارث گیدڑ ہو۔ اُسکی موت کے بعد اُسکے ساتھی تو احتجاج اور گفتار کے آداب اور سلیقے بھی بھول گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ساتھی تو وہ ہیں جو تربیت یافتہ ہیں آمریت کے خلاف لڑنے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں جو اُسکے فیضانِ نظر سے بلا واسطہ مستفید ہوئے ہیں جن کی پشت پر کروڑوں انسانوں کی امنگوں کا ہاتھ ہے لیکن شاید وہ یقین اور جرأت اپنے لوگوں سے نہیں جو اُس شہیدہ کی تھی جو جانتی تھی کہ کہیں دور بہت دور کچھ لگڑ بگڑ اُس شیرنی پر حملے کی سازش مکمل کر چکے ہیں لیکن اپنے مسکراتے نعرے لگاتے اور دلوں کو فرشِ راہ کیے ہوئے عوام کو دیکھ کر وہ اپنے آپکو قابو میں نہ رکھ سکی اور عوام سے محبت اور اُن کا پیار ہی اُسے باہر نکال لایا ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اُس مشرقی مینا کو نفسیاتی طور پر جذباتی بلیک میلنگ کے ذریعے قتل کیا گیا یہ ذہن میں کیوں نہیں آتا کہ قاتل جانتے تھے کہ عوام کے ہجوم کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکے گی ہم اُس ہجوم کو وجہِ قتل قرار کیوں نہیں دیتے؟ اگر دلدل کے اوپر ناچنے والا بھالو رکھ دیا جائے اور بعد میں تبصرہ یہ کیا جائے کہ بچے کی غلطی تھی جو دلدل میں اتر گیا تو بات بڑی عجیب و غریب ہو جائے گی۔

درآمدی تفتیشی ٹیم کسی قاتل کو گرفتار کرنے نہیں آئی صرف اُس پلان کو سمجھنے کیلئے تگ ودو کر رہی ہے جس کے ذریعہ اُسے قتل کیا گیا کیونکہ اس سے زیادہ کی اجازت درآمدی ٹیم کو دی ہی نہیں اگر آج کسی کو ایک قاتل گرفتار کرنے کی اجازت مل گئی تو کہیں یہ سلسلہ ہی شروع نہ ہو جائے اور قاتلوں کی کمیں گاہ تک ہر ہاتھ پہنچ جائے یہ قاتل بھی تو ہمارے ہی لوگ ہیں ہمیں یہ اجازت کسی کو بھی نہیں دینی چاہیں یہی وسیع تر ملکی مفاد میں ہے۔

میں تو اچھا بولنے والوں کیلئے جان بھی دے سکتا ہوں کوئل کی کوک اور کوے کی کائیں کائیں آوازیں ہونے کے باوجود مختلف اثرات مرتب کرتی ہیں میں تو لکھ لکھ کر تھک گیا ہوں کہ وہ جو ایک شخص روزِ اول سے عجیب وغریب بیان دے رہا ہے کم از کم اُسے محرم کے مہینے میں ہی کچھ دنوں کیلئے خاموش کروا دیا جائے۔ کہتا ہے حسینؑ کا درس بھائی چارے کا ہے اور کربلا محبت کا درس دیتی ہے حالانکہ یہ بات کم عقل بھی جانتا ہے کہ کربلا اور حسینؑ جبر اور مزاحمت کے استعارے ہیں حسینؑ کا درس جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنے کا ہے کربلا، یزید حاضر کے خلاف اہلِ خانہ سمیت شہادت کا درس دیتی ہے حال کے آئینے میں مستقبل دیکھنے کا نام کربلا ہے مگر میں تو اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اُسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ وہ پھر بولے گا اور غلط بولے گا.....

میں شہر کے جس گلی، محلے، سڑک اور موڑ کو مڑتا ہوں وہ میرے سامنے ہاتھ اٹھائے کھڑی ہوتی ہے لیکن اُس کے ہاتھ ہلتے نہیں اُسکے آگے مائیک پڑے ہیں لیکن وہ بولتی نہیں شاید میرے وطن کے لئے وہ اس سے زیادہ نہیں بول سکتی تھی وہ میری طرف دیکھتی ہے مگر آنکھیں نہیں جھپکتی شاید وہ میری بے حسی پر ساکت ہوگی ہے شہر بھر میں اُسکی خاموش تصویریں چیخ رہی ہے اور میری چیخ خاموش ہے۔ اُسے کہو کہ بولے صرف ایک بار صرف ایک بار اپنے ساتھیوں کو یہ بتا دے کہ اگر اُن کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا تو وہ کیا کرتی۔ اُسے کہو وہ بولے وہ بولتی تھی تو بہت بولتی تھی اُسکا بولنا اچھا لگتا تھا وہ میرے خیالات اور خواہشات کے خلاف بھی بولتی تھی تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ جب فیصلے کی گھڑی آئے گی تو وہ میری اُمنگوں کے خلاف نہیں ہوگی کیونکہ میں عوام ہوں۔

بشکریہ روزنامہ ''محاذ''

4 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بھٹو خاندان کی قربانیوں میں

نصرت بھٹو کا کردار نا قابل فراموش ہے

بھٹو خاندان کی قربانیوں کا ذکر جب بھی آئے گا بیگم نصرت بھٹو کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ بھٹو فیملی کی تمام قربانیوں کا دکھ اپنی جان پر جھیلنے والی بیگم نصرت بھٹو کی زندگی میں ان کے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیدی گئی۔ سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز بھٹو کو زہر دے کر قتل کر دیا گیا۔ بڑے بیٹے مرتضیٰ بھٹو کو پراسرار پولیس مقابلے میں قتل کر دیا گیا اور اب سب سے بڑی بیٹی بینظیر کو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں دہشت گردی کی واردات میں شہید کر دیا گیا ہے۔

8 ستمبر 1951ء کو شروع ہونے والا زندگی کا یہ سفر نصرت بھٹو کو خاتون اوّل کے منصب تک لے گیا:

بیگم نصرت بھٹو بننے سے قبل ان کا نام نصرت اصفہانی تھا جو کراچی میں مقیم ایک ایرانی تاجر کی بیٹی تھیں۔ ان کی ذوالفقار علی بھٹو سے پہلی ملاقات کراچی کے ایک بینک میں اور دوسری ملاقات شادی کی ایک تقریب میں ہوئی۔ اس وقت بھٹو امریکہ میں زیر تعلیم تھے۔ دو سال بعد جب ذوالفقار علی بھٹو واپس آئے تو پھر ملاقاتیں ہونے لگیں جو دونوں کی شادی پر منتج ہوئیں۔ شادی کی تجویز پر پہلے تو نصرت کے خاندان نے ایرانی نسل ہونے کی وجہ سے انکار کر دیا مگر بعد میں راضی ہو گئے اور یوں نصرت اصفہانی بھٹو خاندان کی بہو بن گئیں۔ 8 ستمبر 1951ء کو شروع ہونے والا زندگی کا یہ سفر نصرت بھٹو کو خاتون اوّل کے منصب تک لے گیا اور پھر 4 اپریل 1979ء کو بھٹو کو پھانسی کے ساتھ یہ سفر اختتام پذیر ہوا۔

www.bhutto.org

www.bhutto.org

بڑا صدمہ 1985ء میں دیکھنا پڑا جب ان کے سب سے چھوٹے بیٹے شاہنواز بھٹو کو صرف 27 سال کی عمر میں پیرس میں زہر دیکر قتل کر دیا گیا۔ اپریل 1986ء میں بینظیر بھٹو کی وطن واپسی کے بعد نصرت بھٹو کے حالات بھی بہتر ہونا شروع ہوئے۔ 1988ء کے الیکشن میں نصرت بھٹو رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئیں۔ 1977ء میں رنج وغم کے دور کے آغاز کے بعد یہ یقیناً بیگم نصرت بھٹو کی زندگی کا عروج تھا۔ انہوں نے 1990ء میں اپنی بیٹی دوبارہ وزیراعظم بننے کی خوشی بھی دیکھی، بڑے بیٹے مرتضیٰ بھٹو کی وطن واپسی کے بعد نصرت بھٹو ان کے زیادہ قریب ہوئیں تو بیٹی میں اختلافات بڑھنے لگے اور کشیدگی کی صورت اختیار کر گئے۔ 1996ء میں مرتضیٰ بھٹو کا قتل بیگم نصرت بھٹو کے لیے بدقسمت ترین لمحہ تھا کہ اس وقت جو دور ابتلا شروع ہوا وہ آج تک ختم نہیں ہو سکا۔ ایک ماں کے لیے اس سے زیادہ بدقسمتی اور پریشانی کی بات اور کیا ہوگی کہ اس کی بیٹی ملک کی وزیراعظم تھی کہ بیٹا پولیس مقابلے میں قتل ہو گیا اور اس قتل کی منصوبہ بندی کا الزام بھی وزیراعظم بیٹی کے خاوند آصف زرداری پر لگا اور پھر بیٹی کی وزارت عظمیٰ بھی نہ رہی۔ برطرفی پر جو الزامات کی چارج شیٹ پیش کی گئی اس میں مرتضیٰ بھٹو کا قتل بھی شامل تھا۔ بیٹے کے قتل کے بعد نصرت بھٹو اور بینظیر بھٹو میں دوریاں کم ہونے لگیں، اور پھر دونوں نے ایک دوسرے کو قبول کر لیا۔ شاید بڑھتی ہوئی عمر، گرتی ہوئی صحت اور صدموں کے بڑھتے ہوئے بوجھ کی وجہ سے نصرت بھٹو کے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ 1999ء میں بینظیر بھٹو کی جلاوطنی کے بعد نصرت بھٹو بھی ان کے ہمراہ دبئی میں مقیم ہو گئیں اور آہستہ آہستہ سیاسی منظر سے غائب ہو گئیں۔

نواز شریف کے دور حکومت میں بیگم نصرت بھٹو کے خلاف ڈیڑھ ارب ڈالر کے ناجائز اثاثہ جات کا ریفرنس دائر ہوا یہ رقم موجودہ کرنسی ریٹ کے مطابق ایک کھرب روپے کے قریب بنتی ہے۔ 18 نومبر 2000ء کو احتساب عدالت نے بیگم نصرت بھٹو کو اس ریفرنس میں دو سال سزائے قید اور جائیداد ضبط کرنے کی سزا سنائی اور کیس داخل دفتر کر دیا۔

17 مارچ 2003ء کو پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کے سربراہ مخدوم امین فہیم نے میڈیا کو بتایا کہ بیگم نصرت بھٹو کے کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور وہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ ان کی تشویشناک حالت کے پیش نظر لندن میں مقیم صنم بھٹو کو بھی دبئی بلا لیا گیا اور آصف زرداری جو کہ

www.bhutto.org

[illegible]

18 نومبر 2000 [illegible]

[illegible]

19 جنوری 2005 [illegible]

[illegible]

[illegible] 2008 [illegible]

[illegible]

[illegible] 27 دسمبر 2007 [illegible]

[illegible]

[illegible]

6 [illegible] 2008ء

www.bhutto.org

میری زندگی

محترمہ بے نظیر بھٹو کی کتاب ''دختر مشرق'' سے دلچسپ اقتباسات

ہماری خاندانی تاریخ میں المرتضیٰ کا حوالہ انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ میرے والد اور ان کی تین ہمشیرگان پیدا ہوئیں۔

اگرچہ المرتضیٰ کی جدید کاری نے پرانے گھر کی ہیئت کو تبدیل کر دیا ہے، تاہم المرتضیٰ ہی بھٹو خاندان کا قدیم اور اصلی گھر محسوس ہوتا ہے۔

سامنے کا دروازہ نیلی اور سفید ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے۔ ان ٹائلوں کا ڈیزائن دراصل 2500 ق۔م میں اس علاقے میں پھلنے پھولنے والی موہنجوڈارو کی عظیم تہذیب کی جدید شکل ہے۔ جس میں سندھی تہذیب کے زمانے کے مردوں اور عورتوں کے طرز زندگی کی عکاسی ہوتی ہے۔ بچپن میں میرا خیال تھا کہ اس قدیم شہر کو ''موہنجوڈارو'' اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس لفظ کا مطلب ہی سندھی زبان میں ''میری جگہ'' ہوتا ہے۔ میرے بھائیوں، بہن اور مجھے اس بات پر ہمیشہ فخر رہا کہ ہم موہنجوڈارو کے سائے میں پلے بڑھے ہیں۔ ہم دریائے سندھ کے کنارے پر

www.bhutto.org

رہائش پذیر ہیں جو اوائل زمانہ سے ہماری زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔ کسی دوسری جگہ ماضی سے تسلسل کا ایسا رشتہ ہم نے محسوس نہیں کیا کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد کا تعلق 712ء میں مسلمانوں کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے ساتھ براہ راست بنتا ہے۔ ہمارے اجداد میں ایک فرد کی ڈائری میں خاندان کے بارے میں پوری تفصیلات درج تھیں جو میرے پردادا کے زمانہ میں ایک بہت بڑے سیلاب کی نذر ہو گئیں لیکن بچپن ہی سے ہمیں بتایا گیا کہ یا تو ہم ہندوستان کی جنگجو نسل راجپوت سے تعلق رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے حملہ کے وقت مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور یا ان فاتح عربوں کی اولاد میں سے ہیں جو ہمارے آبائی صوبہ سندھ میں سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ اسی لیے سندھ کو ''باب الاسلام'' کا نام دیا جاتا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں لاکھوں افراد بھٹو قبیلے میں شامل ہیں۔ سندھ کا یہ سب سے بڑا قبیلہ ہے جس میں چھوٹے کسان بھی ہیں اور بڑے بڑے زمیندار بھی۔ ہمارا خاندان بھٹو قبیلے کے مشہور مورث اعلیٰ سردار ڈوڈو خان کی براہ راست اولاد میں سے ہے۔ اپر سندھ یعنی بالائی سندھ کے متعدد دیہات، میر پور بھٹو جہاں ہمارے خاندان کا قبرستان واقع ہے۔ ہمارے اجداد کے ناموں سے معروف ہیں جن کی زیادہ تر صوبے میں اراضی ملکیت تھی اور جو سیاسیات میں سینکڑوں برسوں سے حاوی چلے آ رہے تھے۔ میرے بڑوں نے نوڈیرو گڑھی خدا بخش بھٹو کے نزدیک ایک گھر اپنی تحویل میں رکھا ہوا تھا۔ جہاں عید کے دنوں میں میرے والد اور بھائی پکے ہوئے میٹھے چاول اور عرق گلاب سے معطر پانی روایتی تحفہ کے طور پر مہمانوں میں تقسیم کیا کرتے تھے لیکن میرے دادا کے وقتوں سے خاندان میں مرکزی حیثیت لاڑکانہ کے المرتضیٰ کو حاصل ہو گئی تھی۔

1958ء کی پہلی زرعی اصلاحات سے قبل بھٹو خاندان ہی کے پاس صوبے کے ہاریوں کی سب سے بڑی تعداد ملازم تھی۔ سندھ میں ہماری زمینیں دوسرے زمینداروں کی طرح ایکڑوں میں نہیں، مربع میلوں میں ناپی جاتی تھیں۔ بچپن میں ہم 1843ء میں سندھ کے برطانوی فاتح چارلس نیپیئر کی حیرت کی کہانی مزے لے لے کر سنا کرتے تھے ''یہ زمینیں کس کی ہیں؟'' وہ وقفے وقفے سے سندھی زمینوں کے دورے کے دوران اپنے ڈرائیور سے پوچھا کرتے تو برجستہ جواب ملتا ''بھٹو کی زمینیں'' اس نے ڈرائیور کو حکم دیا ''جب بھٹو کی زمینیں ختم ہو جائیں تو

www.bhutto.org

مجھے جگا دینا'' کچھ عرصے بعد جب ان کی آنکھ خود ہی کھل گئی تو اس نے پوچھا ''ان زمینوں کا کون مالک ہے؟'' تو ڈرائیور کا جواب سن کر حیرت زدہ رہ گیا ''بھٹو ہی مالک ہے''۔

میرے دادا سر شاہنواز نے سب سے پہلے بھٹو خاندان میں جاگیردارانہ ہیئت ختم کرنے کی ابتداء کی کیونکہ یہ چیز معاشرے کے ایک بڑے حصے کو تباہ کر رہی تھی۔ ان کے وقتوں تک بھٹو افراد کی شادیاں بھٹو خاندان ہی میں ہوتی تھیں یعنی چچازادوں یا ماموں زادوں میں یا ان کی اولادوں میں۔ اسلام میں عورتیں بھی جائیداد کی وراثت کی حقدار ہیں اور زمین کو خاندان ہی میں رکھنے کا طریقہ یہی تھا کہ خاندان ہی میں شادی کی جائے۔ ایسی ہی ایک مطلوبہ شادی میرے والد اور ان کی فرسٹ کزن امیر بیگم میں ہوئی۔ جب وہ ابھی بارہ سال کے تھے اور امیر بیگم ان سے آٹھ یا نو سال بڑی۔ انہوں نے اس شادی پر مزاحمت کی مگر میرے داد نے انگلستان سے کرکٹ سیٹ منگوا کر دینے کا لالچ دے کر ان کو راضی کر لیا۔ ان کی شادی کے بعد امیر اپنے خاندان میں رہنے کے لیے واپس چلی گئیں اور میرے والد سکول میں جس نے ان کے ذہن پر اس ناانصافی کا پختہ اثر مرتسم کیا خصوصاً عورتوں کے بارے میں ان پر خاندانی شادیوں کے جبر کا۔ اپنے بچوں کو تعلیم دلوا کر سر شاہنواز نے دوسرے سندھی جاگیرداروں کے لیے ایک مثال قائم کرنے کی کوشش کی۔

اپنے ہم پایہ دوستوں کے بھویں چڑھانے کے باوجود انہوں نے میرے والد کو وطن سے دور تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ میرے والد نے بھی اس ضمن میں انہیں مایوس نہیں کیا...... انہوں نے نہ صرف برکلے میں کیلیفورنیا یونیورسٹی سے آنرز میں گریجوایٹ کیا بلکہ آکسفورڈ میں کرائسٹ چرچ میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاکستان میں وکالت کرنے سے قبل لنکنز ان سے بار ایٹ لاء بھی کیا۔

ہمارے مردانہ غلبہ زدہ کلچر میں لڑکوں کو ہمیشہ ہی لڑکیوں پر ترجیح دی جاتی تھی اور نہ صرف انہیں اکثر تعلیم ہی سے محروم رکھا جاتا بلکہ بعض مرتبہ اتنی انتہا بھی کی جاتی کہ لڑکوں کو کھانا بھی پہلے دیا جاتا جب کہ مائیں اور بیٹیاں انتظار کرتیں۔ تاہم ہمارے خاندان میں ایسی کوئی تفریق نہیں تھی۔ مجھے سب سے زیادہ توجہ ملتی۔ چاروں میں سب سے بڑی میں 21 جون 1953ء کو

www.bhutto.org

کراچی میں پیدا ہوئی۔ صنم 1957ء میں اور بے بی شاہنواز 1958ء میں...... بڑی ہونے کے ناطے آغاز ہی سے گھر میں میری مخصوص اور الگ حیثیت تھی۔ میری عمر چار سال تھی اور والد کی 28 سال جب پریذیڈنٹ اسکندر مرزا نے میرے والد کو اقوام متحدہ میں بھیجا۔ میرے والد کی بعد ازاں صدر ایوب خان کی کابینہ میں تقرری بطور وزیر تجارت ہوئی۔ پھر وزیر توانائی بنے اور پھر وزیر خارجہ وہ اکثر اقوام متحدہ میں پاکستانی وفود کے سربراہ کے بطور شریک ہوئے۔ اس سات سالہ دور نے انہیں اور والدہ کو زیادہ عرصہ گھر سے دور رہنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے اپنے والد کو اخبارات کے پہلے صفحات کی زینت بنتے دیکھا اور اسی طرح اقوام متحدہ میں پاکستان اور تیسری دنیا کے ممالک کی حمایت میں دلیلیں دیتے ہوئے۔ میری والدہ عام طور پر ان کے ساتھ سفر کرتیں۔ بچوں کو گھر میں گھریلو عملہ کے پاس چھوڑ دیتیں اور مجھے تنبیہ کے انداز میں کہتیں ''دوسرے بچوں کا خیال رکھو تم سب سے بڑی ہو۔'' میں فقط آٹھ سال کی تھی جب مجھے گھر کی نگہداشت کا چارج سنبھالنا پڑا جبکہ میرے والدین گھر سے دور تھے۔ میری والدہ خوراک اور گھر کی دوسری ضروریات کے لیے مجھے پیسے دے جاتیں جو میں اپنے تکیے کے نیچے چھپا دیتی۔

ہمارے گھر میں سب سے زیادہ ترجیح تعلیم کو حاصل تھی۔ اپنے والد کی طرح میرے والد ہمیں تعلیم یافتہ اور ترقی پسند پاکستانیوں کی اگلی نسل میں ایک مثال کے طور پر شامل کرنا چاہتے تھے۔ تین سال کی عمر میں مجھے لیڈی جیننگز کے نرسری سکول میں بھیجا گیا پھر پانچ سال کی عمر میں کراچی کے اعلیٰ ترین مدرسوں میں یعنی کانونٹ آف جیزس اینڈ میری میں۔ کانونٹ میں ذریعہ تعلیم انگریزی تھا اور یہی زبان ہم گھر پر بھی زیادہ تر بولتے تھے۔ بجائے والدین کی مقامی زبانوں یعنی سندھی پر فارسی کے یا قومی زبان اردو کے۔

''میرا تم سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ تم اپنی پڑھائی میں اچھی پوزیشن حاصل کرو۔'' میرے والد بار بار یہی پوچھا کرتے تھے۔ جیسے ہی ہم عمر میں بڑھتے گئے انہوں نے ہمارے لیے سکول کے بعد سہ پہر کے وقت حساب اور انگریزی پڑھانے کے لیے اتالیق رکھ دیئے۔ وہ خود دنیا کے کسی کونے میں بھی ہوتے تو ٹیلی فون پر ہماری سکول رپورٹوں کو پوچھتے رہتے۔ خوش قسمتی سے میں اچھی طالبہ تھی کیونکہ ان کے ذہن میں میرے لیے وطن سے باہر تعلیم حاصل

www.bhutto.org

کرنے والی بھٹو خاندان کی پہلی خاتون کا اعزاز حاصل کرنے کی بڑی بڑی تجاویز تھیں۔

''تم اپنے اپنے سوٹ کیس تیار رکھو اور میں تم سب کو ایئرپورٹ پر الوداع کہنے کے بعد چھوڑ آؤں گا۔'' انہوں نے ہم چاروں کو بہت پہلے سے کہنا شروع کر دیا تھا۔ ''پنکی ایک چھوٹی سی بچی کی طرح جائے گی اور واپس ساڑھی میں ملبوس ایک خوبصورت نوجوان لیڈی بن کر آئے گی۔ شاہنواز اپنے سوٹ کیس میں اتنے کپڑے بھر لے گا کہ اس سے بند نہیں ہو سکے گا۔ ہمیں ملازم بابو کو بلانا پڑے گا تاکہ وہ اس کے اوپر بیٹھے۔ میرے خاندان میں ایسا کوئی سوال نہیں تھا کہ میری ہمشیرہ اور مجھے زندگی میں وہی مواقع نہیں ملیں گے جو میرے بھائیوں کو ملیں گے۔''

ہر سہ پہر اتالیق سے نصابی سبق پڑھنے کے بعد ہم نے مولوی صاحب سے جو ہمارے گھر پڑھانے آتے تھے، قرآن مجید میں یہ اور دوسری سورتیں پڑھیں اور اسی طرح دیگر مذہبی ہدایات حاصل کیں۔ قرآن کریم کی عربی میں تلاوت اور پھر اس کے اسباق کو سمجھنا ہمارے لیے سب سے اہم موضوع تھا۔ ہم گھنٹوں مشکل عربی کے مابین تفاوت کی طرح بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

میری والدہ نے نماز کے تمام آداب مجھے سکھائے۔ وہ اپنے دین پر سختی سے پابند تھیں۔ دنیا کے جس خطے میں بھی ہوں اور جو کچھ بھی کر رہی ہوں، وہ پنجگانہ نمازیں ضرور ادا کرتی تھیں۔ جب میں نو سالہ بچی تھی، وہ نماز فجر کے لیے صبح سویرے بستر سے جگاتیں، ہم اکٹھی ہی وضو کرتیں۔

میرے والد کا مصمم ارادہ تھا کہ وہ اپنے ملک اور اپنے بچوں کو بیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق پروان چڑھائیں۔ ''کیا بچے خاندان ہی میں شادیاں کریں گے؟'' میں نے ایک دن والدہ کو والد سے یہ سوال پوچھتے ہوئے سنا۔ جواب سننے کے لیے میری سانس وہیں رک گئی۔ ''میں نہیں جانتا کہ لڑکے اپنے چچازادوں کے ساتھ شادی کریں اور باہر جاتے ہوئے ان کو گھر کی چاردیواری میں چھوڑ جایا کریں اور اس طرح میں لڑکیوں کو اپنے رشتہ داروں کی چاردیواری میں زندہ درگور ہونے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔'' مجھے یہ جواب سن کر بہت سکون ہوا۔ ''انہیں پہلے اپنی تعلیم مکمل کر لینے دو پھر وہ اپنی زندگی کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کے مجاز ہوں گے۔''

میرے والد ہمیشہ مجھے اس وسیع کائنات کا حصہ بننے کے لیے کہتے۔ اگرچہ بعض

www.bhutto.org

اوقات ان کی باتیں میرے شعور سے ماورا ہوتی تھیں۔ 1963ء کے موسم خزاں میں میں ان کے ساتھ وزیر خارجہ کے خصوصی ریل کے ڈبے میں سفر کر رہی تھی کہ انہوں نے مجھے بلا کر جگایا۔ "یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔" انہوں نے زور دے کر کہا "ایک بہت بڑا سانحہ ہو گیا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے نوجوان صدر کو گولی ماردی گئی ہے۔" اگرچہ میری عمر صرف دس سال تھی اور صدر امریکہ کے بارے میں مبہم سی شنید تھی۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا۔ جب تک صدر جان ایف کینیڈی کی حالت کے بارے میں تازہ ترین بلیٹن آتے رہے وہ صدر امریکہ سے وائٹ ہاؤس میں کئی مرتبہ ملاقات کر چکے تھے اور ان کے معتدل سوشل خیالات کی وجہ سے ان کے بڑے مداح تھے۔ کبھی کبھی وہ پاکستان آئے ہوئے غیر ملکی وفود سے ملنے کے لیے میرے بھائیوں، بہن اور مجھے ساتھ لے جاتے۔ جب ایک روز انہوں نے ہمیں بتایا کہ چین سے آئی ہوئی بہت اہم شخصیات سے تمہیں ملواؤں گا تو میں نے عجیب جوش اور ہیجان محسوس کیا۔ میرے والد اکثر انقلاب چین اور اس کے راہنما ماؤزے تنگ کے بارے میں تعریفاً بتاتے کہ کس طرح انہوں نے فرسودہ نظام کو ختم کرنے کے لیے اپنی فوج کو منظم کیا اور کس طرح پہاڑوں اور صحراؤں میں اس کی راہنمائی کی۔ میرے والد چیئرمین ماؤ کے مداح تھے اور ان کی ٹوپی بطور ذاتی تحفہ کے میرے والد کے ڈریسنگ روم میں لٹک رہی تھی۔

جب میں دس سال اور صنم سات برس کی تھیں تو ہمیں شمال کی جانب مری کے سایہ دار سفیدے کے درختوں میں چھپے سابقہ برطانوی بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرا دیا گیا۔ ہماری گورنس نے مختصر سا نوٹس دیا کہ وہ انگلستان جا رہی ہے۔ اس کے جانے کے بعد فوری طور بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ تھا اور میرے والد اس کے حامی تھے تاکہ یہ تجربہ ہمیں سختی جھیلنے کا عادی بنا دے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اپنا بستر بچھانا، اپنے جوتوں کو پالش کرنا، نہانے اور دانت صاف کرنے کے لیے برآمدہ میں لگے نلکوں سے پانی ڈھونا پڑا۔ "میرے بچوں سے دوسرے بچوں سا سلوک کرو۔" میرے والد نے آیاؤں سے کہہ رکھا تھا اور انہوں نے اس پر عمل کیا اور قواعد و ضوابط کی کسی بھی خلاف ورزی پر صنم اور مجھے قصوروار ٹھہرایا جاتا۔

مری میں میرے والد نے خط و کتابت کے ذریعہ ہماری سیاسی تعلیم جاری رکھی۔ غیر

www.bhutto.org

جانبدار ملکوں کی سربراہی کانفرنس منعقدہ جکارتہ سے واپسی کے فوراً بعد انہوں نے ہمیں ایک طویل خط لکھا جس میں اقوام متحدہ میں سپر پاورز کی خودغرضیوں اور تیسری دنیا کے ملکوں سے بے اعتنائی کی تفصیلات درج کیں۔ ایک آیا نے سکول کے باغ کے ایک بنچ پر صنم اور مجھے بٹھایا اور پورا خط ہمیں پڑھ کر سنایا۔ اگرچہ خط کے متن کو ہم بہت کم سمجھ سکیں۔

مری میں ہمارے دوسرے اور آخری سال میں صنم اور میں نے گہرائی سے سیاسی اسباق کا مطالعہ کیا۔ 6 ستمبر 1965ء کو ہندوستان اور پاکستان کشمیر کے مسئلہ پر آپس میں الجھ پڑے جبکہ میرے والد کشمیریوں کے حق خود اختیاری کی حمایت میں اور ہندوستانی حملے کے خلاف مباحثے میں حصہ لینے کے لیے اقوام متحدہ بذریعہ ہوائی جہاز چلے گئے۔ جیز اور میری کانونٹ کی آیاؤں نے ہندوستانی ہوائی حملہ کے امکان کی بنا پر طلبہ کو تیار کیا۔ کشمیر کی طرف سڑک مری میں سے ہو کر گزرتی تھی اور اکثر لوگوں کو خیال تھا کہ ہندوستانی افواج کو پاکستان میں گھسنے کی کھلی دعوت تھی۔

جہاں ہم کبھی شام کے کھانے کے بعد بکرے کی ہڈیوں سے ''جیک جیک'' کھیلا کرتے تھے اور اینڈ بلائٹن کی کتابیں پڑھتے تھے۔ اب وہاں ہوائی حملوں سے بچاؤ اور بلیک آؤٹ کی پریکٹس ہو رہی تھی۔ آیاؤں نے بڑی لڑکیوں کو اپنی چھوٹی بہنوں کو پناہ گاہوں میں لے جانے کی ذمہ داری ڈال دی اور میں نے سنی کو اپنے جوتے پاؤں میں باندھ کر سونے کا عادی بنایا تاکہ انہیں ہمیں تلاش کرنے میں وقت ضائع نہ ہو۔ ہمارے سکول کی بہت سی لڑکیاں اعلیٰ سرکاری افسران یا فوجی افسروں کی بیٹیاں تھیں اور ہم نے جوش میں ایک دوسرے کے مصنوعی نام رکھ دیئے تھے تاکہ دشمن کے ہاتھوں میں پڑنے پر اسے دھوکا دیا جا سکے۔ ابتدائے بلوغت کی وجہ سے ہمیں یہ بالکل ڈرامائی محسوس ہوتا تھا کہ ہمیں اغوا کیا جا سکتا ہے اور پہاڑوں میں چھپایا جا سکتا ہے۔ سترہ روز اس عرصے میں حملے کا امکان حقیقی اور خوفناک تھا۔

جون 1966ء میں ایوب نے آخر کار میرے والد کا استعفیٰ منظور کر لیا۔ ایوب اور میرے والد کے درمیان اختلافات اب پوری طرح عیاں تھے اور میرے والد کی عوامی حمایت ایک سیاسی رہنما کے طور پر بہت بلند ہو گئی تھی۔ وزیر خارجہ کے ریلوے سیلون میں لاڑکانہ کی طرف

www.bhutto.org

ہمارے آخری سرکاری سفر نے عوام کو پاگل کر دیا تھا۔ وہ ٹرین کے ساتھ ساتھ دوڑتے اور ہمارے ساتھ ڈبوں میں سوار ہونے کی کوشش کرتے۔ فخرِ ایشیا، زندہ باد، ہجوم میں لوگ نعرہ لگاتے اور ٹرین کی چھت پر چڑھ جاتے اور قریب کے مکانوں کی چھتوں پر بھی لوگ ہی لوگ تھے جو نعرہ زن تھے۔ ''بھٹو زندہ باد۔ بھٹو زندہ باد''۔

لاہور میں جب میرے والد ٹرین سے اتر کر ظہرانے کے لیے گورنر پنجاب کے پاس گئے تو مجھے بہت خوف محسوس ہوا۔ ''بھٹو کی قمیض پر میں نے خون دیکھا ہے۔'' کسی نے چلا کر کہا۔ میرا دل منجمد ہو گیا۔ جب تک میں نے انہیں ہجوم میں سے واپس آتے مسکراتے اور ہاتھ ہلاتے ہوئے نہیں دیکھ لیا۔ ان کی قمیض پھٹی ہوئی تھی۔ ماتھے پر خفیف سی خراش تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ ان کی نکٹائی غائب تھی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ ہزاروں روپوں میں نیلام ہو گئی تھی۔ جب وہ دوبارہ وزیرِ خارجہ کے سیلون میں بیٹھے ہجوم نے گاڑی کو جھولے کی طرح آگے پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ یہ دورانیہ تیز تر ہوتا گیا اور مجھے خدشہ پیدا ہوا کہ ہم سب کہیں نیچے نہ گر جائیں۔

صحیح سلامت گھر واپسی پر ہماری گفتگو میں سیاست زیادہ سے زیادہ دراندازی کر گئی۔ ''کولڈ وار'' یعنی سرد جنگ اور ''آرمز ایمپارگو'' یعنی اسلحہ پر پابندی ایسی اصطلاحات جن کو پوری طرح ہم ابھی سمجھتے بھی نہیں تھے بچپن ہی سے ہماری روزمرہ گفتگو کے ذخیرہ الفاظ کا حصہ بن چکی تھیں۔ گول میز کانفرنسوں اور سربراہی ملاقاتوں کے نتائج سے ہم بالکل اسی طرح آشنا تھے جس طرح دوسرے بچے عالمی کرکٹ کپ کے سکور سے لیکن 1966ء میں میرے والد کے ایوب خان سے کشیدہ تعلقات کے بعد ''شہری آزادیاں'' اور جمہوریت ایسے الفاظ ہماری زبان کا حصہ بن گئے جو زیادہ تر پاکستانیوں کے لیے دیو مالائی یعنی افسانوی حیثیت رکھتے تھے۔ جنہوں نے ایوب کے زیرِ سایہ سیاست میں محدود شراکت کا تجربہ ہی کیا تھا۔ میرے والد نے 1967ء میں اپنی سیاسی جماعت ''پاکستان پیپلز پارٹی'' کی بنیاد رکھ دی۔

''روٹی، کپڑا اور مکان'' یہ تینوں چیزیں پیپلز پارٹی کا ہدف اور لوگوں کے جم غفیر کا نقطہ اتصال بن گئیں۔ یہی بنیادی ضروریات تھیں جو پاکستان کے مفلوک الحال عوام کے پاس نہیں تھیں۔

www.bhutto.org

''خدا کا ایسا کوئی قانون نہیں کہ صرف پاکستانی ہی مفلس ہوں۔'' میرے والد غرباء کے ہجوموں کے اطراف میں گروہوں کی شکل میں اکٹھی ہو جاتیں۔'' ہمارا ملک امیر ہے، ہمارے پاس وسائل کی کثرت ہے۔ پھر کیوں غربت، بھوک اور بیماری ہمارا مقدر ہے؟'' یہ بات تھی جسے عوام الناس آسانی سے سمجھ سکتے تھے۔

70- کلفٹن کراچی کے ہمارے گھر کی پہلی منزل پر پی پی پی کا دفتر بن گیا۔ میری ہمشیرہ 11 سال اور میں 14 سال کی عمر میں چار چار آنے دے کر پارٹی کی جوشیلی کارکن بن گئیں تاکہ اپنے بزرگ ترین ملازم بابو کے ساتھ لوگوں کی بھاری تعداد کی رکنیت کرنے میں امداد کے لیے شریک ہو سکیں جو ہمارے دروازے پر ہر روز لائن بنا کر پارٹی رکنیت کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہم اپنے والد سے ان مراعات کی کہانی بھی سنتے جن کی ایوب حکومت انہیں پیشکش کرتی۔'' تم جوان ہو، تمہارے سامنے ایک زندگی پڑی ہے۔ ایوب اپنی باری پوری کر لے تو بعد میں تمہاری باری ہے۔ ہمارے ساتھ کام کرو بجائے اس کے کہ ہماری مخالفت کرو۔ ہم تمہارے لیے سب کچھ آسان بنا دیں گے۔'' ایوب اور اس کے رفقاء میرے والد کو پیغام دیتے اور بالکل انہیں الفاظ میں ایک اور آمر کے قاصد یہی پیغام میرے لیے لاتے۔ جب ایوب کی رشوت کی پیشکش میرے والد کو خاموش رکھنے میں ناکام رہی تو موت کی دھمکیاں آنا شروع ہو گئیں۔

میں ظلم اور زیادتی کی دنیا سے اب تک ناواقف تھی۔ ایک دنیائے سیاست تھی جس میں میرے والد مصروف تھے اور ایک دنیا بچوں کے مدرسوں اور کھیلوں کی تھی اور ساحل سمندر پر ہنسی مذاق کی لیکن دونوں دنیائیں آپس میں ٹکرا گئیں۔ جب میرے والد پر مسلح حملے ہونا شروع ہو گئے۔ ایوب کے حامیوں نے ان پر رحیم یار خان، سانگھڑ اور پی پی پی کو عوام الناس میں مقبول عام کرنے دوران سفر کی قیام گاہوں میں گولی چلائی۔ سانگڑھ میں میرے والد کی زندگی ان کے حامیوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر بچائی جنہوں نے گولی چلنے کے دوران خود کو ان کے اوپر گرا دیا اور خود گولیوں کے زخم کھائے۔

ہمارے گھر میں ہلچل سی مچ گئی لیکن میں نے سہم کر رہنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح خوفزدہ ہونے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ پاکستان میں سیاسی زندگی کے یہ لوازمات تھے اور ایسی

www.bhutto.org

زندگی بسر کرنے پر ہم مجبور تھے۔ موت کی دھمکیاں، ظلم و ستم جو کچھ تھا وہ تھا مگر میں نے خوفزدہ رہنے سے انکار کر دیا۔ دراصل میں نے کوشش کی کہ کسی قسم کی حساسیت کو پاس نہ آنے دوں۔ پی پی پی کی بنیاد کے گیارہ ماہ بعد میرے والد اور پارٹی کے اعلیٰ رہنماؤں کو قیدی بنا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ آمروں کے یہی وطیرے تھے، جہاں کہیں احتجاج ہوا اسے بزور دبا دیا۔ جہاں غیر متفقین ہوں انہیں گرفتار کر لو۔ کس قانون کے تحت؟ پوچھنے پر کہا جاتا تاہم خود ہی قانون ہیں۔

پاکستان میں ایوب کے خلاف احتجاج اس وقت شروع ہوا جب یہ خبر پھیلی کہ میرے والد کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور میانوالی جیل میں پھینک دیا گیا ہے جو پاکستان کے بدترین قید خانوں میں شمار ہوتی تھی۔ احتجاج جاری رہا پھر انہیں ساہیوال کی جیل میں تبدیل کر دیا گیا جہاں ان کی کوٹھڑی میں چوہوں کی بہتات تھی۔ فسادات کو دبانے کی کوشش میں حکومت نے تمام سکول اور یونیورسٹیاں بند کر دی۔ دریں اثناء مجھے اپنی تعلیمی زندگی کے مشکل ترین مرحلے کا سامنا تھا کیونکہ میں اپنے ''او لیول'' کے امتحانات کی تیاری کر رہی تھی جو میری تعلیم کے آخری تین سالوں پر محیط تھا اور میرے ریڈکلف میں ممکنہ داخلے کے امتحان کا بھی پیش رو تھا۔ میں نے اپنے والد سے برکلے میں جہاں وہ خود گئے تھے، درخواست دینے کی گزارش کی مگر وہ نہیں مانے۔ ''کیلیفورنیا کا موسم بہت عمدہ ہے۔'' ''میساچوسیٹس کی برفیلی فضا تمہیں پڑھائی پر مجبور رکھے گی۔'' انہوں نے مجھے کہا۔

امتحان میں نہ بیٹھنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا کیونکہ امتحانی پرچے دسمبر میں سال میں صرف ایک دفعہ انگلستان سے بھیجے جاتے تھے۔ ''تم کراچی میں ٹھہرو اور اپنی پڑھائی جاری رکھو۔'' میری والدہ نے کہا اور باقی بچوں کو وہ لاہور اپنے ساتھ لے گئیں تاکہ میرے والد کی حراست کے خلاف عدالت عالیہ میں حبس بے جا کی درخواست دے سکیں۔ میں 70۔ کلفٹن میں تنہا رہ گئی۔

اپنے مقید والد کے بارے میں پریشانیوں سے اغماض کرتے ہوئے میں نے اپنے آپ کو اپنے کام میں مصروف کر لیا یعنی اپنے مضامین اساتذہ کے ساتھ جو ہر روز گھر میں آیا کرتے تھے بار بار دہرانا شروع کر دیئے۔

''میں تمہارے ''او لیول'' امتحانات میں تمہاری کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔'' میرے

www.bhutto.org

والد نے 28 نومبر کو ساہیوال جیل سے مجھے لکھا۔ ''مجھے حقیقتاً ایسی بیٹی پر فخر ہے جو اس قدر ذہین ہے کہ مجھ سے بھی تین سال کم یعنی پندرہ برس کی چھوٹی سی عمر میں ''او لیول'' کر رہی ہے۔ اگر یہی رفتار ہی تو تم کسی روز صدر بھی بن جاؤ گی۔'' اگرچہ میرے والد کو قید تنہائی میں رکھا گیا تھا کہ میرے والد نے مجھے یقین دلایا کہ ان کی سب سے بڑی پریشانی میری تعلیم ہی تھی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم بہت مطالعہ کرتی ہو لیکن تمہیں ادب اور تاریخ کا مزید مطالعہ جاری رکھنا چاہیے۔'' انہوں نے خط میں لکھا ''جن کتب کی تمہیں ضرورت ہے وہ سب تمہارے پاس ہیں۔ نپولین بوناپارٹ کے متعلق پڑھو جو موجود تاریخ کا مرد کامل تھا۔ امریکی انقلاب اور ابراہم لنکن کے بارے میں پڑھو بسمارک، لینن، اتاترک اور ماؤزے تنگ کے متعلق پڑھو۔ قدیم زمانے سے اب تک تاریخ ہندوستان پڑھو اور سب سے بڑھ کر تاریخ اسلام پڑھو۔'' قید خانے کے فارم پر دستخط تھے۔ ''ذوالفقار علی بھٹو۔''

میری خواہش تھی کہ میں لاہور میں باقی خاندان کے ساتھ رہوں لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ صنم نے مجھے ٹیلی فون پر بتایا کہ میری والدہ میرے والد کی حراست کے خلاف ہر دوسرے تیسرے دن عورتوں کا ایک احتجاجی جلوس نکال رہی ہیں اور ہر مظاہرہ کرنے والی خاتون کے پاس پلاسٹک کے تھیلے میں ایک گیلا تولیہ ضرور ہوتا ہے تاکہ ایوب کی پولیس کے آنسو گیس پھینکنے کی صورت میں استعمال کیا جا سکے۔ متعدد بار پولیس نے اپنی لاٹھیوں سے جلوسوں کو منتشر کیا مگر مظاہرین کی تعداد ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ ایوب نے افواج کو حکم دیا کہ احتجاج کرنے والوں کو گرفتار کر لیا جائے مگر سپاہیوں نے عورتوں کو گرفتار کرنے سے انکار کر دیا بلکہ ان کی حمایت میں ہاتھ ہلاتے رہے۔ ایوب کے دور حکومت میں بھی خواتین کے تقدس کا لحاظ رکھا جا رہا تھا۔

جلد ''او لیول'' امتحانات کے انعقاد کا وقت آ گیا۔ جیزس اینڈ میری کانونٹ نے ہمارے لیے ویٹی گن سفارتخانہ میں امتحان کا انتظام کیا جو کلفٹن میں واقع تھا۔ اس کے تقدس اور تجارتی مرکز سے کافی فاصلے پر ہونے کی بنا پر ہمارے لیے محفوظ جگہ بن گیا تھا۔ ادھر برطانیہ میں طلبہ صاف ستھرے کمروں میں کئی دنوں تک امتحان دے رہے تھے۔ ہمیں چرچ آف روم کے پاکستانی صدر مقام پر لے جایا جاتا رہا۔

www.bhutto.org

میرے والد کی حراست کے تین ماہ بعد پاکستان میں بحرانی کیفیت کو دیکھ کر ایوب خان پی پی پی کے رہنماؤں کو رہا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اپنی رہائی کے بعد لاڑکانہ میں فتح مندی کے مارچ میں میرے والد صنم اور مجھے دیکھ کر چلائے ہوئے پکارے ''نیچے اتر جاؤ۔'' جب ہماری کھلی کار ہجوم کے درمیان آہستہ آہستہ حرکت کر رہی تھی اور لوگ ''جیئے بھٹو، اور ''گرتی دیوار کو آخری دھکا دو۔'' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ایوب کے ایک کارندے نے میرے والد پر قریب ہی سے فائر کر دیا۔ خدا کا معجزہ تھا کہ پستول منجمد ہو گیا اور گولی نہ چلی لیکن ہجوم اس وقت معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

اسی طرح میں وہ نظارہ بھی نہیں بھولی کہ کس طرح میرے والد نے ایوب کی آمریت اور حراست کے غیر منصفانہ اختیارات کے خلاف اپنے نامختتم احتجاج میں بھوک ہڑتال جاری رکھی۔ قید سے اپنی رہائی کے بعد مدتوں تک وہ سرعام المرتضیٰ میں شامیانہ لگا کر دوسرے پی پی پی رہنماؤں کے ساتھ بیٹھے رہے۔ تمام لاڑکانہ نے انہیں دیکھا کہ وہ روز بروز کمزور سے کمزور تر ہو رہے تھے اور اس بات نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا۔ ''برائے مہربانی پاپا کی بات مان جاؤ۔'' خاموشی سے میں ایوب کے بارے میں یہ دعا کرتی رہی اور اس بات پر حیران ہوتی کہ میرے والد کے ارد گرد بیٹھے ہوئے حضرات کیسے ہٹے کٹے دکھائی دیتے ہیں۔ ''جب وہ اپنے کمروں میں جاتے ہیں تو خوراک طلب کرتے ہیں۔ ملازمین میں سے ایک نے مجھے اعتماد میں لیتے ہوئے بتایا اپنے والد کو یہ مت بتائیں۔''

ایوب نے آخر کار 25 مارچ 1969ء کو صدارت چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا لیکن یہ فتح عارضی ثابت ہوئی کہ اپنے ہی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایوب نے قومی اسمبلی کے سپیکر کی بجائے فوج کے چیف آف سٹاف یحییٰ خان کو پاکستان کا نیا سربراہ نامزد کر دیا۔ ایک مرتبہ پھر پاکستان فوجی آمر کی زد میں آ گیا جس نے تمام سول قانون معطل کر دیئے اور مارشل لاء نافذ کر دیا۔

''ریڈکلف سے تمہارے نام خط آیا ہے۔'' میری والدہ نے یکم اپریل کو مجھے بتایا میں نے کچھ شکوک کے ساتھ لفافہ پکڑا۔ کیا مجھے ضرور جانا چاہیے؟ کالج نے میرے والد کو متنبہ کر دیا تھا

www.bhutto.org

کہ "سولہ سال کی عمر ریڈ کلف میں داخلے کے لیے کم تصور ہوتی ہے اور مشورہ دیا کہ ایک سال اور انتظار کرلوں۔" لیکن میرے والد نے مجھے ٹھہرنے کا مشورہ دینا مناسب نہ سمجھا۔ اس کی بجائے انہوں نے اپنے دوست جان کینتھ گلبریتھ جو ہارورڈ میں اقتصادیات کے پروفیسر اور ہندوستان میں سابقہ امریکی سفیر تھے کی امداد طلب کی۔ میں نے لفافہ کھولا تو مجھے معلوم ہوا کہ 1969ء کے موسم سرما کے سیشن میں مجھے داخلہ دے دیا گیا تھا۔

میرے والد نے قرآن حکیم کا ایک خوبصورت نسخہ خوبصورت جلد میں مزین مجھے الوداعی تحفہ کے طور پر دیا۔ "تم امریکہ بہت سی ایسی چیزیں دیکھو گی جو تمہاری حیرت کا سبب بنیں گی اور کچھ ایسی بھی جو ذہنی صدمے کا باعث بنیں گی لیکن مجھے امید ہے کہ تم میں حالات سے سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ سب سے بڑی چیز تعلیم میں محنت ہے۔ پاکستان میں بہت کم لوگوں کو تمہارے جیسا موقع میسر آتا ہے اور تمہیں اس کا پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ مت بھولو کہ تمہارے بھیجے جانے پر جو خرچ اٹھے گا وہ ہماری اپنی زمینوں سے آتا ہے۔ ان لوگوں کی محنت ہے جو خون پسینہ ایک کر کے کماتے ہیں اور ان زمینوں پر کام کرتے ہیں۔ تمہیں ان کا قرض چکانا ہے اور یہ قرض تم چکا سکتی ہو۔ اگر بفضل خدا اپنی تعلیم کو ان لوگوں کی زندگیاں بہتر بنانے پر صرف کرو۔" انہوں نے کہا۔

اگست کے آخری ہفتے میں 70 کلفٹن کے لکڑی سے تراشیدہ راستے میں کھڑی تھی کہ میری والدہ نے قرآن حکیم کے نسخے کو میرے سر کے اوپر پھیرا۔ میں نے اس کا بوسہ لیا۔ ہم دونوں اس کے بعد ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوگئیں۔

1977ء میں پاکستان میں جو واقعات بھی رونما ہوئے، اس وجہ سے ہوئے کہ کچھ ایسے لوگ موجود تھے جو ان واقعات کے انعقاد کے ذمہ دار تھے۔ اگر قومی اتحاد کے رہنماؤں نے اپنے مفاد کے بجائے پاکستان کے قومی مفاد کو پیش نظر رکھا ہوتا، اگر میرے والد کے چیف آف سٹاف نے اپنے ذاتی مفاد کے بجائے قومی مفاد کو ترجیح دی ہوتی، حکومت کا تختہ نہ الٹا ہوتا۔ یہ ہم سب کے لیے سیکھنے کا ایک اہم سبق تھا اور ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے اپنے قومی مفاد میں عمل کیا مگر ہم نے اپنے قومی مفاد کا ذرہ بھر خیال نہیں کیا۔ بعض لوگ 1977 کے واقعات کا

www.bhutto.org

سارا الزام امریکہ پر دھر دیتے ہیں۔ اگر ہم میں کچھ لوگ ایسے نہ ہوتے جنہوں نے امریکی سازش میں ان سے تعاون کیا تھا اور جنہوں نے ملک کی خدمت کے برعکس اپنے اقتدار کے مواقع کو سامنے رکھا تھا تو پاکستان کی منتخب حکومت کو نقصان نہ پہنچتا، لیکن آکسفورڈ کی ایک طالبہ کے طور پر یہ بات ابھی میری سمجھ سے باہر تھی۔

سورج اپنی بھرپور تمازت سے چمک رہا تھا۔ جب میں اپنے چوبیسویں یومِ پیدائش کی صبح جاگی۔ 21 جون کا موسم گرما کا دن اپنی پوری حدت کے ساتھ طلوع ہوا۔ میں پاکستان واپسی سے پہلے ملکہ الزبتھ ہاؤس کے باغات میں اپنی طرف سے دی جانے والی ایک بڑی الوداعی اور اپنی سالگرہ کی دعوت کی منتظر تھی۔ سٹرابری اور کریم کے پیالوں پر طبع آزمائی کرتے ہوئے ہم نے ماضی کی یادوں کو دہرایا اور ایک دوسرے کے گھروں کے پتوں کا تبادلہ کیا۔

میں آکسفورڈ اور اپنے متعدد دوستوں سے الوداع پر رنجیدہ تھی۔ میں اپنی چھوٹی پیلی کار کو چھوڑنے پر غمگین تھی جسے موسم خزاں میں فروخت کرنے پر آمادہ تھی۔ چار سال تک میرے کمرے کے باہر کا ڈاک بس دوستوں کے پیغامات کے لیے بلیٹن بورڈ بنا رہا اور اسی طرح جو شیلے ٹریفک وارڈنوں کے لیے پارکنگ ٹکٹوں کا آشیانہ بھی، لیکن میں پاکستان میں نئے منتظر امکانات کے سلسلہ میں بھی بہت پرجوش تھی۔

میرے والد بھی میری آمد کے اتنا ہی منتظر تھے، جتنا میں گھر واپس جانے کے لیے بے تاب تھی۔ انہوں نے مجھے خط میں لکھا۔ ''میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں پاکستان میں تمہاری ذہنی ہم آہنگی کے لیے اپنی بھرپور کوشش کروں گا تاکہ تمہارا مستقبل جلد ہی خوشگوار ہو جائے۔ اس کے بعد تمہیں اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہونا ہے۔ البتہ میرے مزاج کے طنزیہ تیروں کو تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔ بدقسمتی سے میں اب اس عمر میں اپنے مزاج کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ میں اپنی پہلوٹی کی بیٹی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مشکل یہ ہے کہ تم زود رنج مزاج رکھتی ہو اور تمہاری آنکھوں سے فوراً ہی ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو جاتے ہیں، جیسے میری اپنی آنکھوں سے بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں ایک ہی گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کا معاہدہ کر لیں۔ تم ایک متحرک طبیعت کی مالک ہو۔ ایک متحرک انسان کی یہ

www.bhutto.org

کمزوری ہے کہ وہ صحرا کو حدت کے بغیر اور پہاڑوں کی برف کے بغیر دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم اپنی دھوپ کی چمک اور اپنی قوس قزح، اپنی باطنی اقدار اور اخلاقیات میں تلاش کرو گی اور یہیں تمہیں کاملیت کا حصول ممکن ہوگا۔ ہم دونوں قابل تعریف کامیابیوں کے لیے مشترکہ طور پر جدوجہد کریں گے۔ کیا تم شرط لگاتی ہو کہ ہم اس میں سرخرو ہو جائیں گے۔

25 جون 1977ء کو میر اور میں اپنے والدین اور دیگر اہل خاندان کے پاس راولپنڈی میں بذریعہ طیارہ پہنچ گئے۔ شاہ نواز سوئٹزرلینڈ میں اپنے سکول سے واپس آیا اور صنم ہارورڈ سے۔ یہ آخری موقع تھا کہ ہمارا سارا خاندان ایک جگہ اکٹھا ہوا۔

ضیاء الحق کی غداری

عام دنوں میں بھی المرتضیٰ میں ہنسی خوشی اور مذاق کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ اکثر میرے والد دفعتاً گانا شروع کر دیتے تھے۔ سندھی لوک گیتوں کو دیہاتی انداز میں گاتے ہوئے یا مغرب کی دل پسند دھنوں کو آزماتے ہوئے، جنوبی بحرالکاہل کے موسیقاروں کی دھنیں جو انہوں نے نیویارک میں سنی تھیں۔ فرینک سناترا کا مشہور گانا جو کراچی میں مقبول تھا اور ان کی میری والدہ سے محبت کا غماز اور ان کا مخصوص گانا، کیو، سرا سرا، میں اب بھی ان کو گاتے ہوئے سن سکتی ہوں۔

کسے اس تاریک مستقبل کا پتہ تھا؟ جو 5 جولائی 1977ء کی صبح سویرے ان پر فوری طور پر نازل ہو گیا اور فوجی سازشیوں نے ان کا تختہ الٹ کر ہمارے لیے ذاتی المیے کا آغاز کر دیا اور پورے پاکستان کے لیے دائمی پریشانی کا۔

5 جولائی 1977ء صبح 1:45 بجے وزیراعظم کی رہائش گاہ، راولپنڈی:

"اٹھو جاگو فوراً کپڑے تبدیل کرو" میری والدہ نے تیزی میں پکارا اور میری ہمشیرہ کو جگانے کے لیے میرے کمرے سے ہوتے ہوئے کہنے لگیں: "فوج نے قبضہ کر لیا، فوج نے قبضہ کر لیا ہے۔"

چند منٹ بعد میں گھبراہٹ میں اپنے والدین کے سونے کے کمرے میں پہنچ گئی۔ مطلقاً یہ نہ جانتے ہوئے کہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک فوری انقلاب! یہ انقلاب کیسے برپا ہو سکتا ہے؟ صرف ایک روز پہلے ہی پاکستان پیپلز پارٹی اور حزب مخالف کے رہنماؤں میں انتخابات پر تصفیہ ہوا ہے۔

www.bhutto.org

اگر فوج نے قبضہ کرلیا ہے تو کون سے فوجی افسران اس میں ملوث ہیں؟ فقط دو روز پہلے جنرل ضیاء الحق اور اس کے کورکمانڈر فوج کی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے میرے والد کے پاس آئے تھے۔ میرے والد فون پر فوج کے چیف آف سٹاف جنرل ضیاء الحق اور وفاقی وزراء سے رابطہ کر رہے ہیں۔ پہلی آواز جو موصول ہوئی وہ وزیر تعلیم کے گھر سے تھی۔ "فوجی جوان یہاں پہنچ گئے ہیں۔" "انہوں نے میرے والد کو پیٹا ہے اور پکڑ کر لے گئے ہیں۔" سسکیاں بھرتے ہوئے حفیظ پیرزادہ کی بیوی نے کہا۔ وہ چند گھنٹے قبل میرے والد کے پاس تھے اور حزب مخالف سے معاہدہ پر خوشی کا اظہار کر کے گئے تھے۔ جب میں اندرون خانہ اپنی ہمشیرہ سے ہلکی مذاق میں مشغول تھی تو میں نے ان کے ستاروں کے شعلے اور لان میں ان کی ہنسی کی آوازیں سنی تھیں۔ "سکون سے رہو۔" پاپا نے حفیظ پیرزادہ کی بیوی کو پر اعتماد لہجے میں تلقین کی۔ "اپنے خاندان کے وقار کا خیال رکھو۔" ...... اگلی کال پر گورنر سرحد سے بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ٹیلی فون کٹ گیا۔

میری والدہ کا چہرہ زرد ہو گیا۔ میری والدہ نے آہستہ آہستہ آواز میں مجھے بتایا کہ تمہارے پاپا کو سازش کا علم ایک پولیس کے سپاہی سے ہوا۔ اس نے فوجی سپاہیوں کو وزیراعظم کی رہائش گاہ کو گھیرے میں لیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اپنی زندگی خطرے میں ڈالتے ہوئے وہ جوانوں سے نظر بچاتے ہوئے پیٹ کے بل رینگتے ہوئے بڑے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ "بھٹو صاحب کو بتا دو کہ فوج انہیں قتل کرنے کے لیے آ رہی ہے۔" اس نے زور سے کرم سے (جو میرے والد کا خادم تھا) "انہیں فوراً چھپ جانا چاہیے۔" میرے والد نے یہ پیغام سکون سے سنا۔ "میری زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔" انہوں نے اس کو جواب دیا۔ "اگر فوج نے مجھے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے تو وہ مجھے ضرور قتل کر دیں گے۔ چھپنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ عین ممکن ہے تم میں سے کسی کے مزاحمت کرنے کا۔ انہیں آنے دو۔" پولیس کے سپاہی کی بروقت تنبیہ نے شاید ہم سب کی زندگیاں بچالیں۔

"وزیراعظم چیف آف آرمی سٹاف سے بات کرنا چاہتا ہے۔" میرے والد نے صنم کے ٹیلی فون پر بات کرتے ہوئے کہا۔ خوش قسمتی سے صنم کی لائن پرائیویٹ تھی جس پر وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں سے گفتگو کرتی رہتی تھی۔ معجزانہ طور پر یہ لائن کاٹنے کا کسی کا خیال نہیں آیا۔

www.bhutto.org

''جناب مجھے افسوس ہے کہ مجھے یہ کام کرنا پڑا۔'' ضیاء وزیراعظم اور حزب مخالف کے درمیان طے پا جانے والے معاہدہ کا کوئی حوالہ دیئے بغیر بول اُٹھا۔ ''ہمیں کچھ دیر کے لیے آپ کو حفاظتی نگہبانی میں لینا ہے۔ میں 90 دنوں میں نئے انتخابات کروادوں گا۔ آپ یقیناً دوبارہ وزیراعظم منتخب ہو جائیں گے اور جناب میں آپ کو سلامتی دے رہا ہوں گا۔''

اب میرے والد کو پتہ چلا کہ اس بغاوت کی سربراہی کون کر رہا ہے؟ انہوں نے تشویش کے انداز میں آنکھیں سکیڑ لیں۔ ضیاء نے انہیں بتایا کہ جہاں وہ چاہیں وہاں انہیں لے جایا جائے گا۔ مری میں وزیراعظم کے ریسٹ ہاؤس میں لاڑکانہ میں ان کے آبائی گھر میں جہاں بھی وہ چاہیں، البتہ ان کے اہل خانہ راولپنڈی کے وزیراعظم ہاؤس میں مزید ایک ماہ قیام کر سکتے ہیں۔ آرمی کے جوان ان کے پاس 2:30 بجے صبح پہنچ جائیں گے۔

''میں لاڑکانہ جاؤں گا اور میرا کنبہ کراچی جائے گا۔'' میرے والد نے کہا۔ ''یہ وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ ہے۔ چونکہ میں اس وقت وزیراعظم نہیں ہوں، اس لیے میرے اہل خانہ شام تک یہاں سے چلے جائیں گے۔''

اسی دوران میرے دونوں بھائی میر اور شاہ نواز کمرے میں داخل ہوئے۔ ظاہر ہے انہوں نے جلدی میں لباس پہنا ہے۔

''ہمیں مزاحمت کرنا چاہیے۔'' میر کہتا ہے۔

''فوجی بغاوت کی کبھی مزاحمت مت کرو۔'' میرے والد خاموشی سے کہتے ہیں۔ ''جرنیل ہمیں مار دینا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے قتل کا انہیں کوئی بہانہ کیوں مہیا کریں؟''

''ضیاء ہی اس بغاوت کا سرغنہ ہے۔'' میری والدہ میرے دونوں بھائیوں کو بتاتی ہیں کیونکہ ہم اس بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتے تھے۔

''وہ یہ بھی کہتا ہے کہ 90 دنوں میں انتخابات منعقد کرادے گا۔'' ''وہ اپنا قبضہ مستقل جاری رکھے گا اور 90 دنوں میں انتخابات بھی کرادے گا؟'' شاہ کہتا ہے۔ اس نے چھوٹی سی عمر سے اب تک ہم سب سے زیادہ گھر میں وقت گزارا ہے اور سیاسی طور پر زیادہ بالغ نظر ہے۔

ضیاء نے بغاوت برپا کرنے میں اس قدر دیر سے اہتمام کیوں کیا؟ ایجی ٹیشن تو ماہ

www.bhutto.org

اپریل میں اپنی موت آپ مر چکا تھا۔ چند گھنٹے قبل قومی اتحاد سے مذاکرات کامیابی سے مکمل ہو چکے تھے۔

''ضیاء نے غلط اندازہ لگایا۔'' میرے والد کہتے ہیں۔ ''اس کا خیال تھا کہ قومی اتحاد سے مذاکرات ناکام ہو جائیں گے اور اسے قبضہ کرنے کا بہانہ مل جائے گا۔ اس نے حتمی معاہدہ دستخطوں سے پہلے ہی اپنا وار کر دیا۔''

''خدا ہی علیم و خبیر ہے کہ ہم پر کیا گزرے گی؟'' میری والدہ خاموشی سے کہتی ہیں۔

میری والدہ ریڈیو کوئی خبر سننے کے لیے آن کرتی ہیں۔ اگرچہ اتنی صبح سویرے کونسی نشریات سنائی دے سکتی ہیں۔ چنانچہ کچھ بھی نہیں۔ جب ہم فوجی جوانوں کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں، میرے والد مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔

''ذمہ داری کا بوجھ میرے کندھوں سے اتر گیا ہے۔'' وہ کہتے ہیں۔'' حکومت ایک امانت ہے اور میں نے اسے ایمانداری سے نبھایا، اب یہ بوجھ مجھ پر نہیں ہے۔'' ہم اپنے والدین کے سونے کے کمرے میں صوفے پر بے حس و حرکت بیٹھے ہیں جبکہ میرے والد اپنی روزمرہ عادت کے مطابق سکون سے اپنی کرسی پر بیٹھے میز پر فائلوں کے انبار کو ورق گردانی میں مصروف ہیں۔

ایک سپاہ فائل وہ مطلقاً نہیں پڑھتے بلکہ تمام متن پر چپ چاپ دستخط کر دیتے ہیں۔

''میرے پہلا کام بطور وزیر اعظم قتل کے مجرموں کی سزا کو تبدیل کرنا تھا۔'' وہ کہتے ہیں'' میرا آخری عمل بھی یہی ہوگا۔ میں زندگی کے لیے اپیل کرنے والوں کی درخواستیں پڑھنا پسند نہیں کرتا۔'' میں انہیں گلے ملنے کے لیے آگے بڑھتی ہوں مگر وہ آہستہ سے مجھے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔'' اب جذباتیت کے لیے کوئی وقت باقی نہیں۔'' وہ مجھے سمجھاتے ہیں۔'' بہت کڑا وقت آنے والا ہے۔''

ہم بی بی سی کی اردو کی صبح کی نشریات پر ریڈیو لگاتے ہیں۔ وہاں صرف اتنی سی خبر سننے کو ملتی ہے کہ فوج نے حکومت پاکستان پر قبضہ کر لیا ہے۔

''تمہارا مضمون عالمی حکومتیں'' تھا۔ تم بتاؤ کیا ضیاء انتخابات منعقد کرائے گا۔''

''ہاں۔ کرائے گا، پاپا۔'' میرا جواب تھا۔ ابھی تک میں طالب علمانہ منطق اور مثالیت

www.bhutto.org

پسندی میں یقین رکھتی ہوں۔ ''انتخابات کی بذاتِ خود نگرانی کر کے ضیاء مخالفین کو کسی ایسے دعوٰی سے محروم کر دے گا کہ دھاندلی کی گئی ہے اور ایجی ٹیشن کے آغاز کے بہانے سے بھی۔''

''بے وقوف مت بنو پنکی۔'' میرے والد خاموشی سے کہتے ہیں۔ ''افواج اقتدار چھوڑنے کے لیے حاصل نہیں کرتیں اور نہ ہی جرنیل بغاوت کا ارتکاب اس لیے کرتے ہیں کہ انتخابات منعقد کریں اور جمہوری آئین کو بحال کریں۔''

میں والدین کے کمرے سے باہر آتی ہوں تاکہ سامان باندھ سکوں۔ میرے والد کئی برس پہلے ہی ہمیں وزیراعظم ہاؤس کو الوداع کہنے کے تربیت دیتے رہے تھے۔ اگرچہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا ہمیں بندوق کی نوک پر کرنا پڑے گا۔ ان کا اصرار تھا کہ اس رہائش گاہ کو اپنا گھر تصور نہ کریں بلکہ ایک سرکاری عمارت سمجھیں۔ جب انہیں ان کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا تو وہ سرکاری رہائش گاہ کو جلد از جلد چھوڑنا چاہتے تھے۔ اپنے فوجی پیش رو یحییٰ خان کی طرح نہیں جو عہدے سے برطرف ہونے کے باوجود مہینوں سرکاری رہائش گاہ کو استعمال کرتا رہا۔ ''اتنا سامان ہی اپنے پاس مت رکھو جو ایک دن میں باندھ نہ سکو۔'' میرے والد نے ہمیشہ ہمیں نصیحت کی لیکن میں اس اہم اصول پر عمل پیرا نہ ہو سکی۔

میں مکمل اضطراب کی حالت میں رہی جبکہ میں اپنا سامان باندھ رہی تھی اور اپنے والدین کے سونے کے کمروں میں بھاگ دوڑ کرنے کے دوران مجھے یہ خدشہ بھی تھا کہ میرے والد کو کہیں اچانک وہ لوگ نے نہ جائیں۔

''پنکی بیٹے'' جلدی آؤ تمہارے پاپا جا رہے ہیں۔'' میں والدہ کو 9:00 بجے سے کچھ ہی پہلے پکارتے ہوئے سنتی ہوں۔

گھر کے عملے کا ایک شخص بھی اونچی آواز میں پکارتا ہے۔ ''جلدی کرو، صاحب جا رہے ہیں۔'' اس نے سرخ اور سفید رنگوں کی وزیراعظم ہاؤس کی وردی پہنی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو رواں ہیں۔

ہم سفید اور سنہری رنگوں میں سجی ہوئی راہداری سے بڑے دروازے تک پہنچتی ہیں۔ ان میں سے بلکتی ہوئی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، جہاں گھر کا عملہ اکٹھا ہو گیا ہے۔

www.bhutto.org

پاپا وزیراعظم کی سیاہ مرسیڈیز میں بیٹھے ہیں۔ جیسے ہی کار حرکت میں آتی ہے، صنم اور میں روتے ہوئے عملے کے پاس سے گزر کر باہر کے دروازے تک آتی ہیں۔ ''الوداع پاپا'' میں اپنے بازو زور زور سے ہلاتے ہوئے چیخ پڑتی ہوں، وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں۔ نیم مسکراہٹ کے ساتھ کار میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کار وزیراعظم کی رہائش گاہ کے دروازوں سے باہر نکل جاتی ہے جبکہ صبح کا سورج لائسنس پلیٹ پر کنڈلی مارے ہوئے پتوں کے درمیان وزیراعظم کی سنہری مہر پر چمک رہا ہے۔ میرے والد کی سول حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ پھر پاکستان پر جرنیل حکومت کرنے لگے ہیں۔

مجھے یہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ میرے والد کی گرفتاری نے پاکستان میں جمہوریت کو ختم کر دیا ہے۔ 1973ء کا آئین معطل ہو چکا تھا، مارشل لاء نافذ کر دیا گیا تھا لیکن میں اپنی طالب علمانہ سوچ اور سادہ لوحی سے چمٹی رہی کہ ضیاء انتخابات کرا دے گا۔ جن کا اگلے چند ہفتوں میں اس نے بار بار وعدہ کیا۔ ''میں اس بات کو کلی طور پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں نہ ہی افواج اپنے سپاہیانہ پیشے کو خیرباد کہیں گی۔'' ضیاء نے بغاوت کی صبح ہی اپنی نشری تقریر میں اعلان کیا تھا۔ ''میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنانا ہے جو اس سال اکتوبر کے مہینے میں منعقد ہوں گے۔ انتخابات کے فوراً بعد اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میں حتمی یقین دہانی کراتا ہوں کہ میں اس طے شدہ پروگرام سے انحراف نہیں کروں گا۔'' وہ صاف جھوٹ بول رہا تھا۔

جب ہم راولپنڈی سے 70 کلفٹن واپس پہنچے تو میرے والد کی نظر بندی اور پاکستان پر ظلمتوں کے گھمبیر سایوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے پی پی پی کے ہزاروں حامی ہمارے گھر کے باہر میں اکٹھے ہو گئے۔ میر مرتضیٰ مردوں سے گفتگو کرتے رہے اور میری والدہ نے فشارِ خون میں مبتلا ہونے کے باعث عورتوں سے بات کرنے کے لیے مجھے بھیج دیا۔ ''فقط اتنا کہو کہ حوصلہ رکھو۔'' میری والدہ نے بتایا۔ ''حوصلہ رکھو، حوصلہ رکھو۔'' میں نے یکے بعد دیگرے ہر آنے والی خاتون کو کہا۔ اپنی اردو میں لڑکھڑاتے ہوئے کیونکہ آٹھ سال غیر ممالک میں رہنے کی وجہ سے اردو زبان کمزور پڑ گئی تھی۔

www.bhutto.org

میرے والد کی جرأت اور مزاح کی حس بلند تھی۔ انہوں نے بعد میں ایک روز بتایا۔'' ایک صحافی نے آج فون کیا اور پوچھا، آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ میں نے اسے بتایا کہ میں آج کل نپولین کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مطالعہ کر رہا ہوں تاکہ پتہ چلے اس نے اپنے جرنیلوں کو کس طرح قابو میں رکھا تھا جبکہ میں نہ رکھ سکا۔'' میرے والد کی بلند حوصلگی نے ہمیں اپنا توازن برقرار رکھنے میں خاصی مدد کی۔ بجائے اداس اور مایوس ہونے کے ہم مضبوط، پراعتماد اور بلند حوصلہ رہے۔ اول بات یہ تھی کہ میرے والد حیات تھے۔ دوسرے عوام ان کے حامی تھے۔ پی پی پی کی شہرت کا گراف اتنا ہی بلند تھا جتنا پہلے تھا جبکہ پاپا نے میر کو لاڑکانہ اپنے حلقہ انتخاب میں بھیج دیا۔ میں اور شاہ نے 70 کلفٹن میں ہزاروں لوگوں سے ملاقاتیں جاری رکھیں جو اپنے تعاون کا یقین دلانے کے لیے ہر روز آتے تھے۔

''ضیاء آج مجھے ملنے کے لیے آ رہا ہے۔'' میرے والد نے 15 جولائی کو مجھے ٹیلی فون پر بتایا۔ اگلے دن اخبارات میں شائع شدہ تصویر میں میرے والد سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔ ان کا چہرہ ملک کی سیاسی حالت کی گھمبیرتا کا عکاس تھا۔ ضیاء اس کے برعکس احساس گناہ کا شکار تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے سینے پر دھرا ہوا تھا اور چہرے پر غلامانہ مسکراہٹ کا انداز۔'' ضیاء نے انتخابات منعقد کرنے کا اپنا عزم دہرایا اور سیاسی جماعتوں کے درمیان خود ایک ریفری کا کردار ادا کرنے کا ارادہ بھی۔'' میرے والد نے اپنی ملاقاتوں کے بعد ٹیلی فون پر ہمیں بتایا۔ ضیاء اس بات پر کیوں زور دیتا ہے کہ وہ دیانتدار ہے۔ میرے والد کو اتنا بھی یقین نہیں تھا کہ وہ منصفانہ اور مساویانہ سلوک کا متحمل ہوگا۔ ہمیں بھی یقین نہیں تھا۔ میرے والد اور پی پی پی کے خلاف حکومت کی تحویل میں میڈیا نے جو باؤلا پن فضا میں پھیلا دیا تھا، اس کا تو یہی نتیجہ معلوم ہوتا تھا کہ ہمیں ضیاء پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

''لوگوں سے اپنا مضبوط رشتہ استوار رکھنے کے لیے لاہور جاؤ۔'' میرے والد نے کہا۔'' انہوں نے بارشوں سے بہت نقصان اٹھایا ہے اور سیلاب بھی بہت تباہ کن تھے۔''

لاہور اپنے آپ چلی جاؤں۔ اس سے پہلے کسی پارٹی فریضے پر میں وہاں کبھی نہیں گئی۔ میرے دل میں ہول اٹھنا شروع ہو گیا۔'' مساوات میں اپنے پروگرام کا اعلان کرو اور شاہ کو اپنے

www.bhutto.org

ساتھ لے گا۔'' میرے والد نے مجھے بتایا۔ چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میں اور شاہ لاہور پہنچ گئے۔ ہزاروں پی پی پی کے حامی ایئرپورٹ پر ہمارے استقبال کے لیے پہنچ گئے اور مارشل لاء حکم نمبر 5 کے باوجود جس میں کسی سیاسی جلسے کا اہتمام کرنے یا اس میں حاضر ہونے پر پانچ سال قید کی سزا دی جاسکتی تھی، لوگوں نے پی پی پی کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ہجوم اس قدر پرجوش تھا کہ شاہ اور مجھے اپنی کار تک پہنچنے کے لیے بڑی مشکل سے راستہ ملا۔ میرا اٹھارہ سالہ بھائی اور میں اس غیر متوقع مظاہرہ سے بہت متاثر ہوئے۔ ہم تو صرف وزیراعظم کے بچے تھے اور ہماری کوئی سیاسی حیثیت نہیں تھی۔

بیگم خاکوانی صدر خواتین ونگ پنجاب کے بنگلہ پر ہجوم اور بھی بڑا تھا۔ لوگ گھر کے باغ سے باہر گلی تک پھیلے ہوئے تھے۔ شاہ اور میں اس ہجوم کی وجہ سے استقبالیہ کمرے میں پسینے میں شرابور ہو گئے۔ کمروں کی روشنی نے بھی ہماری آنکھیں تقریباً اندھی کر دیں کیونکہ لوگ ہماری تصویریں دھڑا دھڑ کھینچ رہے تھے۔ استقبالیہ کے درمیان میں مجھے ٹیلیفون پر بلایا گیا۔ ''یہ وزیر اعظم بھٹو کا ہے۔'' یہ پیغام ہجوم میں سرسراتا ہوا مجھے ملا۔ ''چیئرمین بھٹو بلا رہے ہیں۔''

سینکڑوں لوگ رہائشی کمرے میں میرے ساتھ ہی داخل ہو گئے۔ ''تم کیسی ہو؟'' میرے والد نے مجھے پوچھا۔ وہ شاہ اور میرے استقبال سے قطعی بے خبر تھے۔ جب میں نے انہیں بتایا کہ ایئرپورٹ پر اور لاہور میں یہاں ہزاروں لوگ استقبال کے لیے جمع تھے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ''میری طرف سے انہیں سلام دو۔'' میں نے ٹیلی فون بند کی اور متوقع ہجوم کی طرف مڑی۔ ''میرے والد نے ان تمام لوگوں کے لیے اظہار ہمدردی بھیجا ہے جنہوں نے گھروں اور فصلوں کا نقصان اٹھایا ہے۔'' میں لڑکھڑاتی اردو میں کہتی چلی گئی۔ ''پی پی پی متاثرہ خاندانوں کی بحالی کے لیے امداد کی طالب ہے۔''

پاکستان کے لوگ عموماً اس رہنما کا پیچھا چھوڑ دیتے تھے جو اقتدار کے سنگھاسن سے علیحدہ ہو چکا ہو اور اپنی تمام تر حمایت نئے آنے والے رہنما کے حق میں انڈیل دیتے تھے لیکن اس مرتبہ ضیاء کا میرے والد کو سازش سے اتارنا الٹے نتائج کا حامل ثابت ہوا۔ میرے والد کو چھوڑنے کی بجائے لوگوں کی وفاداری سو فیصد ان کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ضیاء نے میرے والد اور دوسرے

www.bhutto.org

نظر بندر ہنماؤں کو بغاوت کے تین ہفتوں کے بعد رہائی کا حکم دے دیا۔ لاکھوں لوگ مارشل لاء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں میرے والد کے استقبال کے لیے پہنچے۔ مغرب میں کبھی اتنا ہجوم اکٹھا نہیں ہوتا جتنا ایشیا میں، لیکن ہمارے معیار کے مطابق بھی ہجوم جو میرے والد کی تقریر سنتے آتے ہر طرح سے بہت بڑے تھے۔

میرے والد سب سے پہلے کراچی پہنچے جہاں ان کے استقبال میں ہجوم کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ قیاس لگانا بھی ممکن نہیں تھا۔ ریلوے سٹیشن سے ہمارے گھر تک کا راستہ آدھ گھنٹے کا تھا مگر میرے والد کو دس گھنٹے لگے۔ ان کی کار میں 70 کلفٹن پہنچنے تک گڑھے پڑ گئے۔

کچلے جانے کے خوف سے میرے بھائی، بہن اور میں بڑے دروازے سے باہر ہجوم میں اپنے والد کے استقبال کے لیے نہیں گئے بلکہ ہم ان کی آمد کا منظر دیکھنے کے لیے چھت پر چڑھ گئے۔ اگرچہ ہم نے جذباتی ہجوم پہلے بھی دیکھے تھے مگر اس مرتبہ یہ بے مثال تھا۔ اتنی تعداد میں لوگ انہیں دیکھنے، انہیں چھونے اور ان کے قریب جانے کی تگ و دو کر رہے تھے کہ ہمارے گھر کی چار دیواری ان کے بوجھ تلے ٹوٹ گئی۔

''اوہ، پاپا میں آپ کو آزاد دیکھ کر کس قدر خوش ہوں، اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے والدین کے سونے کے کمرے میں اس رات انہیں کہا۔

''اس نے ہجوموں کا حکم دیکھ لیا ہے۔''

''چپ۔'' انہوں نے انگلی کو دائرے میں گھماتے ہوئے مجھے متنبہ کیا۔ غالباً ان کے خیال میں کمرے میں جاسوسی کے آلات لگائے گئے تھے۔ میں نے اپنی ضد میں زور دے کر کہا'' ضیاء بزدل ہے''غدار ہے۔''

''اس نے بہت بڑی غداری کی ہے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ یہ امید رکھتے ہوئے کہ میرے الفاظ ریکارڈ ہو رہے ہوں گے اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ایسے بڑے ہجوم والد کے محافظ ثابت ہوں گے۔

''تم بے احتیاطی کر رہی ہو۔'' میرے والد نے زور دے کر کہا۔'' تم مغرب کی کسی جمہوریت میں نہیں، تم اپنے گھر میں بھی مارشل لاء کے ماتحت ہو۔''

www.bhutto.org

سیاسی جلسے تواتر سے ہو رہے تھے۔ ضیاء نے 18 اکتوبر کو انتخابات کے انعقاد کا پروگرام بنایا تھا اور 18 ستمبر سے ایک ماہ کی انتخابی مہم کی اجازت دینے والا تھا۔ جب میرے والد نچلی منزل میں پارٹی رہنماؤں کے ساتھ ملاقاتوں میں مصروف رہتے تھے، میں اوپر کی منزل میں کھانے کے کمرے میں اردو کی اسباق پڑھنے میں مصروف رہتی تھی۔ ''تمہیں اپنی اردو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔'' میرے والد نے مجھے بتایا۔ ''میری بجائے تمہیں بولنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔'' میں اردو اخبارات کا مطالعہ بغور کرتی اور اتالیق سے سیاسی اصطلاحات کی شد بد حاصل کرتی۔ ''یہ کیسے جا رہی ہے۔'' میرے والد نچلی منزل میں سیاسی ملاقاتوں کے وقفوں کے دوران اوپر کھانے کے کمرے میں دروازہ کھول کر میرے استاد سے پوچھتے۔

اب جبکہ نئی انتخابی مہم میں صرف دو ہفتے رہ گئے تھے، ضیاء نے اس پرانے الزام کو استعمال کر کے میرے والد کو گرفتار کرنے کا ایک بہانہ بنایا لیکن ایک مرتبہ پھر ضیاء کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ عدالت عالیہ کے جس جج نے یہ الزامات سنے، اس نے ریکارڈ کردہ تمام مواد کا جائزہ لینے کے بعد اسے ''متضاد اور نامکمل'' قرار دیا اور میرے والد کو کسی طرح بھی اس قتل میں ملوث نہیں پایا۔ اس نے میرے والد کی گرفتاری کے دن دن بعد ان کی ضمانت پر رہائی کا حکم دے دیا۔ میں دوبارہ مستقبل کی خوش امیدی پر خوش تھی۔ ''اگر سول عدالتوں نے وزیراعظم کو رہا کر دیا ہے تو میں بھی انہیں مارشل لاء حکم کے ماتحت گرفتار کرنا نہیں چاہتا۔'' ضیاء نے صحافیوں سے اس فیصلے پر یہ تبصرہ کیا۔

میرے والد 13 ستمبر کو سیدھے گھر کراچی پہنچے اور اگلی صبح شاہ نواز کے ساتھ ماہ رمضان کے خاتمہ پر لاڑکانہ میں میرے بھائی میر کے پاس جا کر عید منانے کا پروگرام بنایا۔ اب ہم پر دباؤ بھی شدید ہو گیا۔ صرف پانچ دن بعد انتخابی مہم کا آغاز ہونا تھا اور میرے والد نے اگلے تین دنوں میں 90 جلسوں سے خطاب کرنے کا پروگرام طے کیا تھا۔ معمول کے مطابق پورا کنبہ والدین کے سونے کے کمرے میں اس رات جمع ہوا جہاں گفتگو نے ایک غیر متوقع موڑ لیا۔ ''تم جانتی ہو نصرت! پنکی کی اب شادی ہو جانا چاہیے۔'' میرے والد نے بستر پر لیٹتے اور سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔ ''میں اس کے لیے بر تلاش کروں گا۔'' میں صوفے پر سیدھا تن کر بیٹھ گئی۔ ''میں تو

ابھی کچھ عرصہ پہلے گھر پہنچی ہوں۔'' صنم اور شاہ کو بچپن کی طرح مجھے تنگ کرنے کا موقع مل گیا۔ ''تمہیں شادی کرنا ہوگی۔'' انہوں نے گنگنانا شروع کر دیا۔ ''دراصل.....'' میرے والد نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے اپنی پسند کا ایک لڑکا دیکھ لیا ہے۔'' میری والدہ مسکرائیں۔ غالباً شادی کا منصوبہ پہلے ہی بن چکا تھا۔ ''میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ آپ مجھے ہاں کہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔'' میں نے باغیانہ انداز میں کہا۔ ''تم اپنے والد کو ''تمہیں'' بھی تو نہیں کہہ سکتی۔'' پاپا نے کہا جو شاہ اور صنم نے کورس میں گنگنایا۔ ''نہیں، نہیں، نہیں۔'' اتنے میں میرے والد کے لیے عشائیہ کی ٹرالی آ گئی جس سے میں مزید جھگڑے میں پڑنے سے بچ گئی۔ بفضل خدا، گفتگو کا عنوان بدل گیا لیکن نیا مضمون اور بھی پریشان کن ثابت ہوا۔

''مجھے بتایا گیا کہ ضیاء کسی قیمت پر مجھے نہیں چھوڑے گا، اس لیے مجھے بھاگ جانا چاہیے۔'' پاپا نے اپنے طعام کے دوران کہا۔ ''پی پی پی کے ایک رہنما نے آج مجھ سے رقم مانگی تا کہ وہ فرار اختیار کر سکے۔ اس نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ میں بیرون ملک چلا جاؤں۔'' میں نے کہا ''لیکن میں چوہا نہیں ہوں جو مفرور ہو جاؤں۔ میں یہیں رہوں گا اور ضیاء کا سامنا کروں گا۔''

''اور آپ انتخابات جیت جائیں گے اور جنرل ضیاء پر غداری کا مقدمہ چلائیں گے۔'' میں نے بلند آواز سے کہا۔ ''احتیاط کرو پنکی''۔ میرے والد نے دیواروں کی طرف جاسوسی آلات کا اشارہ کرتے ہوئے مجھے خبردار کیا مگر میں اپنے والد کو حراست سے آزاد ہونے پر اور دوبارہ گھر میں دیکھ کر محتاط رہنے کے متعلق بھول چکی تھی۔ میں نے ضیاء کی غداری پر اپنے تبصرے کو جاری رکھا، یہاں تک کہ میرے والد غصے میں آ گئے۔

''چپ رہو۔'' انہوں نے ناراضگی سے کہا۔ ''تم نہیں جانتی ہو کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' ہم نے ایک دوسرے پر نگاہ ڈالی اور غصے اور رنج میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں اب معترف ہوں کہ انہیں علم تھا، واقعات کیا موڑ لینے والے ہیں اور وہ حقیقت پسند تھے جسے میں دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ انہیں پتہ چلا کہ جنرل ضیاء کس قدر سنگدل ہے اور وہ مجھے اشتعال انگیز بیانات کے اظہار سے روکنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن میں اس وقت بہت اڑیل مزاج تھی اور ایسی چیزوں سے لاپروا۔ میں نے کتنی ہی مرتبہ بعد میں خدا کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے لاڑکانہ جانے

www.bhutto.org

سے پہلے مجھے صحیح معنوی میں حقائق کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر دیا۔

''جو کچھ میں نے تمہیں کل رات کہا، اسے دل کی گہرائیوں میں مت لے جاؤ۔'' صبح وہ میرے کمرے میں آئے اور انہوں نے میرے بستر کے ایک کنارے پر بیٹھے ہوئے کہا۔ ''میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔''

پاپا نے مجھے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔

''میں سمجھتی ہوں پاپا اور میں بھی معافی مانگتی ہوں۔'' میں نے انہیں الوداعی بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ مجھے ان کی خاکستر رنگ کی قمیض شلوار اور شالیمار کی خوشبو کا نظارہ ابھی تک یاد ہے۔ یہ آخری مرتبہ تھا، جب میں نے انہیں آزاد دیکھا۔

لائبہ خان
خبریں سنڈے میگزین
6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بینظیر بھٹو کا دنیا کی 50 خوبصورت خواتین میں شمار ہوتا تھا

بابا کی ''پنکی'' سے شہید بی بی تک

دختر مشرق کا مختصر سوانحی خاکہ اور بچپن کی خوشگوار یادیں

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن اور سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو 21 جون 1953ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں، انہوں نے پرائمری تعلیم لیڈی جینگو نرسری سکول اور کنوینٹ آف جیوزز اینڈ میری کراچی سے حاصل کی، راولپنڈی پریزنٹیشن میں دو ل سال گزارنے کے بعد وہ مری میں جیوزز اینڈ میری کنوینٹ مری چلی گئیں، انہوں نے او لیول کا امتحان پندرہ سال کی عمر میں پاس کیا جبکہ اس کے بعد انہوں نے اے لیول کراچی گرائمر سکول سے مکمل کیا۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ بیرون ملک چلی گئیں جہاں برطانیہ اور امریکہ میں انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔

1988ء میں پہلی اور 1993ء میں دوسری مرتبہ وزیراعظم بنیں، 1998ء میں دبئی چلی گئیں 10 سال بعد 18 اکتوبر 2007ء کو وطن واپس آئیں، بینظیر بھٹو اپنے باپ قائد عوام

www.bhutto.org

ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی اور سیاسی میدان کی بی بی کہلائیں۔

1976ء میں وہ آکسفورڈ یونین کی صدر منتخب ہوئیں، 18 دسمبر 1987ء کو ان کی شادی آصف علی زرداری سے ہوئی۔

18 اکتوبر کو وطن واپسی پر ان کے استقبالی جلوس پر خودکش حملہ ہوا تاہم اس دوران وہ محفوظ رہیں، جبکہ 27 دسمبر 2007ء کو وہ لیاقت باغ میں ہونے والے خودکش دھماکے اور فائرنگ کے نتیجے میں جاں بحق ہوگئیں۔ انہوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں جبکہ ان کی زندگی پر بھی مختلف مصنفین نے کتابیں تصنیف کیں۔

بینظیر بھٹو اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیراعظم تھیں دو مرتبہ وزیراعظم رہیں۔

1969ء سے 1973ء تک وہ ریڈکلف کالج اور ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھتی رہیں جہاں انہوں نے بی اے کی ڈگری حاصل کی جبکہ انہوں نے اپنی تعلیم کا اگلا مرحلہ برطانیہ میں مکمل کیا۔ 1973ء سے 1977ء کے درمیان محترمہ بینظیر بھٹو نے لیڈی مارگریٹ ہال آکسفورڈ میں سیاسیات، اقتصادیات اور فلسفے کی تعلیم حاصل کی جبکہ انہوں نے بین الاقوامی قانون اور ڈپلومیسی کے حوالے سے کورس آکسفورڈ یونیورسٹی سے مکمل کیا۔ 1976ء میں وہ آکسفورڈ یونین کی صدر منتخب ہوگئیں اور وہ پہلی ایشیائی خاتون تھیں جو آکسفورڈ یونین کی سربراہ بنیں۔

بینظیر بھٹو کے تین بچے جن میں بلاول زرداری، بختاور زرداری اور آصفہ زرداری شامل ہیں۔ بینظیر بھٹو کے والد سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو تھے جبکہ انہیں 1975ء میں احمد رضا قصوری کے قتل کے الزام میں برطرف کردیا گیا اور بعدازاں انہیں پھانسی دی گئی۔

انہیں 4 اپریل 1979ء کو پھانسی دی گئی جبکہ اس دوران بینظیر بھٹو اور ان کی والدہ کو حراست میں رکھا گیا۔ 1985ء میں بینظیر بھٹو کے بھائی شاہنواز بھٹو کو قتل کر دیا گیا جبکہ 1996ء میں ان کے دوسرے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کو بھی قتل کردیا گیا۔

بینظیر بھٹو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پاکستان میں واپس آئیں تو انہیں گھر میں نظر بند کردیا گیا جبکہ 1984ء میں انہیں برطانیہ جانے کی اجازت دی گئی۔ 16 نومبر 1988ء کو بینظیر بھٹو نے ملک میں ہونیوالے انتخابات میں حصہ لیا اور ان کی پارٹی نے قومی اسمبلی میں

www.bhutto.org

اکثریت حاصل کی اور بینظیر ملک کی وزیر اعظم بن گئیں اور انہوں نے 2 دسمبر 1988ء کو وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھایا اور وہ ملک اور اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم بن گئیں اس وقت ان کی عمر 35 سال تھی جبکہ 1989ء میں انہیں لبرل انٹرنیشنل کی طرف سے پرائز فار فریڈم عطا کیا گیا۔

1990ء میں بینظیر بھٹو کی حکومت کرپشن کے الزامات کے تحت برطرف کر دی گئی جبکہ اس کے بعد نواز شریف حکومت میں آئے تاہم 1993ء میں بینظیر بھٹو دوبارہ ملک کی وزیر اعظم بن گئیں لیکن 3 سال بعد ہی ان کی حکومت کرپشن اسکینڈل کے الزامات کے تحت برطرف کر دی گئی۔ جس کے بعد ایک مرتبہ پھر نواز شریف ملک کے وزیر اعظم بنے اور بینظیر بھٹو نے اپوزیشن لیڈر کے طور پر اپنا کردار ادا کیا جبکہ 1998ء میں بینظیر بھٹو دوبئی چلی گئیں۔ بینظیر بھٹو پر اس دوران کرپشن کے الزامات بھی لگائے گئے جبکہ دس سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس آئیں اور جناح انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتریں لیکن جب ان کا جلوس راستے میں تھا تو کارساز کے مقام پر ان کے استقبالی جلوس پر خودکش حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں 140 افراد جاں بحق اور 450 سے زائد زخمی ہو گئے تھے جبکہ جان بحق ہونے والوں میں بینظیر بھٹو کے سیکورٹی گارڈز بھی شامل تھے تاہم بینظیر بھٹو اس حملے میں مکمل طور پر محفوظ رہیں جبکہ اس کے بعد محترمہ بینظیر بھٹو کو قتل کی دھمکیاں وغیرہ ملتی رہیں بینظیر بھٹو کے وکیل سینٹر فاروق ایچ نائیک کا کہنا تھا کہ انہیں خط موصول ہوا ہے جس میں بینظیر بھٹو کو قتل کرنے کی دھمکی دی گئی جبکہ 27 دسمبر 2007ء بروز جمعرات کی شام محترمہ بینظیر بھٹو جب راولپنڈی کے لیاقت باغ میں انتخابی مہم کے حوالے سے اپنا جلسہ ختم کر کے نکلنے لگیں تو اس دوران نامعلوم مسلح افراد نے ان پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں بینظیر بھٹو شدید زخمی ہو گئیں جس پر انہیں جنرل ہسپتال راولپنڈی میں منتقل کیا گیا۔

ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ گولی ان کی گردن اور سر میں لگی، جس سے ان کی سانس بند ہو گئی، ڈاکٹروں نے ان کی جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کی تاہم وہ جانبر نہ ہو سکیں اور خالق حقیقی سے جا ملیں جبکہ پیپلز پارٹی کے سیکرٹری خزانہ سینیٹر ڈاکٹر بابر اعوان نے بینظیر بھٹو کے جاں بحق ہونے کی تصدیق کی اس سے پہلے ان کے شوہر آصف علی زرداری نے ایک نجی ٹی وی چینل سے گفتگو کے

دوران بتایا تھا کہ محترمہ بینظیر بھٹو گولی لگنے سے شدید زخمی ہوگئی ہیں اور ان کی حالت انتہائی تشویشناک ہے اس لیے عوام ان کی زندگی کے لیے دعا کریں۔

بینظیر بھٹو نے مختلف کتابیں بھی لکھیں جن میں ان کی انگریزی زبان میں لکھی گئی کتاب ''دی گیدرنگ سٹار، ڈاٹر آف دی ایسٹ، ڈاٹر آف ڈیسٹنی اور ہسپانوی زبان میں لکھی گئی کتاب ''ہجادی اور تیملے'' شامل ہیں جبکہ بینظیر بھٹو کی زندگی پر بھی مختلف لوگوں نے کتابیں لکھیں جن میں ڈبلیو ایف پیپر کی ''بینظیر بھٹو'' کبتھرین ایم ڈوھرٹی کی ''بینظیر بھٹو''، ڈبلیو ایچ ایلن کی ''بابوگرافیہ آف بینظیر بھٹو''، الزبتھ بوچلڈ کی ''بینظیر بھٹو وزیراعظم''، اقبال اخوند، ٹرائل اینڈ ایرر، ''بینظیر حکومت پہلا دور کیا کھویا کیا پایا''، مرسڈیز اینڈرسن کی ''بینظیر بھٹو، خاتون سیاست میں'' اور میری اینگر کی ''پاکستانی وزیراعظم اور کارکنان'' شامل ہیں۔

پیپلز میگزین نے بینظیر بھٹو کو دنیا کی 50 خوبصورت خواتین میں سے قرار دیا۔

بینظیر بھٹو پر طویل جلاوطنی کے بعد تین مہینوں کے اندر دو حملے کیے گئے جبکہ ان کی باپ کو سولی پر چڑھایا گیا تھا۔ ماں بیماری کے باعث پس منظر میں چلی گئیں۔ ایک بھائی، بہن کے دور حکومت میں سرعام قتل کر دیا گیا اور ایک بھائی نے فرانس میں پراسرار طور پر دنیا سے منہ موڑ لیا۔ شوہر کو سیاسی طور پر ایک متنازعہ شخصیت بنا دیا گیا اور خود دو مرتبہ وزیراعظم بننے کے باوجود 8 سال تک خود ساختہ جلاوطنی اختیار کرنی پڑی، بینظیر بھٹو اپنے باپ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کی پنکی، اور سیاسی میدان کی بی بی کہلائیں، جس طرح پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آتے ہیں اسی طرح سیاسی پنڈتوں نے یہ جان لیا تھا کہ ایشیا کے ایک بڑے سیاسی رہنما کی بیٹی مستقبل کی سیاستدان ہوں گی۔ پنکی اب محترمہ بینظیر بھٹو بننے کے سفر پر نکل چکی تھیں یہ وہی زمانہ تھا جب ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو پاکستان میں صاحب اقتدار تھے مگر پھر حالات بدلے مسٹر بھٹو کی حکومت جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں ختم ہوگئی اور 1979ء میں ذوالفقار علی بھٹو پھانسی چڑھا دیئے گئے اور یوں بھٹو خاندان کا شیرازہ بکھرنے لگا سبھی ملک سے باہر چلے گئے۔

پہلے والدہ نصرت بھٹو نے پارٹی کی کمان سنبھالی لیکن بعد میں یہ کمان بینظیر بھٹو کے ہاتھوں میں آ گئی، ملک سے باہر بیٹھ کر وہ پارٹی بھی چلاتی رہیں اور ملک میں مارشل لاء کے

کارناموں کا مشاہدہ بھی کرتی رہیں۔ 1985ء میں ضیاء الحق نے بظاہر مارشل لاء ختم کر دیا تو طویل جلاوطنی کے بعد 10 اپریل 1986ء میں بینظیر بھٹو وطن واپس آ گئیں، عوام کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر نے ان کا استقبال کیا۔

انہوں نے ملک بھر کا دورہ کیا اور عوام ایک مرتبہ پھر سیاست کے میدان آ گئے اور اگست 1988ء میں ضیاء الحق کا طیارہ تباہ ہونے کے ساتھ ہی ایک غیر عوامی دور ختم ہو گیا، عام طور پر خیال تھا کہ بینظیر بھٹو کی قیادت ولولہ انگیز قیادت ہو گی، سیاست کے فرسودہ اصولوں سے نجات اور ملک ترقی اور روشن خیالی کے نئے دور میں داخل ہو جائے گا مگر دسمبر 1988ء میں سادہ اکثریت حاصل ہونے والی حکومت شوہر آصف علی زرداری اور کچھ ساتھیوں کی مبینہ کرپشن کی وجہ سے 6 اگست 1990ء کو ختم ہو گئی۔ 18 جولائی 1993ء کو ایک مرتبہ پھر اقتدار کا ہما بینظیر بھٹو کے سر بیٹھا مگر 5 نومبر 1993ء کو ملنے والے اقتدار کی بساط 5 نومبر 1996ء کو لپیٹ دی گئی، الزامات وہی پرانے تھے، یعنی کرپشن اور اقربا پروری۔

ملک کی سیاست پر اس وقت سب سے بڑا نام محترمہ بینظیر بھٹو کا تھا تاہم 27 دسمبر 2007ء کو بینظیر کے جاں بحق ہونے کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو کے خاندان کا ایک اور فرد سیاست کے راستے میں زندگی کی جنگ ہار گیا۔

سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو اٹھارہ اکتوبر دو ہزار سات کو کراچی ایئرپورٹ پر اتریں تو گزشتہ آٹھ سال میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنی سرزمین پر قدم رکھا۔

1979ء چار اپریل کو پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی چیئرمین اور سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ملک کے فوجی حکمران جنرل ضیاء الحق کے حکم پر پھانسی چڑھا دیا گیا۔

1986ء دس اپریل کو بینظیر بھٹو اپنی جلاوطنی کے بعد جب لاہور پہنچیں تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ سے زائد افراد ان کے استقبال کے لیے لاہور کی سڑکوں پر آئے۔

1988ء سولہ نومبر کو ہونے والے عام انتخاب میں پاکستان پیپلز پارٹی نے شاندار کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی میں سب سے بڑی جماعت کے طور پر ابھری۔

www.bhutto.org

1988ء دو دسمبر کو بینظیر بھٹو نے پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم کے طور پر حلف اٹھایا۔

1990ء اگست میں صدر غلام اسحاق خان نے اسمبلیاں تحلیل کر دیں اور بینظیر بھٹو کی حکومت کو برخاست کر دیا۔ بینظیر کے خاوند آصف علی زرداری کو اغواء کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

1990ء اکتوبر کو ہونے والے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی ہار گئی اور اسے اپوزیشن میں بیٹھنا پڑا۔ بینظیر بھٹو کو قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف چنا گیا۔

1993ء اکتوبر میں ہونے والے انتخابات میں پی پی پی نے کامیابی حاصل کی اور بینظیر بھٹو دوسری بار وزیراعظم بن گئیں۔

1996ء اکتوبر میں صدر فاروق احمد لغاری نے بینظیر بھٹو کی دوسری حکومت کو کرپشن اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات کے تحت ختم کر دیا۔ آصف علی زرداری کو ایک بار پھر گرفتار کر لیا گیا۔

1999ء اپریل میں لاہور ہائی کورٹ نے بینظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کو ٹیکنا اور ایس ای ایس کیس میں سزا سنائی۔ دو سال بعد سپریم کورٹ نے یہ سزا ختم کر دی۔

1999ء اپریل میں ہی بینظیر بھٹو نے جلاوطنی اختیار کی۔ اس دوران انہوں نے اپنا زیادہ وقت لندن اور دبئی میں گزارا۔

1999ء 12: اکتوبر کو نواز شریف کی حکومت کو ختم کر کے جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا۔

2002ء جولائی کو ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے تیسری مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بظاہر اس آرڈیننس کا مقصد سابق وزرائے اعظم نواز شریف اور بینظیر بھٹو کو اقتدار میں آنے کا راستہ روکنا تھا۔

2003ء جولائی میں ایک سوئس عدالت نے بینظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کو منی لانڈرنگ کے ایک مقدمے میں چھ ماہ کی سزا سنائی۔ بعد میں اپیل پر عدالت نے سزا ختم کر دی۔

2006ء جنوری میں انٹرپول نے پاکستانی حکومت کی ایک درخواست پر بینظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کے خلاف بین الاقوامی وارنٹ جاری کر دیے۔

www.bhutto.org

2007ء: 14 ستمبر کو پی پی پی قیادت نے اعلان کیا کہ بینظیر بھٹو اٹھارہ اکتوبر کو وطن واپس پہنچیں گی۔

2007ء: چار اکتوبر کو صدر مشرف نے بینظیر بھٹو کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت قومی مفاہمتی آرڈیننس جاری کر دیا۔

2007ء: بارہ اکتوبر کو سپریم کورٹ نے سابق وفاقی وزیر مبشر حسن، سابق بیوروکریٹ روئیداد خان اور قاضی حسین احمد کی درخواستوں پر مفاہمتی آرڈیننس کے تحت ملنے والی رعایت کو عدالتی فیصلے سے مشروط کر دیا۔

محمد ہارون عباس قمر
خبریں سنڈے میگزین
6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

28 دسمبر کی شام پاکستان کا ایک بے نظیر کردار لحد میں اُتار دیا گیا!

تنویر قیصر شاہد

بینظیر بھٹو کو 28 دسمبر کو بعد از نماز جمعہ ان کی وصیت کے مطابق گڑھی خدا بخش میں شہید ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان کے متفقہ فیصلے کے مطابق بینظیر بھٹو کا آخری دیدار کرایا گیا کیونکہ جنازے میں شرکت کیلئے آنے والے کارکنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ گڑھی خدا بخش کی مرکزی مسجد کے پیش امام حافظ حاکم علی منگی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ گڑھی خدا بخش نوڈیرو ہاؤس سے آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور وہاں پر نماز جنازہ کیلئے مختص کی جانیوالی جگہ 65 ایکڑ بنائی گئی تھی۔

ادھر پاکستانی فوج کے سربراہ جنرل اشفاق پرویز کیانی نے بھی ایک پیغام میں بینظیر بھٹو کی موت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ سب ایک قومی رہنما کے قتل پر افسردہ ہوئے ہیں۔ ایک مختصر بیان میں انہوں نے مرحومہ کے خاندان اور دوست احباب سے تعزیت بھی کی اور نوڈیرو ہاؤس میں خطاب کرتے ہوئے بینظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری نے پارٹی کارکنوں سے اپیل کی کہ وہ رو کر ان کا دل چھوٹا مت کریں بلکہ خود بھی ہمت کریں اور ان کی بھی ہمت

www.bhutto.org

بندھائیں۔ آصف علی زرداری کے خطاب کے دوران چند مشتعل کارکنوں نے پنجاب کے خلاف نعرہ بازی کی تو انہوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ پنجاب کا کوئی قصور نہیں بلکہ لٹیروں کا قصور ہے جنہوں نے ہم سے دھوکہ کیا۔

بینظیر بھٹو کی چھوٹی بہن صنم بھٹو جنازے سے قبل لندن سے نوڈیرو پہنچ گئیں۔ انہیں ایک خصوصی طیارے سے کراچی سے لاڑکانہ لایا گیا۔ جنازہ گاہ میں موجود پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما سید نوید قمر نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ چھوٹے صوبوں کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ سندھ سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں کو راولپنڈی میں ہی کیوں قتل کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ رنجشیں نعروں میں بدل رہی ہیں۔ بینظیر بھٹو کا جسد خاکی پاکستان ایئر فورس کے ایک C-130 طیارے کے ذریعے راولپنڈی سے سکھر اور پھر وہاں سے ہیلی کاپٹر پر ان کے آبائی شہر لاڑکانہ کے موہنجوڈاڑو ایئرپورٹ پہنچایا گیا تھا۔ بینظیر بھٹو کی میت پاکستانی وقت کے مطابق رات ایک بج کر بیس منٹ پر راولپنڈی کی چکلالہ ایئربیس سے سکھر کے لئے روانہ کی گئی تھی، طیارے میں ان کے شوہر آصف علی زرداری اور بچے بلاول، بختاور اور آصفہ بھی موجود تھے۔ آصف علی زرداری اور ان کے بچے خصوصی طیارے کے ذریعے دبئی سے اسلام آباد پہنچے تھے۔ موہنجوڈاڑو ایئرپورٹ سے بینظیر بھٹو کی میت لاڑکانہ میں نوڈیرو ہاؤس پہنچی تو موقع پر موجود سینکڑوں کارکن زاروقطار رونے لگے۔ ان میں سے کئی نے سینہ کوبی شروع کر دی۔ آصف زرداری نے جذباتی کارکنوں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے راستہ دینے کی گزارش کی، جب میت کو گھر کے اندرونی حصے میں منتقل کیا جا رہا تھا تو آصف علی زرداری ہاتھ جوڑ کر لوگوں کو باہر رہنے کی اپیل کی۔ میت کے ساتھ پیپلز پارٹی کے رہنما مخدوم امین فہیم، راجہ پرویز اشرف، شیریں رحمان اور دیگر شامل تھے۔ بینظیر بھٹو کو گڑھی خدا بخش میں ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں دائیں جانب دفن کیا گیا۔

بینظیر بھٹو کی میت جب ہسپتال سے باہر لائی گئی تو سینکڑوں کی تعداد میں غصے سے بھرے پیپلز پارٹی کے کارکن دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے اور صدر پرویز مشرف کے خلاف نعرے بازی کر کے اپنے غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ ہسپتال کے ایک اہلکار نے بی بی سی کو بتایا کہ بینظیر بھٹو

کو جب ہسپتال لایا گیا تو وہ دم توڑ چکی تھیں۔ پروفیسر مصدق خان نے کہا کہ اوپن ہارٹ مساج کے ذریعے انہیں دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ ڈاکٹروں نے یہ بھی بتایا کہ ایک گولی ان کی شہ رگ میں لگ کر سر سے نکلی ہے، جس سے دماغ کا پچھلا حصہ اڑ گیا، تاہم ڈاکٹروں کی ایک اور رائے یہ بھی ہے کہ یہ زخم دو الگ الگ گولیوں کی وجہ سے آئے۔ دھماکے کے چند عینی شاہدوں نے بی بی سی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ حملہ آور ایک نوجوان شخص تھا جو ایک گاڑی سے اتر کر بینظیر بھٹو کی گاڑی کے قریب آیا اور ان پر فائر کھول دیا، جب اسے پکڑنے کی کوشش کی گئی تو اس نے اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا دیا۔

جب قبر تیار کی جارہی تھی:

28 دسمبر: گڑھی خدا بخش میں ابھی اندھیرا چھایا ہوا تھا، لوگ ابھی سڑکوں پر نکلنے شروع ہی ہوئے تھے مگر قبرستان میں ایک اور بھٹو کی لحد تیار کی جارہی تھی، گڑھی خدا بخش کے لوگوں سے جب بی بی سی کے نمائندہ کی بات ہوئی تو انہوں نے راولپنڈی کے حاکموں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہنے لگے پہلے بھی ہمیں راولپنڈی سے بڑے بھٹو صاحب کی لاش ملی تھی اب دوسری لاش بھی راولپنڈی سے بھیجی گئی ہے۔ بینظیر بھٹو کی لحد تیار کرنے کا کام کرنے والوں کے انچارج محمد علی شاہ نے کہا: ''پاکستان کو بچانے کیلئے ہم نوڈیرو کے کسی بھٹو کو راولپنڈی روانہ کرتے ہیں تو وہ لوگ ہمیں ان کی لاش واپس کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا: کتنے بھٹوؤں کی لاشیں ہم وصول کرتے رہیں گے''۔

گڑھی خدا بخش میں بھٹو کے بڑے، بزرگوں کا کہنا تھا کہ انہیں وہ اندھیری رات بھی یاد ہے جب چار اپریل کو ذوالفقار علی بھٹو کی لاش فوجی پہرے میں دفنائی گئی تھی اور مقامی لوگوں کو نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی، ایک بزرگ نور محمد نے بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی میت پہنچنے پر پورا علاقہ فوج کی تحویل میں تھا اور شناخت کے بعد گاؤں کے چند افراد کو نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

کیا یہ القاعدہ کی کارروائی تھی؟

پاکستان پیپلز پارٹی نے القاعدہ کی جانب سے مبینہ طور پر بینظیر بھٹو پر حملے کی ذمے

داری قبول کرنے والی اطلاعات کو مسترد کر دیا ہے۔ پارٹی کا کہنا ہے کہ اس طرح کی باتیں ممکن ہے اس لئے کہی جا رہی ہوں تا کہ اصل چہروں کو چھپایا جا سکے۔ پی پی پی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے بتایا کہ اٹھارہ اکتوبر کو کراچی میں ہونیوالے بم دھماکے کے بعد ابھی اسی طرح کا ایک بیان جاری ہوا تھا اور قبائلی علاقے کے ایک گروہ کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ اس نے ذمہ داری قبول کی ہے لیکن اگلے ہی روز اسی گروہ نے اس کی تردید کر دی تھی، انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے یہ بھی غلط بیان دیا گیا ہو، جو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ القاعدہ یا طالبان کی جانب سے حملہ ہے۔

افغانستان میں القاعدہ کے کمانڈر مصطفیٰ ابو یزید نے پاکستان کے صحافی سید سلیم شہزاد کو ٹیلیفون کر کے یہ ذمے داری قبول کی ہے۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے سلیم شہزاد نے بتایا کہ حملے کے فوری بعد ترجمان نے نامعلوم مقام سے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے کہا کہ: ''ہم نے بینظیر بھٹو کو مار دیا ہے''۔ انہوں نے بتایا کہ ترجمان کا کہنا تھا کہ ''ہم نے امریکہ کے قیمتی اثاثے کو ختم کر دیا ہے جو یہاں امریکہ کی جنگ لڑنے آئی تھیں۔''

مصری مصطفیٰ ابو یزید سابق بینکر ہیں جو القاعدہ کے دوسرے بڑے رہنما ایمن الظواہری کے قریبی سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں افغانستان میں القاعدہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔

بینظیر بھٹو کی شہادت اور بھارتی اخبارات:

28 دسمبر کو بھارتی اخبارات کے صفحہ اول سے لیکر آخری صفحات تک ہر طرف بینظیر چھائی نظر آئیں۔ گزشتہ تین ماہ میں یہ دوسری بار ہے جب ہندوستانی اخبارات میں ہر طرف بینظیر بھٹو دکھائی دے رہی تھیں، ایک بار وہ جب اخبارات میں چھائی رہیں جب وہ نو برس کی جلاوطنی کے بعد واپس پاکستان پہنچی تھیں اور ایک بار اب جب وہ اس دنیا میں نہیں رہی ہیں۔ انگریزی روزنامہ ''انڈین ایکسپریس'' نے بینظیر بھٹو کے قتل کو پاکستان میں 8 جنوری کو ہونیوالے عام انتخابات کیلئے بڑا جھٹکا بتایا ہے۔ اخبار نے لکھا کہ نواز شریف کی طرح بینظیر میں سیاست کا جنون تھا۔ امریکہ اور بعض اندرونی طاقتور لیڈروں کے کہنے پر وہ پاکستان واپس آئیں اور اپنی پارٹی کو زندگی بخشنے کے چکر میں خود ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

انڈین ایکسپریس میں بینظیر بھٹو کے اوکسفورڈ یونیورسٹی میں ان کے ہم جماعت شیام

www.bhutto.org

بھاٹیہ نے او کسفورڈ کے دنوں اور بی بی کے ساتھ اپنی دوستی کو یاد کرتے ہوئے لکھا ہے: "بینظیر بھٹو اپنے دوستوں کے تئیں وفادار، سیکولر اور کھلے دماغ کی شاندار خاتون تھیں"۔ اخبار "دا ایشین ایج" نے بینظیر بھٹو کی راولپنڈی کی تقریر کے بعد لی گئی ان کی آخری تصویر کو شائع کیا اور لکھا کہ آ ہوپ از لوسٹ یعنی پاکستان میں جمہوریت کی امید کی کرن کھو گئی اخبار نے لکھا ہے کہ بینظیر بھٹو مسلم دنیا کی ایسی خاتون سیاستدان تھیں جو پیدا ہی ایک جمہوری نظریے کے ساتھ ہوئی تھیں بھارت کے گئی اخبارات نے بینظیر بھٹو کی موت کو مسلم ممالک کی سیاست میں خواتین کی موت قرار دیا ہے۔ اخبار "دا ٹائمز آف انڈیا" کی شہ سرخی کہتی ہے ریٹرنڈ، اونلی ٹو بی کلڈ، یعنی بینظیر بھٹو کا پاکستان میں واپس آنا موت کو دعوت دینا تھا۔ اخبار نے کہا ہے کہ عالمی سیاست میں بھٹو، گاندھی اور کینیڈی خاندان کی ایک جیسی تاریخ رہی ہے۔ گاندھی خاندان کی طرح بھٹو خاندان نے بھی اپنے نظریئے اور سیاست کو زندہ رکھنے کیلئے اپنی جان کی بازی لگائی ہے۔

بھارت کے تمام اخبارات اور ٹی وی چینلز میں تجزیہ کاروں نے بینظیر بھٹو کی موت کو بھٹو خاندان اور اس کے نظریے کی موت بتائی ہے۔ ہر طرف ایک ہی سوال پوچھا جا رہا ہے کہ بینظیر بھٹو کے بعد پی پی پی میں جان کون ڈالے گا، کیا پی پی پی کو بینظیر بھٹو اور ان کے والد جیسا وارث جلدی مل پائے گا؟ اخبار "دا ٹائمز آف انڈیا" نے لکھا کہ بینظیر کی موت کے بعد یہ بات صاف ہے کہ پاکستان میں شدت پسند ایک حد سے زیادہ مضبوط ہو چکے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بھارت کی سیکیورٹی پر بھی اثرات مرتب ہوں۔ اخبار "دا پائنیئر" نے بینظیر بھٹو کو ایک فائٹر بتایا ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ بینظیر بھٹو نے پاکستان میں اپنی پارٹی کو زندگی بخشنے اور جمہوریت کے عمل کے نفاذ کیلئے آخری وقت تک اپنی لڑائی جاری رکھی، ہندوستان اور پاکستان کے سیاسی رشتوں پر گہری نظر رکھنے والے بھارتی تجزیہ کار سعید نقوی نے ایک نجی ٹی وی چینل میں کہا کہ بینظیر بھٹو کو سیاست کا جنون تھا، سیاست کے گر انہوں نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو سے سیکھے تھے لیکن ان میں ایک سیاستدان کی چالاکیاں نہیں تھیں اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے امریکہ کے ساتھ اپنے رشتوں کو نہیں چھپایا اور وہی آخر ان کی موت کا سبب بنے۔ تجزیہ کار کرن تھاپر نے ایک تحریر میں کہا کہ بینظیر بھٹو ایک زندہ دل خاتون تھیں جن کے تین رول ماڈل تھے: خود ان کے والد ذوالفقار علی

www.bhutto.org

بھٹو، بھارت کی سابق وزیراعظم اندرا گاندھی اور جان آف آرک اردو اخبار ''ہندوستان ایکسپریس'' نے لکھا ہے: ''بینظیر بھٹو آخر کار تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ ایک ایسی تاریخ کا حصہ جہاں امن، سکون اور اطمینان کیلئے شاید کوئی جگہ نہیں ہے۔ بعض اخبارات نے بینظیر بھٹو کی موت کو پاکستان کی تاریخ میں سیاست کا سب سے بڑا قتل قرار دیا ہے تو کسی نے جمہوریت کا قتل تو کسی نے انہیں جمہوریت کی بیٹی بتایا ہے۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا کہ پاکستان ایک ایسے دور سے گزر رہا ہے کہ جہاں ایک آمر کے دور میں ''وائس آف ڈیسنٹ'' یعنی مخالف کی بلند آواز ویسے ہی کانوں میں کم سنائی پڑتی ہے اور اگر یہ آواز ایک خاتون کی ہو تو ممکن۔ لیکن بینظیر بھٹو نہ صرف سیاسی مخالفت کی آواز تھیں بلکہ پاکستان اور مسلم سماج میں وہ ایک واحد خاتون آواز تھیں جسے ''شدت پسندوں'' نے ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا ہے۔

www.bhutto.org

خودکش حملہ آور اور فائرنگ نے وفاق پاکستان کی علامت

محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کر ڈالا

تحریر قیصر شاہد

باپ کو پھانسی کے تختے پر کھینچ کر زندگی سے محروم کیا گیا اور بیٹی کو گولیاں مار کر قیمتی زندگی چھین لی گئی۔ باپ بیٹی، دونوں کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی۔

باپ بھی وزیراعظم تھا اور بیٹی بھی، لیکن بلند قامت صاحبزادی اپنے والد گرامی سے چند قدم آگے تھیں کہ دو بار مملکت خداداد کی وزیراعظم بنیں۔

عالمی شہرت یافتہ مدبر اور سابق وزیراعظم نے اپنے وطن کو ایٹمی پروگرام کا تحفہ دیا اور بلند مرتبت وزیراعظم بیٹی نے اپنے وطن کو جدید میزائل پروگرام کا تحفہ دے کر اس وطن کا تحفظ کرنے میں اپنی سی خدمت کی، جس کی مٹی میں اس نے جنم لیا تھا۔

یہ کیسا المیہ ہے کہ دونوں باپ بیٹی نے ایک ہی شہر میں جان جان آفریں کے سپرد کی!

باپ 51 سال جیا اور بیٹی نے زندگی کے 54 برس اس طرح گزارے کہ ابتدائی 24 برس چھوڑ کر آخری 30 برس مسلسل جدوجہد اور مسائل میں گزارے۔

www.bhutto.org

انکل سام امریکہ کے نامور سیاسی خاندان، کینیڈی نے سیاست واقتدار میں تین بیٹے نذر کیے اور چوتھے بیٹے ایڈورڈ کینیڈی نے ہمیشہ کے لیے امریکی کی صدارت کے خواب دیکھنا چھوڑ دیا، لیکن پاکستان کے بھٹو خاندان کو غیر جمہوری اور غیر مرئی قوتوں نے تین افراد (زیڈ اے بھٹو، مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو) کو شہید کیا، لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو کینیڈی خاندان سے زیادہ بہادر ثابت ہوئیں۔ یوں کہ وہ غموں اور دکھوں کی ردا اوڑھنے کے باوجود مردانہ وار آگے بڑھتی رہیں، للکارتی رہیں اور کامیابیاں حاصل کرتی رہیں۔ بھٹو خاندان نے اپنے چار اہم ترین افراد جمہوریت کی شمع کو فروزاں کیے رکھنے میں قربان کیے ہیں۔ یہ ایسی قربانی اور ملک کی خدمت ہے، جس کا اعزاز پاکستان کے کسی بھی دوسرے سیاسی خاندان کا نصیب نہیں بن سکا ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے والد گرامی 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق کے دور میں زندگی کے آخری راستے پر اس طرح روانہ ہوئے کہ ان کی گردن پر پھانسی کے پھندے کے نشان تھے اور ان کی عالمی شہرت یافتہ بیٹی جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور اقتدار میں 27 دسمبر 2007ء کی شام 6:00 بج کر 16 منٹ پر زندگی کے آخری سفر پر اس طرح روانہ کی گئیں کہ ان کی گردن اور پیشانی پر گولیوں کے نشان اور دل ودماغ پر باپ اور بھائیوں کے قتل کے داغوں کے علاوہ ایک ایسی ماں کا بوجھ تھا، جو مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد ایک چلتی پھرتی لاش بن چکی ہے۔

بھٹو خاندان مسلسل المیوں اور آلام کے طوفانوں سے گزرتا رہا ہے، لیکن 27 دسمبر کی شام جو جھکڑ چلا اس نے ملک کو جڑوں تک ہلا دیا ہے۔ بھٹو خاندان کے افراد غیر فطری اموات کا شکار ہوئے۔

15 جولائی 1969ء کو ذوالفقار علی بھٹو پر سانگھڑ میں، جبکہ ملک میں ایک فوجی جرنیل کی حکومت تھی، حملہ ہوا تو بھٹو صاحب نے کہا تھا Bhuttos die young اور پھر انہوں نے مزید کہا تھا اس حقیقت کے باوجود میں انشاءاللہ تاریخ پاکستان میں اپنا کردار ادا کر کے جاؤں گا۔"

ذوالفقار علی بھٹو کی زبان سے نکلنے والے یہ الفاظ تاریخ ساز ثابت ہوئے۔ وہ جب جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار میں پھانسی پر لٹکائے گئے تو بھٹو صاحب کی عمر صرف 51 سال 2 ماہ

29 دن تھی۔ بھٹو کو ایک غیر جمہوری دور اور ایک جمہوریت دشمن حکمران کے دور میں جس طرح راستے سے ہٹایا گیا، اس نے بھٹو کی سزائے موت کو نہ صرف ہمیشہ کے لیے متنازعہ بنا دیا بلکہ ان کی بے وقت موت نے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک ایسی خلیج کو جنم دیا جو آج تک پاٹی نہیں جا سکی۔ بھٹو خاندان گزشتہ 30 برس سے مسلسل مسائل اور مصائب و آلام کا شکار ہے۔ اس خاندان نے اتنی خوشیاں نہیں دیکھی ہوں گی جتنے دکھ اور غم اسے دیکھنا نصیب ہوئے ہیں۔ زیڈ اے بھٹو کی بے وقت اور غیر فطری موت کے بعد ان کے دونوں صاحبزادگان کو جلاوطنی کی زندگی کے عذاب سے گزرنا پڑا اور ان کی بڑی صاحبزادی محترمہ بینظیر بھٹو اور اہلیہ محترمہ نصرت بھٹو کو قید و بند اور جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ وہ بیمار بھی تھیں پھر بھی ضیاء الحق نے انہیں قید کی سزا دیے رکھی۔ بھٹو ابھی کال کوٹھری میں ہی تھے کہ ان کی اہلیہ اور سابق خاتون اول محترمہ نصرت بھٹو کا لاہور میں پولیس نے سر پھاڑ دیا تھا۔ نصرت بھٹو کا خون آلود چہرہ آج بھی لاتعداد لوگوں کو یاد ہے۔

بھٹو مرحوم کی آل اولاد پہ تشدد، زیادتیاں اور صعوبتیں برداشت کرتی رہی لیکن اس نے جمہوریت کی آواز بلند کرنا اور غیر جمہوری حکمرانوں کے خلاف پرچم بلند کرنا نہ چھوڑا لیکن نصرت بھٹو، بینظیر بھٹو، مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو شاید نہیں جانتے تھے کہ ان کے باپ کا خاتمہ کرنے والی قوتیں مسلسل ان کے تعاقب میں بھی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں فرانس کے شہر کینز (Canes) میں جب شاہنواز بھٹو کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تو یہ موت پراسرار ہونے کے باوجود زبانِ حال سے بہت کچھ عیاں کر رہی تھیں۔ شاہنواز کو جب قتل کیا گیا تو بھٹو مرحوم کے اس سب سے چھوٹے صاحبزادے کی عمر محض 27 سال تھی۔ نوجوان شاہنواز بھٹو کا قتل محترمہ بینظیر بھٹو اور ان کی والدہ محترمہ کے لیے صدمہ جانکاہ تھا جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور نصرت بھٹو وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئیں۔ بھٹو خاندان کو تیسرا بڑا صدمہ اس وقت سہنا پڑا جب 1996ء میں کراچی کی ایک معروف شاہراہ پر مرتضیٰ بھٹو کو قتل کر دیا گیا۔ وہ اس وقت رکن اسمبلی بھی تھے اور ایک وزیراعظم بہن کے بھائی بھی تھے لیکن ان کے تعاقب میں لگی قوتوں نے اس سب کے باوجود نہایت چالاکی اور مشاقی سے مرتضیٰ بھٹو کو مار ڈالا اور محترمہ بینظیر سکتے میں آ گئیں۔ جس وقت مرتضیٰ بھٹو کو قتل کیا گیا، اس وقت ان کی عمر 45 سال تھی یعنی انہوں نے

50 سال بھی عمر نہ پائی۔ ان کے قتل کا سانحہ اسرار کی اتنی تہوں میں گم ہو چکا ہے کہ آج تک قاتلوں کا سراغ نہیں لگایا جاسکا۔ اس پولیس افسر کو بھی مار ڈالا گیا جو مرتضیٰ بھٹو پر فائرنگ میں مبینہ طور پر ملوث تھا۔ مرتضیٰ بھٹو کو مارنے والوں نے نہایت چالاکی سے بینظیر بھٹو اور مرتضیٰ کے بچوں کے درمیان غلط فہمیوں اور ناپسندیدگی کی دیوار کھڑی کردی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مرتضیٰ بھٹو کی صاحبزادی فاطمہ بھٹو کھلم کھلا اپنے انٹرویوز اور کالموں میں اپنی پھوپھی بینظیر بھٹو پر الزامات کی بارش کرتی رہی ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کے خاندان کے بارے میں یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے قربانیوں کی لازوال داستانیں رقم کی ہیں اور جمہوریت کی جدوجہد میں مرکزی اور ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو راستے سے ہٹانے اور بینظیر بھٹو کے ملک سے چلے جانے سے یہ فرض کرلیا تھا کہ اب بھٹو مرحوم کی پارٹی ''پاکستان پیپلز پارٹی'' کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن جب محترمہ بینظیر بھٹو محمد خان جونیجو کی وزارت عظمیٰ اور جنرل ضیاء الحق کی صدارت کے دور میں فاتحانہ انداز میں لاہور میں اتریں تو کل عالم نے دیکھا کہ بھٹو مرحوم کا جادو ابھی مدہم نہیں پڑا ہے اور ان کے چاہنے والے بھٹو مرحوم کی شخصیت، آدرشوں، نعروں اور پیغامات کو محترمہ بینظیر بھٹو کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے آزو بازو میں بسنے والے لوگ اگرچہ بینظیر کے خلاف نعرہ زن رہے اور ان کی نہایت بھونڈے انداز میں بے بنیاد کردار کشی بھی کرتے رہے لیکن بینظیر بھٹو ان سب سے بے نیاز ہو کر اور جمہوریت کی شمع تھامے مسلسل آگے بڑھتی رہیں۔ بھٹو مرحوم کی پارٹی اور بینظیر بھٹو صاحبہ کی مقبولیت کا جادو اور بھی واضح اس وقت ہوا جب جنرل ضیاء الحق کے اقتدار اور زندگی سے رخصت ہونے کے بعد 1988ء میں انتخابات کا رن پڑا تو محترمہ بینظیر بھٹو جیت سے ہمکنار ہو کر وزیراعظم بن گئیں۔ یہ کامیابی اور اصل بھٹو مرحوم کے آدرشوں کی کامیابی اور آرزوؤں کے برآنے کا نام تھا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کو یہ منفرد اور بے مثل اعزاز نصیب ہوا کہ وہ عالم اسلام کی پہلی منتخب وزیراعظم تھیں۔ وہ روشن خیال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ سیاست کا ڈھنگ انہوں نے اپنے والد گرامی سے سیکھا۔ والد گرامی زیڈ اے بھٹو بھی ان کی اسی لیے اسی انداز میں تربیت کرتے رہے کہ

www.bhutto.org

انہیں مستقبل میں پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنا ہے۔ وہ اکثر غیر ملکی دوروں میں انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ عالمی لیڈروں سے ان کی ملاقات کے دوران بینی کا تعارف بھی ہو جائے اور وہ عالمی امور کے داؤ پیچ سے بھی آگاہ ہو سکیں۔ بھٹو صاحب جب شملہ معاہدہ جس کے تحت افواج پاکستان کے 90 ہزار جنگی قیدی رہا ہوئے، کروانے بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی سے ملنے گئے تو محترمہ بینظیر بھٹو ہر حساس میٹنگ میں اپنے باپ کے ساتھ ساتھ تھیں، محترمہ بے نظیر بھٹو کو بڑے چاؤ سے ان کے والد گرامی نے دنیا کی دو اعلیٰ ترین درسگاہوں میں تعلیم دلوائی۔ برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے انہوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی اور وہاں کی طلباء یونین کی وہ صدر بھی منتخب ہوئیں۔ یہ اعزاز پہلی بار بینظیر بھٹو کی شکل میں کسی ایشیائی طالبعلم کے حصے میں آیا تھا۔ اعلیٰ مغربی درسگاہوں سے محترمہ بینظیر بھٹو نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وزیراعظم باپ سے حکومت کرنے کے اسرار و رموز سیکھے۔ علم اور تجربہ ان کے ہم رکاب تھا جس نے انہیں دنیا کے بہترین اور قابل رشک مدبرین کی صفوں میں شامل کر دیا تھا۔ وہ 1988ء میں پہلی بار وزیراعظم بنیں تو ایک زمانے نے ان پر رشک کیا۔ ان کے بعد اگرچہ ترکی میں تانسو چیلر اور بنگلہ دیش میں حسینہ واجد اور بیگم خالدہ ضیاء بھی مسلمان ممالک کی وزیراعظم بنیں تھیں لیکن ان تینوں میں سے کوئی خاتون محترمہ بینظیر بھٹو سے یہ منفرد اعزاز چھین نہ سکی۔

محترمہ بینظیر بھٹو کے پہلی بار وزیراعظم بننے سے ملک میں مذہبی قوتوں اور جماعتوں نے ان کے خلاف پراپیگنڈے کا طومار باندھا لیکن وہ مسلسل آگے بڑھتی رہیں۔ ان کی وجہ سے دنیا بھر میں پاکستان کا معتدل روشن خیال سامنے آیا۔ تقریباً 3 سال بعد صدر غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا لیکن اگلے 3 سال بعد 1993ء میں وہ دوبارہ وزیراعظم بن گئیں۔ 1993ء سے لے کر 1996ء تک ان کو پونے تین سالہ اقتدار ان کے پہلے اقتدار سے کہیں زیادہ بہتر، باوقار اور یادگار رہا۔ وہ ابھی مزید کارہائے نمایاں انجام دینا چاہتی تھیں کہ صدر فاروق لغاری جنہیں خود محترمہ بینظیر بھٹو نے صدر بنایا تھا، نے ان کا اقتدار ختم کر دیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کا شاندار سیاسی کردار اور ملک کے لیے ان کی خدمات کو جریدہ عالم سے محو نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ نواز شریف کی وزارت اعظمیٰ کے دور میں جلاوطن ہو گئی تھیں لیکن اب

www.bhutto.org

ایک طویل عرصہ بعد 18 اکتوبر 2007ء کو وطن عزیز تشریف لے آئی تھیں۔ ان کے وطن آنے سے قبل انہیں بعض اطراف سے دھمکیاں دی گئیں کہ ان پر خودکش حملہ کیا جائے گا لیکن محترمہ بینظیر بھٹو ان دھمکیوں کی پرواہ کیے بغیر 18 اکتوبر کو کراچی اتر گئیں۔ جس روز وہ شہر قائداعظمؒ میں آئیں۔ اسی شب ان پر کراچی میں قاتلانہ حملہ کیا گیا جس میں 150 سے زائد لوگ جاں بحق ہوئے لیکن محترمہ محفوظ رہیں۔ اس حملے کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ خودکش حملہ تھا لیکن محترمہ بینظیر بھٹو بار بار حکومت کے بعض اہم انٹیلی جنس افسروں کی جانب انگشت نما کرتی تھیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو کو مسلسل دھمکیاں کو ملیں، اتنی دھمکیاں انتخاب کی مہمات میں شریک کسی دوسرے سیاستدان کو نہ ملیں۔ اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ وہ مخصوص قوتیں جنہوں نے زیڈ اے بھٹو، میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو قتل کیا تھا، اب وہی قوتیں محترمہ بینظیر بھٹو کو بھی قتل کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن بینظیر صاحبہ ان سے بے نیاز ہو کر مردانہ وار انتخابی مہمات میں شریک ہو رہی تھیں۔ اس دوران ان کے ایک سکیورٹی مشیر رحمٰن ملک نے 25 دسمبر کو یہ بیان ریکارڈ کرایا تھا کہ حکومت پاکستان نے بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کو یقینی بنانے کے لیے جو سکیورٹی آلات فراہم کیے تھے۔ وہ ناکارہ اور فرسودہ تھے۔

ان شکایتوں کے باوجود محترمہ بینظیر بھٹو اپنے قافلے کو آگے ہی آگے بڑھاتی رہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ روز 26 دسمبر 2007ء کو جب محترمہ بینظیر بھٹو پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کر رہی تھیں۔ ان کے عقب میں ایک دھماکہ ہوا۔ یہ دراصل بینظیر بھٹو پر دوسرا قاتلانہ حملہ تھا لیکن وہ پھر بھی محفوظ رہیں۔ وہ اپنے دائیں بازو بند تھے۔ امام ضامن کے سہارے منزلوں پر منزلیں مارتی آگے بڑھتی رہیں۔ 27 دسمبر کو محترمہ بینظیر بھٹو راولپنڈی کے مشہور لیاقت باغ میں جلسہ عام سے خطاب کرنے آئیں۔ جوش و خروش میں بھرے پی پی پی کے کارکنوں نے انہیں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہا۔ سورج ڈوب چکا تھا اور شام کا اندھیرا دھیرے دھیرے راولپنڈی پر اتر رہا تھا۔ محترمہ بینظیر بھٹو جو زبردست مقرر تھیں۔ جلسہ عام سے خطاب کرنے سٹیج پر آئیں۔ تقریر کے خاتمے پر ان کے منہ سے "جیئے بھٹو" کے الفاظ نکلے تھے کہ کانوں کے پردے پھاڑنے والا ایک دھماکہ ہوا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ یہ خودکش حملہ تھا یا ٹائم بم،

کسی کو کچھ معلوم نہیں لیکن اس دھماکے نے محترمہ بینظیر بھٹو کی ... رگیں بند کر دیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کی موت کی تصدیق ہو گئی۔ خودکش دھماکہ اور فائرنگ ... ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اس وقت شام کے 6 بج کر 16 منٹ ہو رہے تھے، جب ... کی روح نے ان کے بدن کو الوداع کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

پاکستان کی دوبار وزیر اعظم بننے والی محترمہ بینظیر بھٹو اس دنیا میں تقریباً 54 برس گزارنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور جنت فردوس کے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ جس جگہ ان کی شہادت ہوئی ہے، اسی جگہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کو شہید کیا گیا تھا اور بینظیر بھٹو کو شہید کیا گیا ہے اس سے محض 2 کلومیٹر کے فاصلے پر وہ جیل تھی جہاں ان کے والد گرامی اور منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر کھینچا گیا۔ والد بھی شہید بیٹی بھی شہید۔ لیاقت علی خان کے قاتل نہیں پکڑے گئے، مرتضیٰ بھٹو کے قاتل ہنوز روپوش ہیں، اب بینظیر بھی ماردالی گئی ہیں۔ ان کے قاتلوں کو کون بے نقاب کرے گا؟ ان کے تینوں بچے (بلاول، آصفہ اور بختاور) اپنی بینظیر ماں بینظیر بھٹو سے پلک جھپکتے میں محروم کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کون ظالم ہیں جنہوں نے یہ سفاک اور بہیمانہ اقدام کیا ہے؟ محترمہ بینظیر بھٹو شدت پسندی کے سخت خلاف تھیں اور گزشتہ کئی برس سے اس عفریت کی تباہ کاریوں کے بارے میں بیانات دیتی آرہی تھیں۔ ملک کا شدت پسند طبقہ اور القاعدہ کے ارکان اور وابستگان ان کے دشمن خیال کیے جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ محترمہ بینظیر بھٹو پاکستان کی واحد سیاستدان تھیں جو ملک بھر میں مقبول تھیں۔ ان کے بارے میں یہ جو کہا جاتا تھا" چاروں صوبوں کی زنجیر، بینظیر بینظیر" تو یہ محض پی پی پی کا نعرہ ہی نہیں تھا، حقیقت کا عکاس بھی تھا۔ اسے اتفاق ہی کہا جائے گا کہ محترمہ بینظیر بھٹو کو بھی پنجاب ہی میں شہید کیا گیا اور ان کے والد کو بھی پنجاب ہی کے اسی شہر میں پھانسی دی گئی تھی۔

28 دسمبر 2007ء بروز جمعہ، جب دوپہر کے سائے ڈھل کر لمبے ہو رہے تھے، شہید بے نظیر بھٹو کو گڑھی خدا بخش میں اپنے شہید والد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ جس میدان میں ادا کی گئی، وہ 165 ایکڑ پر محیط ہے، لیکن پھر بھی شرکت کنندگان کے وجود سے تنگ پڑ

گیا اور یوں ختم ہوئی ایک ایسی زندگی جس نے زندگی کے 54 برس بہادری اور دلاوری سے گزارے اور کبھی آمروں، خواہ ان کا تعلق مذہبی آمروں سے تھا اور خواہ اقتداری آمروں سے، کے سامنے سر نہ جھکایا۔ غیور بے نظیر بھٹو، جنہوں نے شہادت کا تاج پہن لیا، کے والد گرامی کی موت پر پنجابی زبان کی معروف شاعرہ نسرین انجم بھٹی نے بھٹو کی ذات کو مرکز بنا کر کہا تھا:

میں ساگر مرزا سندھ دا
میری راول جنج چڑھی

اور اب محترمہ بینظیر بھٹو کی المناک شہادت کے موقع پر براورم پروفیسر فیض رسول فیضان نے کہا ہے:

بھٹو کی بیٹی قتل ہوئی سینہ تان کر
تا کوئی یہ نہ سمجھے کہ مرنے سے ڈر گئی

پاکستان (ہفت روزہ زندگی)
30 دسمبر 2007ء تا 7 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بڑی موت اور چھوٹے لوگ

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی

نجانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ اگر شہید بے نظیر بھٹو کے قتل کا سراغ مل گیا تو ہمارے ہاتھ میں وہ چراغ آجائے گا کہ پھر پچھلے ساری قتلوں کا پتہ چل جائے گا۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے قتل ہوئے۔ مگر قاتل کا پتہ نہیں ملا۔ شاید قاتل بھی ہم خود ہیں اور مقتول بھی ہم خود ہیں۔ ظلم اسی طرح بڑھتا رہا تو ظالم اور مظلوم کا فرق مٹ جائے گا۔ ظالم اور مظلوم لازم و ملزوم بن کے رہ جائیں گے۔ بھٹو خاندان مقتول خاندان کون ہے۔ بڑے بڑے قتل ہوئے مگر ہمارے ملک میں شہید بے نظیر بھٹو کا قتل سب سے بڑا قتل ہے اس قتل سے پورے ملک میں پوری دنیا میں ایک غمگساری ہے سوگواری ہے کہ بکھرتی ہی جاتی ہے۔ اک پاگل پن کا عالم ہے۔ ہم پاگل ہو گئے ہیں۔ شاید نیم پاگل ہو گئے ہیں نیم پاگل بہر حال پاگل سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ ہم نہ زندہ ہیں نہ مردہ ہیں۔ ہم نیم مردہ ہیں اور ادھوری زندگی میں شرمندگی گزار رہے ہیں۔ زندگی، شرمندگی اور درندگی میں کوئی فرق نہیں رہا۔ بندہ تو زکام سے بھی مر جاتا ہے۔ ایسی موت کا تصور ضرور کیا ہوگا بے نظیر بھٹو نے۔ ایک آدمی تھا جو ہر نماز کے بعد دعا مانگتا تھا۔ اے اللہ مجھے سونی موت دینا۔ تب میں سوچتا تھا کہ

www.bhutto.org

سوہنی موت کیسی ہوتی ہے۔ بے نظیر بھٹو کیلئے اس کے مخالفین کو روتے ہوئے دیکھا تو یہ جانا کہ یہ ہوتی ہے سوہنی موت۔!! ہمارے چاروں طرف بدصورت زندگی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور بدشکل موت ہمیں ڈراتی ہے۔ زندگی دوست تھی تو موت بھی دوست تھی۔ کس نے دونوں کو دشمن بنایا ایک دوسرے کا بھی دشمن، بنا دیا۔ پہلے لوگ موت سے نہیں ڈرتے تھے اب زندگی سے بھی ڈرتے ہیں۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آئد تبسم برلب اوست

(ترجمہ:...... میں تمہیں بتاؤں ایمان والے کی نشانی۔ کہ جب موت آئے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے) ہونٹوں پر مسکراہٹ تو دوست کے آنے سے آتی ہے دشمن کو دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ موت رومانٹک چیز بھی ہے۔ کبھی کبھی یوں آتی ہے جیسے آدھی رات کے بعد اکیلئے آسمانوں پر کوئی سب سے زیادہ چمکنے والا ستارہ ٹوٹتا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ موت میری محبوبہ ہے۔ اس محبت میں خانوادہ رسول ﷺ نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ قربانی کی یہ کہانی اب تک پرانی نہیں ہوئی۔ اس کہانی میں مرد ہی مرد ہیں۔ شہید بے نظیر بھٹو نیا عنوان ہے۔ موت کی آنکھوں میں جانے سے پہلے بے نظیر بھٹو نے بہت خوبصورت پھولوں کا ہار پہن رکھا تھا۔ سرخ گلاب جیسی محترم خاتون نے سرخ گلاب پہن رکھے تھے۔ پھر اس کے بعد اس کے وجود پر اس کے اپنے لہو کے پھول کھل اُٹھے تو وہ زیادہ سرخ تھے۔ ایسے سرخ کہ کوئی سرخی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

قائداعظم کی موت بھی غیر طبعی تھی۔ پاکستان بنا کر اس طرح مرنے والا تو وہ نہ تھا۔ کوہسار صفت انسان چٹان کی طرح ثابت قدم۔ زندگی بھی اس سے پوچھ کے گزر رہی تھی۔ موت کسی چور دروازے سے نہ آتی تو وہ اُسے اپنے وجود کے کمرے میں آنے کی اجازت بھی نہ دیتا۔ اس موت نے تو اس کے دل کے دروازے پر دستک نہ دی تھی۔ کہاں سے آئی یہ دشمن موت اور کہاں چلی گئی۔ ہم اسے کہاں ڈھونڈیں۔ موت کو زندگی کا چراغ لیکر ڈھونڈا جا سکتا ہے مگر ہمارے پاس زندگی بھی نہیں۔ ہم آج تک کہتے ہیں کہ اسے اتنی مہلت ہی ملتی کہ وہ آئین بنوا کے

www.bhutto.org

دے جاتا تو اسے کوئی جنرل ایوب، جنرل یحییٰ، جنرل پرویز نہ توڑ سکتا۔ جنرل یحییٰ نے تو ملک ہی توڑ دیا جیسے کوئی آئینہ دیوار پہ دے مارتا ہے مگر ٹوٹے ہوئے آئینے کی ہر کرچی آئینہ بن جاتی ہے۔ جرنیل اس آئینے میں اپنا چہرہ ہی نہیں دیکھتے۔ ان کے خیال میں آئین اور آئینہ ایک ہی چیز ہے۔ پھر انہوں نے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو قتل کروا دیا۔ اب تک پتہ نہیں چلا کہ کیوں ہوا۔ اس کے بعد قتل ہوتے رہے۔ حیرت ہے کہ یہ سارے سویلین تھے۔ اتنا پتہ ہے کہ یہ لوگ انٹی امریکہ تھے۔ انٹی امریکہ لوگ بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ قتل ہونا ایک اعزاز ہے۔ اے متنازعہ بنا کے اس اعزاز کا راز چھین لیا جاتا ہے قتل جس نے بھی کرائے، کہتے تو خود ہم نے اور ان کا ثبوت مٹا دیا۔ ایک متنازعہ ایف آئی آر کی بنیاد پر ہم نے ایک بڑے لیڈر کو پھانسی دے دی جسے عدالتی قتل کہا جاتا ہے۔ اس طرح کے قتل سے فائدہ کس کو ہوا نقصان کس کا ہوا۔ جسے پتہ چلا تو پھر اس کا پتہ کسی کو نہ چلا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ پاکستان میں عالم اسلام میں جتنے قتل ہوئے ان کا قتل ایک ہی ہے ماسٹر مائنڈ ایک ہے۔ شہ دماغ ایک ہے اور اس کے پاس دل نہیں۔ کسی بڑی عورت کا قتل ایک ماں کا قتل ہے۔ مامتا عورت کا وصف ہے مامتا اس کے خمیر ضمیر میں ہے۔ بے نظیر بھٹو کو اپنے لیے بہن کا لفظ پسند تھا۔ بہن بھی ماں کی طرح ہوتی ہے۔ وہ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کی بھی بہن تھی۔ قتل ہونے کے بعد ماں اور بہن کے رشتے میں فرق مٹ جاتا ہے۔ بے نظیر بھٹو شہید کے خون کی سرخی پھیلتی جاتی ہے کہ اس روشنی میں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ اندھیر نگری میں نہ جینے کی خواہش ہے نہ مرنے کی آرزو ہے۔ ایک لاحاصلی ہے اور بے یقینی۔

ھن تے کجھ نہیں نظری آندا
ہور اک دیوا بال نی مائے

پیپلز پارٹی والے یو این او کی نگرانی میں تحقیقات کا مطالبہ کر رہے ہیں یو این او تو امریکہ کی نوکرانی ہے۔ اب تک دنیا میں کونسا مسئلہ یو این او نے حل کیا ہے کشمیر اور فلسطین، مسلم دُنیا اور تیسری دُنیا امریکہ کی شکارگاہ ہے اور یو این او اس کی چراگاہ ہے۔ کشمیر کے لیے یو این او کی قرار داد گل سڑ گئی ہوگی اسے زندہ کر کے صدر پرویز مشرف نے پاکستان کی طرف سے واپس لے لی ہے۔ جبکہ یہ اجازت انہیں کسی نے نہیں دی۔ افغانستان اور عراق کو خاک و خون میں لت پت

www.bhutto.org

کرنے کے بعد امریکہ پاکستان میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کی آگ پوری طرح بھڑکا چکا ہے امریکہ میں نائن الیون کے بعد سارے سانحے تیسری دُنیا اور مسلم دُنیا میں ہوئے سب سے زیادہ پاکستان میں ہوئے۔

بے نظیر بھٹو کا قتل بھی اسی اندھیر نگری کی مثال ہے۔ رفیق حریری کے قتل کی تفتیش میں پورے لبنان کو تماشہ بنا دیا گیا ہے۔ باہر سے ماہرین بلا لو مگر تفتیش پاکستان کے پاس ہو۔ پی سی او کے تحت حلف نہ اٹھانے والے بہادر ججوں کو بحال کیا جائے اور چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی سربراہی میں تحقیقات ہوں۔ سنا ہے کہ بے نظیر بھٹو کے لہو کی روشنی میں امریکہ ہمارے ایٹمی اثاثوں تک پہنچنا چاہتا ہے مگر پاکستانی اتنے نمزدہ ہوئے کہ ظالم امریکہ ڈر گیا ہے غم طاقت ہے۔ اسے کمزوری بننے دیا گیا تو کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔ مگر یہ کیا ہوتا ہے کہ جب کوئی شخصیت ہمارے ہاں محبوبیت اور مقبولیت کی معراج پر پہنچتی ہے تو اسے راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے تاکہ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ مادر ملت، ذوالفقار علی بھٹو، شاہ فصل، کئی دوسرے لیڈر اور اب بینظیر بھٹو۔ یہ استعمار اور دشمن قوتوں کی بے بسی کی انتہائی شکل ہوتی ہے وہ اپنے ہدف کو لالچ سے خریدتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو اس کی توہین کرتے ہیں۔

پھر بھی وہ بدنام نہ ہو تو پھر اسے قتل کر دیتے ہیں۔

کسے کہ کشتہ نہ شداز قبیلہ مانیست

ترجمہ:..... جو قتل نہیں ہوا۔ وہ ہمارے قبیلے میں سے نہیں۔

روزنامہ ''نوائے وقت''

www.bhutto.org

اندھی اور بے رحم سیاست

عباس اطہر

سینٹرل ہسپتال راولپنڈی سے لکڑی کا ایک تابوت برآمد ہوا۔ چکلالہ ائربیس پر ایک سی ون تھرٹی میں رکھا گیا پھر ذوالفقار علی بھٹو کی طرح ان کی بیٹی محترمہ بینظیر بھٹو کی نعش بھی مختلف منزلیں طے کرتی ہوئی گڑھی خدا بخش پہنچی اور وہ اپنے باپ کے پہلو میں ہمیشہ کیلئے منوں مٹی کے نیچے دفن ہوگئیں۔ باپ بیٹی کا سفر ایک ہی طرح کا لیکن انداز مختلف تھا۔ بھٹو کی نعش کو رات کے اندھیرے میں خاموشی سے دفن کرنے کیلئے اغوا کیا گیا تھا چند وارثوں کو گواہ بنا کر قبر میں اتارا گیا اور پھر کافی عرصے کیلئے قبر پر پہرہ لگا دیا گیا۔ بینظیر کا آخری سفر ان کی "عوامی شان وشوکت" کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ پورے ملک میں سناٹا اور سوگ ویسا ہی تھا۔ جو 4 اپریل 1979ء کو فضا میں چھایا ہوا تھا۔ آنسوؤں کے دریا بھی اسی طرح بہے۔ ماتم بھی ویسا ہی ہوا۔ لیکن اس مرتبہ لوگوں کو جنازے میں حصہ لینے اور رونے دھونے کی کھلی اجازت تھی۔ ضیاء الحق کو اپنی کارروائی کی سنگینی اور اس کے خلاف ردعمل کے پھیلاؤ کا اندازہ تھا اس لیے انہوں نے حالات کو قابو میں رکھنے کے انتظامات کر رکھے تھے۔ محترمہ بینظیر کی شہادت کے بعد ہمارے حکمرانوں نے واقعہ کی سنگینی کو سمجھا نہ فوری طور پر ایسے اقدامات کیے کہ بھڑکے ہوئے جذبات سے مغلوب ہجوموں یا ایسے مواقع سے فائدہ اٹھانے والے گروہوں کے ہاتھ روکے جا سکیں نتیجہ یہ نکلا کہ شہر شہر تشدد اور تباہی کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اندرون سندھ ہر طرف آگ لگ گئی۔ سرکاری املاک کے

ساتھ ساتھ عام شہریوں کے خلاف بھی لوٹ مار ہوتی رہی۔ سینکڑوں کی تعداد میں پرائیویٹ گاڑیاں اور جائیدادیں نذرِ آتش ہوئیں اور دو درجن سے زائد بے گناہ لوگ مارے گئے۔ حکومت کو حق ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری قبول نہ کرے اور یہ کہہ کر اپنے آپ کو فارغ سمجھ لے کہ وہ بے بس تھی۔ ایک مجبور حکومت کو چیلنج تو نہیں کیا جا سکتا۔

راجیو گاندھی کے قتل کے بعد عام تاثر یہ تھا کہ نہرو خاندان کی سیاست کا دور ختم ہو گیا ہے لیکن کانگریس کو اپنا سیاسی وجود برقرار رکھنے کیلئے سونیا گاندھی کا سہارا لینا پڑا آگے چل کر راجیو گاندھی کے بچے اپنے باپ کے نانا اور اپنی دادی کے ورثے کے دعویدار بن سکتے ہیں۔ بھٹو صاحب نے گرفتاری کے بعد اپنے دونوں بیٹے ملک سے باہر بھجوا دیئے تھے اور سیاسی ورثہ بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر کے سپرد کر دیا تھا۔ مرتضیٰ بھٹو وطن واپس آ کر سندھ میں اپنی جانشینی نہیں منوا سکے۔ وہ الیکشن بھی صرف ایک صوبائی نشست سے جیتے اور وہ بھی اس طرح کہ بیگم نصرت بھٹو نے گھر گھر جا کر ان کیلئے ووٹ مانگے تھے۔ بے نظیر صاحبہ کے دورِ حکومت میں مرتضیٰ بھٹو قتل کے بعد ان کی بیوہ غنویٰ بھٹو کو مظلوم ہونے کے باوجود کوئی پذیرائی نہیں ملی۔ ان کے بچے فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار بھٹو جونیئر ابھی عمر کے اس حصے میں ہیں کہ بھٹو صاحب اور محترمہ بینظیر کے سیاسی ورثے کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ محترمہ کی چھوٹی بہن صنم بھٹو نے کبھی سیاست میں دلچسپی نہیں لی، وہ تدفین میں شرکت کیلئے لندن سے آ گئی ہیں۔ لیکن انہیں اپنی بہن کی جانشینی کا شوق ہے نہ شاید انہیں کسی طرف سے ایسی دعوت ملے گی۔ محترمہ کی شہادت کے بعد غنویٰ بھٹو اور ان کے بچوں نے پیشکش کی تھی کہ بیٹی کا جنازہ باپ کے گھر میں آئے اور وہیں سے اٹھایا جائے لیکن آصف زرداری ان کے بچے اور پارٹی کے دوسرے لیڈر نہیں مانے مرتضیٰ کی بیوہ اور بچے مانوس اجنبیوں کی طرح تدفین کی رسومات میں شریک ہوئے۔ ماضی کی تلخیوں کے نیچے میں وہ اتنے پرائے ہو چکے ہیں کہ دوبارہ "اپنے" نہیں بن سکتے۔ سیاست کا منتہائے مقصود اقتدار ہوتا ہے اقتدار سفاک حقیقتوں اور رویوں کا نام ہے۔ جن میں لچک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وقت کی حقیقت یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو کی سیاست اور شہادت کی وراثت پر آصف علی زرداری اور بلاول کا حق تسلیم کرنا پڑے گا۔ جنازے اور تدفین کے موقع پر دونوں باپ بیٹے شانہ

www.bhutto.org

بے شمار اس حق پر حاوی دیکھے گئے اور مرتضیٰ بھٹو کا خاندان غیروں کی طرح دور دور رہا۔

عہد یا شکل خواہ کوئی بھی ہو آئندہ پیپلز پارٹی کے سرپرست آصف زرداری ہی ہوں گے۔ یہ پارٹی اب ایک کے بجائے دو شہیدوں کا پرچم اٹھا کر آگے چلے گی اور دوسری شہادت اتنی اچانک اور المناک ہے کہ پہلی کے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلے گی۔ بھٹو صاحب کو 4 اپریل 1979ء کو سزائے موت دی گئی۔ یہ قتل آج 29 دسمبر 2007ء تک قومی مرثیہ بن کر سیاست پر چھایا ہوا ہے۔ اب یہ دوسرا قتل اگلی دو نسلوں تک مظلومیت کا نشان بن کر آئندہ سیاست کا عنوان بنا رہے گا اور پیپلز پارٹی کے ناراض بھی واپس لوٹ پڑیں گے۔

میاں نواز شریف کی طرف سے بائیکاٹ کے اعلان کے باوجود پیپلز پارٹی کی موجودہ قیادت نے ابھی تک چپ سادھ رکھی ہے۔ سوئم کے بعد کوئی نہ کوئی فیصلہ سامنے آئیگا اور میرا خیال ہے کہ اگر حکومت نے ہر قیمت پر اور ہر حالات میں عام انتخابات کروانے کا تہیہ کیے رکھا تو پیپلز پارٹی اس کے باوجود بائیکاٹ کے راستے کو ترجیح نہیں دے گی کہ کراچی اور اندرون سندھ آگ لگی ہوئی ہے۔ بلوچستان کی سرزمین کے نیچے اندر ہی اندر دھواں دھواں دہک رہا ہے اور سرحد کا بہت بڑا علاقہ دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ یہاں میں اپنی اس بات کو دہراؤں گا کہ سیاست اور اقتدار سفاک حقیقتوں کا نام ہے اور نئی سیاسی حقیقت یہ ہے کہ 8 جنوری کا الیکشن پیپلز پارٹی کے پرچم کو بینظیر صاحبہ کے خون ناحق سے رنگ کر لڑا اور جیتا جا سکتا ہے۔ انتخابات کچھ عرصہ کیلئے ملتوی ہونے کی صورت میں بھی یہ خون یقیناً اپنا رنگ دکھائے گا لیکن وقت عوامی جذبات کی شدت میں کمی لا سکتا ہے۔

بے نظیر بھٹو صاحبہ کی شہادت پر میاں نواز شریف نے سفاک سیاسی روایات سے ہٹ کر خالص انسانی رویوں کا مظاہرہ کیا ہے اور اصولی طور پر پیپلز پارٹی کی قیادت کو ان سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے لیکن سیاست تو سیاست ہے اور وہ ہمیشہ جذبوں یا مروتوں سے بے پرواہ ہو کر اپنا راستہ بناتی ہے۔ وہ اندھی بھی ہوتی ہے اور بے رحم بھی۔

روزنامہ "ایکسپریس"

www.bhutto.org

کس کی زنجیر ہلائیں

عرفان صدیقی

بے نظیر بھٹو اب اور دنیا میں نہیں رہیں۔ سانحہ ہو گیا، کہانیاں رہ گئی ہیں۔ سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ پیپلز پارٹی یتیم ہو گئی ہے۔ اس پارٹی کا خمیر ہی بھٹو سے عشق سے اُٹھا اور اسی عشق میں گندھ کر جنوں بن گیا۔ ایک فوجی حکمران کے عہد میں ذوالفقار علی بھٹو صلیب پر جھول گئے۔ اس گہرے زخم نے بھٹو کے عشاق کو سرفروش جیالوں میں بدل دیا۔ بینظیر بھٹو نے باپ کی سیاسی وراثت سنبھالی۔ جیالوں نے اسے بھٹو کی نشانی جان کر سر آنکھوں پر بٹھایا، اسے چاہا، اسے پوجا، سیاست میں ایسی گہری عقیدت کسی کسی کے حصے میں آئی ہے۔ بھٹو خاندان کو چاہنے والوں نے بے پناہ محبتوں سے مالا مال کر دیا۔ باپ ایک بحرانی دور میں پاکستان کا توانا وزیراعظم رہا۔ پیپلز پارٹی گیارہ برس تک مارشل لاء کے تازیانے کھاتی رہی۔ جونہی مطلع صاف ہوا، بھٹو کی بیٹی وزارتِ عظمیٰ کے منصب پہ فائز ہوئی۔ اُسے دوبارہ یہ اعزاز ملا۔ ایک بار بھی وہ اپنے عہدے کی میعاد پوری نہ کر سکی۔ حالات کے جبر نے اسے طویل جلاوطنی پر مجبور کر دیا۔ بصد مشکل وطن واپس پہنچیں اور سفاک بندوبست کے قہر کا نشانہ بن گئی۔

پیپلز پارٹی اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی سیاسی فکر اور انداز سیاست سے اختلاف کرنے

www.bhutto.org

والوں کی کمی نہیں۔ سیاستدان کتنا ہی محبوب کیوں نہ ہو" ان سے نفرت کی حد تک اختلاف کرنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مشرف بندوبست کی ہزار کوششوں کے باوجود آج بھی سولہ کروڑ پاکستانی بڑی حد تک دو دھڑوں میں تقسیم ہیں۔ کم و بیش 60 فیصد ووٹرز نواز شریف اور بینظیر میں تقسیم تھے اور باقی کے 40 فیصد کے لگ بھگ دیگر جماعتوں میں۔ صدر مشرف کی ہزار کوششوں کے باوجود ان کی خانہ ساز مسلم لیگ (ق) سرکاری گرین ہاؤس میں لگا پودا ہی رہی۔ ساڑھے آٹھ برس کے دوران اس بے چہرہ بندوبست کی کوکھ سے کوئی لیڈر جنم نہ لے سکا۔ نتیجہ یہ کہ انتخابات کا اعلان ہوتے ہی نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کے سواسب بتائے کی طرح بیٹھ گئے۔ دونوں نے عوام کے بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کیا۔ صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ دھاندلی سے پاک انتخابات کی صورت میں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی، مشترکہ طور پر دو تہائی اکثریت بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ صدر مشرف (ق) اور ایم کیو ایم سے مشاورت کے بعد اپنے ڈھب کی نگران حکومتیں بنا چکے تھے۔ انہوں نے اپنی پسند کا چیف الیکشن کمشنر بھی تعینات کر رکھا تھا۔ نچلی سطح پر طاقت کے تمام سرچشموں پر قابض ضلعی حکومتیں پنجے گاڑے بیٹھی تھیں۔ (ق) لیگ نے اربوں کے فنڈز سے ایک بڑی اشتہاری مہم بھی شروع کر رکھی تھی۔ 21 اضلاع میں دھاندلی کے انتظامات کو حتمی شکل دی جا چکی تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں شناختی کارڈ تیار ہو رہے تھے لیکن نواز شریف اور بے نظیر کے جلسوں اور جلوسوں نے ایک نئی تصویر اُبھار دی۔ قومی اور بین الاقوامی میڈیا کو صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ (ق) لیگ تحلیل ہو چکی ہے۔ نواز شریف اور بینظیر بھاری اکثریت حاصل کریں گے۔ حالات ایک ایسے موڑ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ بڑے پیمانے کی دھاندلی بھی رنگ نہ جما سکتی اور ردِ عمل اتنا شدید ہوتا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا۔

بے نظیر بھٹو کے قتل کے بعد ملکی سیاست کا منظر نامہ یکسر تبدیل ہو گیا ہے۔ کم از کم دیہی سندھ کی حد تک کوئی لیڈر باقی نہیں رہا جس پر سندھی یکسو ہوں۔ بے نظیر بھٹو نے سندھی ہونے کے باوجود کبھی اپنے آپ کو سندھ کی حد تک محدود نہ رکھا۔ وہ قومی سیاست کرتی اور وفاق کی زنجیر کہلاتی رہیں۔ اب دیکھنا ہوگا کہ سندھ کس کی جھولی میں گرتا ہے۔ قومی سطح پر بھی یہ ایک بڑا زیاں ہے۔ دو بڑی سیاسی جماعتوں میں سے ایک لیڈر سے محروم ہو گئی ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اب پیپلز

www.bhutto.org

پارٹی کس آشوب سے گزرے گی۔ قیادت کی باگ دوڑ کون سنبھالے گا؟ بھٹو کے نام سے منسوب پارٹی کیا آسانی کے ساتھ زرداری کے لاحقے سے منسلک ہو جائے گی؟ فوری سوال یہ ہے کہ کیا پیپلز پارٹی بدستور الیکشن میں رہے گی یا وہ بھی بائیکاٹ کا راستہ اختیار کرے گے؟ مہم کا غازہ بنانے کی کوشش کریں لیکن یہ ایک بڑی بھول ہو گی۔ پی پی پی کے دلگیر اور غم زدہ کارکن جواب مشتعل بھی ہیں، اس کھیل کو کسی طور پسند نہیں کریں گے۔ اب مسلم لیگ (ق) کے امیدواروں کے لیے بھی گھروں سے نکلنا اور انتخابی مہم میں شریک ہونا ممکن نہیں رہا۔ قیاس ہے کہ اگلے ایک دو دنوں میں خود حکومت کی طرف سے انتخابات ملتوی کر دینے کا اعلان ہو جائے گا۔

لیکن پھر کیا ہو گا؟ اس کا فیصلہ صرف ایک ہی شخص کر سکتا ہے جس کا نام پرویز مشرف ہے۔ ایک کا راستہ یہ ہے کہ وہ پہلے ہی کی طرح اب بھی اپنے آپ کو ناگزیر خیال کرتے ہوئے ساری توجہ اپنے اقتدار کی مضبوطی پر مرکوز کر دیں۔ ملک کے طول و عرض میں پھوٹ پڑنے والے ہنگاموں کو سختی سے کچل دیں۔ تیسری بار ایمرجنسی مارشل لاء نافذ کر دیں۔ تیسری بار آئین معطل کر کے پی سی او حکمرانی کے نئے دور کا آغاز کر دیں۔ انتخابات کے دفتر کو لپیٹ کر طاقت کے زور پر اپنا سکہ جمائے رکھیں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ شدید بحرانی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے وجود کو نفی کر کے نئے امکانات کے دریچے کھول دیں۔ اقتدار سے الگ ہو جائیں۔ اقتدار آئین کے تقاضوں کے مطابق چیئرمین سینٹ کے سپرد کریں۔ سیاسی جماعتوں کی مشاورت کے ساتھ اتفاق رائے کی قومی حکومت قائم کی جائے۔ یہ حکومت کھیل کے نئے اصول وضع کرے۔ زیادہ با اختیار الیکشن کمیشن اور زیادہ مؤثر چیف الیکشن کمشنر تعینات کرے اور صحیح معنوں میں منصفانہ انتخابات کے بعد اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر دے۔ اگر صدر مشرف پہلے راستے کا انتخاب کرتے ہیں تو ملک بدستور بے چینی، بدامنی اور بے یقینی کی گرفت میں رہے گا۔ لاوا پکتا اور سڑکوں پر بہتا رہے گا۔ اس سانحے سے بھی پہلے وکلا، صحافی طلبہ، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور سول سوسائٹی کے مختلف طبقے سراپا احتجاج تھے۔ کچھ سیاسی جماعتیں بائیکاٹ کا فیصلہ کر کے اس احتجاجی مہم کا حصہ بن چکی ہے۔ مسلم لیگ (ق) خس و خاشاک ہو چکی ہے۔ وہ جناب صدر کے کسی کام کی نہیں رہی۔ ان حالات میں اگر صدر پرویز مشرف اپنے اقتدار کو ہی بالاتریں ترجیح

بنائے رکھتے ہیں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ پاکستان پر کیا گزرے گی۔ 1971ء کے سانحے کی کم نصیب ساعت سے پہلے کئی مرحلے آئے جب جنرل یحییٰ خان، اپنی ذات کو ایک طرف رکھتے ہوئے پاکستان کی خاطر کوئی بڑا فیصلہ کر سکتے تھے لیکن وہ ایک بڑے المیے کا انتظار کرتے رہے۔ اب دیوار پر لکھا دکھائی دے رہا ہے کہ اگر صدر پرویز مشرف اپنی ''کنٹی نیوٹی'' پر مصر رہتے ہیں تو آزادانہ و منصفانہ انتخابات کا انعقاد سوالیہ نشان بنا رہے گا..... اور اگر قابل اعتبار انتخابات کے ذریعے عوام کی امنگوں کی ترجمان قیادت برسرِ کار نہیں آتی تو وفاق پاکستان شدید خطرات سے دو چار رہے گا۔

یہ سب بجا لیکن ہم کس سے سوال کریں؟ کس کی زنجیر ہلائیں؟ کسے پکاریں؟ کس دیوار سے سر پھوڑیں؟ کس کے سامنے ہاتھ جوڑیں؟ کوئی ہے جو میرے پاکستان کی چارہ گری کرے؟

روزنامہ ''نوائے وقت''

www.bhutto.org

بے نظیر بھٹو کو کس نے اور کیوں قتل کیا؟

عالمی نوعیت کے اس مقدمے کی تفتیش میں ہونے والی پیش رفت پر ایک نظر

احمد لطیف

محترمہ بے نظیر بھٹو کو قتل کر دیا گیا، کون محترمہ بے نظیر بھٹو؟ وہی جسے دُنیا دخترِ مشرق اور بنتِ بھٹو کے طور پر جانتی ہے، گھر والے اس گلابی گڑیا کو پیار سے پنکی کہا کرتے تھے، وہ فاطمہ کی بڑی بوا تھی، وہی فاطمہ جو بھٹو کے مقتول بیٹے مرتضیٰ بھٹو کی بیٹی ہے، جس نے کچی آنکھوں سے اپنی بوا کے دور میں، اپنے باپ کو گولیوں سے چھلنی ہوتے دیکھا تھا۔ یہ کیسا خاندان ہے، جس کا کوئی بھی فرد طبعی موت نہیں مرا، یہ گھرانا جنازے اُٹھا اُٹھا کر تھک گیا ہے۔

بھٹو، جسے کم عمری میں بھی یہ احساس تھا کہ انگریز گورنر کی خوب صورتی اور اس کے گالوں کی لالی اسی باعث قائم ہے کہ وہ ''ہمارے ملک'' کی ہواؤں میں زندہ ہے اور جب والد گرامی نے اس اندازِ تکلم سے متعلق باز پُرس کی تو وہ پھر بھی خاموش نہیں رہا اور تین بار کہا، یہ ہمارا ملک ہے، یہ ہمارا ملک ہے یہ ہمارا ملک ہے، جسے کم عمری میں بھی یہ احساس ہو کہ ''ملک'' کیا ہوتا ہے اور جو غریب کے دُکھ درد کو اس لیے جانتا ہو کہ وہ غریب ماں کا بیٹا تھا اس کی بیٹی کیسے لوگوں

www.bhutto.org

سے دور رہ سکتی تھی، اسے اسی بات کی سزا دی گئی کہ وہاں لوگوں کا پنڈ چھوڑ نہیں رہی تھی اور مقتدر حلقے ایسی سیاست یہاں اُگانا چاہتے تھے جو مخصوص انداز میں مخصوص لوگوں کے مفادات کی نگہداشت کرے۔ وہ بھٹو کی وارث تھی، حقیقی وارث، جو زرداری ہونے کے لیے بھی بھٹو ہی رہی اور بھٹو کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسی کی طرح جمہوریت کی خاطر ہنسی خوشی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر گئی۔ یہ بھٹو کا شیوہ ہے کہ وہ عوام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، جیسے جل بن مچھلی زندہ نہیں رہ سکتی اور تڑپنے لگتی ہے۔ یہی حال بھٹو کا ہے۔ وہ بار بار عوام کے پاس جاتے ہیں اور عوام کے دشمن انہیں روکتے ہیں، یہ سلسلہ برسہا برس سے جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ''بھٹو'' ایک رویے کا نام ہے اس کو کسی طور ختم نہیں کیا جا سکتا۔ ظالموں نے بہت زور لگایا، بھٹو کو عبرت کا نشان بنانے کی دھمکی بھی دی گئی اور عبرت کا نشان بنا بھی دیا گیا لیکن بھٹو کو پاکستانی سیاست سے نکالا نہیں جا سکا۔ اسے بار بار دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کی گئی، وہ پھر ابھر کر سامنے آیا۔ لگتا ہے بلاول نانا کی روایت لے کر آگے بڑھے گا۔ ہمارے نانا کی روایات بہت قوی ہے۔ زرداری نے اپنے بیٹے کو بھری محفل میں بلاول بھٹو زرداری کہا اور لگتا ہے کہ مظلوم ہمیشہ نانا کی روایات لے کر آگے بڑھتے ہیں اور بلال کے ساتھ ساتھ بختاور بھی آگے آئے گی، زرداری کی سرپرستی میں بھٹو کا قافلہ آگے بڑھتا رہے گا۔ اس کے ساتھ ایک اور بھی پہلو بہ پہلو چل رہی ہے جو وراثتی اعتبار سے بھٹو کی وارث ہے لیکن بوجوہ ابھر کر سامنے نہ آ سکی، وہ ہے غنویٰ بھٹو، فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو جونیئر کی رو، نام کی تاثیر ساتھ ساتھ چلتی ہے لوگوں نے جن کے نام پر نام رکھے ہوتے ہیں، ان کی محبت بہت بے پایاں ہوتی ہے۔ محبت کے انداز بھی عجیب ہیں، اسی سے محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ روایت صدیوں سے جاری ہے، باپ دادا کے نام پر بچوں کے نام رکھے جاتے ہیں، یہ سب کچھ اس خاندان کی اہمیت اور ناگزیریت کے حوالے سے درج کیا جا رہا ہے، اس ذکر کو ایک روشن روایت ہی سمجھا جائے، وہ روایت جس پر چل کر بے نظیر بھٹو نے جان دے دی۔

بھٹو کو مارنے کے لیے ضیاء الحق نے بہت زور لگایا اور حالات نے ثابت کیا کہ زندہ بھٹو کو مارنا تو آسان تھا لیکن مردہ بھٹو کو کسی طور مارا نہیں جا سکا اور سچ ہے کہ شہید کبھی مرا نہیں بھٹو کو

www.bhutto.org

کسی طور مارا نہیں جا سکا اور سچ ہے کہ شہید کبھی مرا نہیں کرتے۔ مقتدر قوتوں سے ایک مردہ نہیں سنبھالا جا رہا تھا اب تو ایک خاتون کی لاش اسے بھوت بن کر ڈرائے گی اور وہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر واویلا کریں گے۔

جمعرات، 27 دسمبر 2007ء کی سہ پہر تھی بے نظیر بھٹو سرخ اور سفید پھولوں سے لدی ہوئی پُر جوش تقریر کرنے کے بعد سٹیج سے اتریں، گاڑی تک گئیں، راجہ بازار کو جانے والی کالج روڈ پر بنے وی آئی پی کار پارکنگ سے گاڑی نکالی، ابھی مڑی ہی تھیں کہ پُر جوش لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر انہوں نے ان کے پُر جوش نعروں کا جواب دینے کے لیے گاڑی کے سن روف سے سر نکالا ہی تھا کہ پھر وہ کچھ ہو گیا، جس کو نہیں ہونا چاہیے تھا، حالاں کہ بے نظیر بھٹو سمیت سب کو پتا تھا کہ ان کی جان کو خطرہ ہے، اس سے پہلے بھی ان پر کئی ایک جان لیوا حملے ہو چکے تھے لیکن یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ جانبر نہ ہو سکیں۔

5 بج کر 35 منٹ پر انہیں جنرل ہسپتال لایا گیا، بم دھماکہ سے ان کی گاڑی کے ٹائر پھٹ چکے تھے، گاڑی رموں پر کچھ دور تک چلائی گئی لیکن لوگوں نے سمجھا کہ اس طرح انہیں جلد ہسپتال نہیں پہنچایا جا سکے گا، پھر پولیس کی موبائل وین میں انہیں جنرل ہسپتال راولپنڈی پہنچایا گیا، بھگدڑ مچ چکی تھی، انسانی اعضا اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے، رش اس قدر تھا کہ ڈاکٹر مصدق کو ہسپتال کی دیوار سے سیڑھی لگا کر ہسپتال پہنچایا گیا۔ ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر جو معذوروں کے کوٹا پر بھرتی ہوا تھا، وہ بھی اوپر نہ جا سکا، محترمہ کو روایتی طور پر مساج کرنے کی کوشش کی گئی، ایکسرے لیے گئے، کوئی خاتون ڈاکٹر اس وقت موجود نہ تھی، جب لیڈی ڈاکٹر کو لایا گیا تو وہ بھی بے نظیر تک نہ پہنچ سکی۔ ان کی نبض اور بلڈ پریشر صفر ہو چکا تھا، کچھ کا کہنا ہے کہ وہ راستے میں ہی دم توڑ چکی تھیں، ڈاکٹروں نے 6 بج کر 16 منٹ پر ان کی موت کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ایسا شور مچا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، ٹیلی ویژن کی سکرینوں پر آ کر ایسی ایسی بودی تاویلیں پیش کی گئیں کہ آج کئی روز گزرنے کے بعد بھی بیٹھی نہیں، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

پہلا موقف، دوسرا موقف، تیسرا موقف، الٹے سیدھے عذر، وزارت داخلہ کے

ترجمان کے پیڑی لگے ہونٹ، ہونٹوں پر پھرتی زبان دنیا نے دیکھی، پشتو میں ریکارڈ کی گئی گفت گو بھی دُنیا نے سنی، اس سے پہلے ویڈیو فوٹیج بھی دنیا نے دیکھی، ان باتوں پر تبصرے ہوئے اور اب ایسا شور ہے کہ کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اشتہار نما خبر بھی چھپی کہ جس کسی کو پتا ہے وہ عینی شاہد کے طور پر اپنا بیان ریکارڈ کرائے پیپلز پارٹی کے کارپردازان کہتے ہیں کہ بے نظیر کو جدید لیزر گن سے نشانہ بنایا گیا۔ پوسٹ مارٹم سے متعلق زرداری کا کہنا تھا کہ بے حرمتی ہوگی اس لیے پوسٹ مارٹم نہیں کرایا، اس دور میں بھی جدید تعلیم یافتہ لوگ اس طرح کی باتیں کریں گے تو تحقیق کیسے ہوگی، جس طرح حکومت نے اپنی طرف سے تحقیق مکمل کر لی اور اپنی آخری رائے بھی دے دی، اسی طرح بے نظیر بھٹو کے لواحقین نے بھی فیصلہ سنا دیا کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے قاتلوں کی نشان دہی قبل ازیں اپنی طرف سے بھجوائی گئی ای میل میں کر دی تھی۔ حکومت کی طرف سے بار بار تبدیل کیا جانے والا موقف شک میں مبتلا کرتا ہے، سات ڈاکٹروں کی طرف سے جاری کردہ رپورٹ لاہور بھجوا دی گئی ہے۔ راولپنڈی کے پولیس چیف کا کہنا ہے کہ حکومت پنجاب کی طرف سے حکومت سندھ کو تمام کارروائی سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے تلخی سے ان مطالبات کو رد کر دیا، جن میں کہا گیا تھا کہ یو این او کی طرف سے بے نظیر بھٹو کے قتل کی تحقیق کرائی جائے، اس کی نظیر کے طور پر انہوں نے حریری کیس کا حوالہ بھی دیا لیکن حکومت نے ایسے کسی مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا۔

سن روف لیور اور گولی لگنے سے متعلق زرداری نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ میری دو بہنیں ڈاکٹر ہیں اور انہوں نے بے نظیر بھٹو کے زخموں کو دیکھا ہے، وزارت داخلہ کے ترجمان نے ہماری گاڑی نہیں دیکھی، اگر دیکھ لیتے تو انہیں پتا ہوتا کہ سن روف میں ریزنگا ہوا ہے، لیور نہیں، بہر حال حکومتی موقف کو نہ صرف بے نظیر بھٹو کے لواحقین اور پیپلز پارٹی کے لیڈر مسترد کر چکے ہیں بلکہ عام لوگ بھی حکومت کے اس بودے موقف کو رد کر چکے ہیں۔

اس قتل میں کچھ اتفاقات بھی ہوئے، ڈاکٹر تصدق خان نے بے نظیر بھٹو کو ابتدائی طبی امداد دی اور ان کے والد ڈاکٹر صادق خان نے نواب زادہ لیاقت علی خان کو طبی امداد دی۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے دو بیٹے بھی ڈاکٹر ہیں اور خدانہ کرے کہ انہیں بھی کسی ایسے اتفاق سے سابقہ

www.bhutto.org

پڑے، بہرحال حکومت کی طرف سے باقاعدہ درخواست پر پوسٹ مارٹم ہوتا ہے اور وہ بھی ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹر ہسپتال میں ہوا کرتا ہے، رش اس قدر تھا کہ کوئی بھی کام قاعدے کے مطابق نہ ہوسکا۔ بے شک صدر کی طرف سے عالمی اداروں کی جانب سے کی جانے والی آفرز کو درخور اعتناء جانا گیا ہے اور یہ امکان بھی ظاہر کیا گیا کہ اگر ایسا ہو جائے تو پاکستان کی وہ روایت ٹوٹ جائے گی کہ کسی بھی بڑے قومی سانحے کا آج تک سراغ نہیں لگایا جاسکا اگر پیپلز پارٹی کو مطمئن کر دیا جائے اور عام پاکستانی بھی ان اقدامات کو مان لے تو ممکن ہے وطن عزیز میں ایک نئی روایت جنم لے۔

بے نظیر کو کس نے قتل کیا اور کیوں قتل کیا؟ یہ سوال اتنا اہم ہے کہ اس پر بہت غور کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح بے نظیر مقامی لیڈر نہ تھیں، اسی طرح یہ معاملہ بھی مقامی نوعیت کا نہیں ہے۔ امریکا نے بھٹو کو عبرت کا نشان بنا دینے کی دھمکی دی تھی اور انہوں نے نہ صرف بھٹو کو عبرت کا نشان بنا دینے کی دھمکی دی تھی اور انہوں نے نا صرف بھٹو کو عبرت کا نشان بنایا بلکہ اس خاندان کو ہی صفحہ ہستی سے مٹا دیا لیکن قدرت کے فیصلے بھی اٹل ہوا کرتے ہیں، اب نہ صرف بے نظیر بھٹو کی اولاد موجود ہے بلکہ بھٹو کا پوتا اور پوتی بھی سام راج کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑے ہیں۔ ہمارے ہاں نانا کی روایت کو آگے لے کر چلنے کا چلن بھی موجود ہے، دونوں صورتوں میں بھٹو زندہ رہے گا۔ سام راج عوامی امنگوں کی ترجمان جس سوچ کو ختم کرنا چاہتا ہے، وہ ختم نہیں ہوگی۔ اگر سادہ انداز میں بھی اس قتل کو تفتیش کی جائے تو کئی ایک معاملات مشکوک دکھائی دیتے ہیں۔ طے ہوا تھا کہ حکومت پنڈال سے باہر کے معاملات دیکھے گی اور بے نظیر کے جاں نثار اندر کی حفاظت خود کریں گے، جاں نثاروں نے تو اپنا فرض پورا کیا لیکن قاعدے کے مطابق حکومت پنجاب نے وی آئی پی پروٹوکول کے لیے ایلیٹ فورس کا جو دستہ بنا رکھا ہے، جو ہر وی آئی پی موومنٹ کے دوران گاڑیوں کے گرد اگرد ہیومن شیلڈ بنانے کا پابند ہے وہ اصول یہاں کیوں روا نہیں رکھا گیا۔ گاڑی کی آمد و رفت کے سلسلے میں بھی جو طے شدہ معاملہ ہے، اس کو بھی بروئے کار نہ لایا گیا، یعنی گاڑی ایک روٹ سے آتی ہے تو جاتے ہوئے اچانک روٹ تبدیل کر دیا جاتا ہے، اس پر بھی عمل نہیں کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کی قیادت اور جاں نثاروں نے تو اپنی ذمہ داری پوری کی لیکن حکومت نے جو ذمہ داری قبول کی تھی، اس کو نہ نبھایا جاسکا۔

www.bhutto.org

بے نظیر عالمی ضمانتیں لے کر پاکستان آئی تھیں، وہ ضامن اب کہاں ہیں، وہ اس معاملے کو کیوں نہیں اُٹھاتے، حالاں کہ ہر طرف سے اس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ بے نظیر کے قتل کو پاکستانیت کا قتل بھی کہا گیا ہے اور بلاول کو بے نظیر کی طرف چاروں صوبوں کی زنجیر کہا جا رہا ہے اگر بھٹو خاندان ایک ہو جاتا ہے اور بلاول کے ساتھ ساتھ فاطمہ، بختاور اور ذوالفقار علی بھٹو جونیئر بھی سامنے آتے ہیں اور مل کر پاکستان کو بچانے کی سعی کرتے ہیں تو پاکستان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ خاندانی رنجشوں کو ہوا دینے کا وقت نہیں، ننھیال اور ددھیال کا معاملہ نہیں یہ تو پاکستان کی سالمیت کا معاملہ ہے۔ قتل کو قتل کی طرح لینا چاہیے اور اسے مقامی نہیں عالمی سانحے کی طرح بھی لینا چاہیے رہا معاملہ خاندانی قضیے کا تو اس کا صرف ایک حل ہے کہ سب مل جائیں۔ بھٹو عوام کی وراثت ہے اور خونی رشتے اس میں مقدم ہوتے ہیں، ایک احترام بھی ہوتا ہے لیکن جمہوریت کی جو شمع بھٹو نے اپنے خون سے روشن کی تھی، وہ عوام کی امانت ہے اور عوام کو اسے آگے لے کر چلنا ہے، شمع سے شمع جلانی ہے، اگر ایسا نہ سوچا گیا تو جو آوازیں سنائی دے رہی ہیں، خاکم بدہن وہ پوری ہو جائیں گی، سام راج کے منصوبے مکمل ہو جائیں گے۔

تھانہ سٹی کے ایس ایچ اس مقدمہ کے مدعی ہیں، مقدمہ نمبر T-A471 -7-A,120B,302,324,427اور 436 کی دفعات کے تحت درج کر لیا گیا ہے۔ پیش رفت اس طرح نہیں ہوئی جس طرح ہونی چاہیے، بے نظیر کا مقدمہ عام نوعیت کا نہیں ہے، یہ اور اس طرح کے مقدمات جس سرعت کا تقاضا کرتے ہیں، اس کو بروئے کار نہیں لایا گیا، جو ابتدائی نقوش تھے، بات ان سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ ہوتا یوں ہے کہ وقوعہ سے پہلے کی گئی شکایات کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے، کمیٹیاں بنائی گئیں، اس میں عبدالمجید ایڈیشنل آئی جی سی آئی ڈی، مشتاق سکھیرا ڈی آئی جی، سی وقار احمد چوہان، ریجنل ایس پی انویسٹی گیشن، طاہر ایوب، اس کے علاوہ حساس اداروں کے سپیشل انویسٹی گیشن سیل بھی کام کر رہے ہیں، وزارت داخلہ بھی اپنے طور پر سرگرم ہے لیکن بار بار کا تبدیل کیا ہوا موقف معاملات کو اُلجھا رہا ہے، تادمِ تحریر کوئی خاطر خواہ سرگرمی دکھائی نہیں دیتی، سوائے اس کے حکومت معاملات بگاڑنا چاہتی ہے اور وہی روایت دوہرا رہی ہے جس کے تحت ہر قومی سانحے کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بے

www.bhutto.org

نظیر کا قتل اتنی آسانی سے دبایا نہیں جا سکتا، یہ اس لیے بھی ہوگا کہ نہ صرف یہ کہ لواحقین سرگرم ہیں بلکہ عوام بھی اس میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کی سلامتی پر مامور قوتیں اس معاملے کو اسی طرح لیں جس طرح کا یہ تقاضا کرتا ہے، یعنی بے نظیر پر حملہ پاکستان کی سالمیت پر حملہ ہے۔ اسے اسی سرگرمی سے روکنا چاہیے۔

اگر حکومت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہر طرح کے معاملات کو خود حل کر سکتی ہے تو اس کے لیے بھی جس سرگرمی کی ضرورت ہے وہ بھی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ دہشت گردی کے خلاف شروع کی گئی جنگ چوں کہ عالمی جنگ ہے، اس لیے بھی عالمی طاقتوں کو اس میں دلچسپی لینی چاہیے۔ حکومت کو ان مطالبوں پر پریشان نہیں ہونا چاہیے، اگر حکومت مقامی اور عالمی مطالبات کو مان لے تو اس کی نیک نامی میں اضافہ ہوگا۔

سنڈے ایکسپریس
6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

محترمہ بے نظیر بھٹو کا بہیمانہ قتل معمہ بن گیا، ریاست کیلئے چیلنج

گل چمن شاہ

سال 2007ء پاکستانی ریاست کو دہشتگردی، خودکش حملوں، تیز رفتار مہنگائی، بیروز گاری، آئینی، عدالتی اور سیاسی بحرانوں اور ہنگاموں کی جلتی ہوئی آگ میں چھوڑ گیا۔ یہ سب المیے اور سانحات سالِ 2008ء کے حوالے کر گیا اور ملک کے خارجی، داخلی، سیاسی استحکام کے علاوہ ملک کی جغرافیائی و نظریاتی اساس اور اس کے مستقبل کے حوالے سے کئی سوالات کو جنم دے گیا۔

اس وقت ملک کا سب سے بڑا سانحہ ملک کی دوبار وزیراعظم رہنے والی ایک بڑی جماعت کی تاحیات سربراہ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت ہے جس پر پورا ملک سوگوار ہے۔ تمام سیاسی قائدین دائیں بائیں بازو کی تمام سیاسی مذہبی جماعتوں کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ اور عالمی رہنماؤں نے بھی اس بہیمانہ قتل کی پرزور مذمت کی ہے۔ بلاشبہ محترمہ بینظیر بھٹو اس لحاظ سے اسلامی دنیا کی واحد خاتون لیڈر تھیں جو نا صرف پاکستان کی دوبار منتخب وزیراعظم رہنے کیساتھ اپنی جماعت پیپلز پارٹی کی متفقہ تاحیات چیئرپرسن رہیں اور اپنی سیاسی بصیرت قابلیت، اہلیت، سیاسی دوراندیشی اور حالاتِ خاصرہ پر گرفت رکھنے کے علاوہ دیگر کئی بے پناہ خوبیوں کی حامل اور متحرک لیڈر کے طور پر دنیا بھر خصوصاً مغرب میں جانی پہچانی شخصیت تھیں۔ اس لحاظ سے انکے قتل کا ایشوز پر غالب آ گیا اور اس وقت اہم ایشو محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کا ہے اور بدقسمتی سے اس قتل کو ایک

www.bhutto.org

معمہ بنادیا گیا ہے۔ ہمارے ملک کی یہ روایت رہی ہے کہ یہاں آج تک ہونیوالے کم وبیش تمام سانحات اور قتل کے واقعات کے شواہد مٹائے جاتے رہے۔ ان سانحات اور قتل کی انکوائریوں اور تحقیقات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے ہی انہیں الزامات کے دھوئیں میں دفن کیا جاتا رہا ہے۔ یہ پاکستانی سیاست کی المناک تاریخ ہے کہ لیاقت علی خان، ذوالفقار علی بھٹو، خواجہ رفیق، ڈاکٹر نذیر ہو یا چودھری ظہور الٰہی، جنرل ضیاء الحق یا پھر بینظیر بھٹو کا بہیمانہ قتل ہو غرض ان سیاسی قتل کے کرداروں کو بے نقاب نہ کرنے، انکی تفتیش و تحقیق کو مربوط اور ٹھوس شواہد کیساتھ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچانے اور ہر سیاسی قتل کو معمہ بنادینے کی روش ہنوز جاری ہے جو ہمارے ملک کا ایک بڑا المیہ ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ جب بھی سیاسی خاندانوں کا ذکر آتا ہے تو ان میں دو بڑے خاندان گاندھی اور بھٹو خاندان کا تذکرہ لازم ہوتا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بھارت میں گاندھی خاندان اور پاکستان میں بھٹو خاندان کا سیاست میں بڑا طویل اور اہم کردار رہا ہے۔ دونوں خاندانوں میں یہ مماثلت ہے کہ دونوں خاندانوں نے اپنے خاندانوں کو میدان سیاست میں طویل سیاسی جدوجہد میں اپنے خاندانوں کو میدان سیاست میں مزاحمتی سیاسی میدان میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ اس لیے بھارت میں کانگریس گاندھی خاندان اور پاکستان میں پیپلز پارٹی بھٹو خاندان کی شناخت اور میراث ہیں۔

جہاں تک محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کا سوال ہے تو یہ اپنے پس پردہ کئی کرداروں کے حوالے سے کئی سوالات کو جنم دے گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ جب حالات اور سیاست کے رخ تبدیل ہوں تب اس قتل کے کردار اور شواہد سامنے آسکیں۔ بہر حال! محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کے محرکات میں پاکستان کے خلاف برسرِ پیکار ماضی کی تخریبی قوتوں اور بعض بین الاقوامی خفیہ اداروں کی پاکستان کو کمزور کرنے کی سازشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جبکہ الزامات کی بوچھاڑ اور جوش جذبات میں ملکی ریاستی اداروں اور ان کے سربراہوں، حکومت وقت یا کسی سیاسی جماعت اور گروپ کو بلا جواز موردِ الزام ٹھہرانا بھی مناسب نہیں ہے کیونکہ اس طرزِ عمل سے ہم بسا اوقات اپنے ہاتھوں سے ہی کسی وقوعہ اور تفتیش کو دفن کردیتے ہیں جس سے کاز کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ محترمہ بینظیر بھٹو نے اپنے خلاف ممکنہ جان لیوا

www.bhutto.org

کارروائی کے پیشِ نظر دور اندیشی کا مظاہرہ کیا اور جماعتی خاندانی وراثت کے حوالے سے ایک وصیت چھوڑی اور اس وصیت پر ہی بھٹو خاندان نے عمل کیا جس کی روشنی میں 19 سالہ بلاول کو پارٹی کا چیئرمین نامزد کر دیا گیا جبکہ آصف زرداری شریک چیئرمین بنے دوسری طرف اس وصیت کے حوالے سے بعض حلقے شکوک وشبہات کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔ تاہم اس وصیت کے حوالے سے کسی قسم کا تبصرہ یا شکوک کا اظہار کرنا اس لیے بھی مناسب نہ ہوگا کہ سیاست سے ہٹ کر خاندانی معاملات بھی ہوا کرتے ہیں جن پر خاندانوں سے باہر غیر متعلقہ فرد کا تبصرہ کرنا مناسب نہیں ہوتا۔

جہاں تک بلاول کا تعلق ہے تو 19 سالہ بلاول زرداری کا نام بذات خود آصف علی زرداری نے تبدیل کر کے بلاول بھٹو زرداری رکھ دیا۔ اس طرح آصف علی زرداری نے سندھ کے ایک بڑے وڈیرے ہونے اور اپنے خاندان کے سردار ہونے کے باوجود اپنے زرداری خاندان کی شناخت کو بھٹو خاندان میں ضم کر دیا ہے جو کسی سردار کی طرف سے غیر معمولی اقدام ہے۔ آصف علی زرداری نے محترمہ بینظیر بھٹو کی وصیت پر عمل درآمد کیا اور بینظیر بھٹو اور ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے مشن کو آگے بڑھانے کے عزم کا اظہار کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی سیاست میں قومی اور مقامی سطح پر خاندانی موروثی سیاست کا ہمیشہ سے غلبہ رہا ہے اور یہ کم و بیش ملک کی تمام بڑی سیاسی، مذہبی جماعتیں ،خاندانی ،موروثی سیاست کے اثرات سے محفوظ نہیں رہی۔ نسل درنسل جماعتوں پر خاندانوں کا غلبہ چلا آ رہا ہے۔ اسی تناظر میں بھٹو کے بعد چیئرمین بننا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے قتل کے بعد محترمہ بینظیر بھٹو نے پارٹی کمان سنبھالتے ہوئے یہ کہا تھا کہ جمہوریت کی بحالی اور پیپلز پارٹی کا برسر اقتدار آنا ہی والد شہید کا بہترین انتقام ہوگا اور یہی الفاظ محترمہ بینظیر بھٹو کے بیٹے بلاول نے اپنی والدہ محترمہ کی شہادت کے موقعہ پر پارٹی کمان سنبھالتے ہوئے ادا کئے۔ یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کو بعض غیر ملکی طاقتیں ایک خاص رنگ دے کر پاکستان کو کمزور کرنے کی سازشیں کر رہی ہیں۔ ہیلری کلنٹن سمیت بعض امریکی اور عالمی عہدیداروں سمیت غیر ملکی مغربی میڈیا محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کو غلط رنگ دے کر ملکی ریاستی

اداروں کے ملوث ہونے کا تاثر پیدا کر کے ملکی ریاست کو غیر مستحکم کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ بلا سوچے سمجھے ملکی فوجی ادارے اور دیگر ریاستی اداروں پر الزامات عائد کرنا درحقیقت اسے کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ جہاں تک القاعدہ اور طالبان کو ملوث کرنے کا سوال ہے تو فاٹا گرینڈ الائنس نے بیت اللہ محسود پر محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کا الزام مسترد کر دیا۔ قبائل اور طالبان نے محترمہ بینظیر بھٹو کی بہیمانہ قتل کی آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے جبکہ یہی مطالبہ پوری قوم بھی کر رہی ہے۔

موجودہ حالات میں محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے سانحہ میں ایک خوش آئند بات یہ بھی ہے کہ پیپلز پارٹی نے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا اور بائیکاٹ کے راستے پر چلنے سے گریز کیا مسلم لیگ (ن) کے قائد نواز شریف نے اگرچہ محترمہ بینظیر بھٹو کی بہیمانہ قتل پر بطور احتجاج بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تاہم پیپلز پارٹی کی طرف سے ہر صورت انتخابی عمل میں حصہ لینے کے اعلان پر عجلت میں کئے جانے والے الیکشن بائیکاٹ کا فیصلہ واپس لے لیا۔

اس وقت مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی دونوں بڑی جماعتوں نے 8 جنوری کے الیکشن التواء کی مخالفت کرتے ہوئے کسی قسم کے التواء کے اقدام پر تحریک چلانے کی دھمکی دی ہے جبکہ مسلم لیگ (ن) کے قائد نواز شریف نے صدر پرویز مشرف سے استعفٰے اور قومی حکومت بنانے کا مطالبہ کیا ہے دوسری طرف سابق حکمران جماعت مسلم لیگ کے مرکزی رہنما اور سابق صدر مملکت سردار فاروق لغاری نے بھی کہا ہے کہ انتخابات سے پہلے قومی حکومت ہونی چاہیے۔ الیکشن کا التواء نہ صرف ایک نئے آئینی بحران کو جنم دینے کا باعث بنے گا بلکہ اس کے نتیجے میں ملکی سیاسی انتشار بڑھے گا۔ سیاسی انارکی پیدا ہوگی، الیکشن کے التواء کے حوالے سے بعض آئینی و قانونی ماہرین کا کہنا ہے کہ آئین میں صرف 30 دن کی تاخیر کی گنجائش ہے۔ 30 دن سے زائد توسیع کیلئے سپریم کورٹ آف پاکستان میں ریفرنس دائر کرنا پڑے گا۔ اندریں حالات انتخابات میں حصہ لینے والی تمام سیاسی جماعتیں اور سیاسی گروپ اپنی الیکشن مہم کا از سر نو آغاز کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ (ق) کے سربراہ چودھری شجاعت حسین نے بھی اعلان کیا ہے کہ ان کی جماعت 8 جنوری کے طے شدہ انتخابی شیڈول سے پہلے 6 جنوری کو بھی انتخابات کرانے پر حصہ لینے پر تیار ہے۔ بظاہر انتخابات کے التواء کا جواز نظر نہیں آتا۔ تاہم درپیش امن و امان کی ابتر صورتحال کے علاوہ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد مخالفانہ مزاحمتی فضا میں مسلم لیگ (ق) کے امیدواروں اور

اس کے لیڈروں کو انتخابی مہم میں شدید مشکلات کے پیشِ نظر انتخابات کے التواء کا امکان ظاہر کیا جا رہا ہے۔ الیکشن کمیشن نے بھی حکومت کو 8 جنوری کے بجائے فروری کے آخری ہفتہ میں کرانے کی تجویز دی ہے۔ اگرچہ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) دونوں بڑی جماعتیں 8 جنوری کے انتخابات کرانے پر زور دے رہی ہیں تو اس صورت میں الیکشن کا التواء بھی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اور ملکی سیاست کیلئے تباہ کن نتائج کا حامل ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور ووٹروں کے اندر الیکشن کے التواء پر مزید اشتعال پیدا ہوگا اور اس اقدام سے صوبائی عصبیت بالخصوص سندھ میں مرکز گریز لسانی قوتوں کو تقویت ملے گی جس سے علیحدگی پسندی کے پاکستان مخالف عناصر کو صوبوں کو مرکز سے دور کرنے کا موقعہ بھی ملے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محترمہ بینظیر بھٹو کے بہیمانہ قتل پر حالات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں کہ حکومت کے کنٹرول سے باہر ہوتے جا رہے ہیں۔ اندریں حالات صدر پرویز مشرف کیلئے بھی خارجی داخلی طور پر روز بروز مشکل سے مشکل حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ بہرکیف بہتر ہوگا کہ نگران حکومت اور الیکشن کمیشن بلاتاخیر تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے تمام سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو ملکی خراب سیاسی صورت حال سے آگاہ کریں۔ قبائل کے حالات سے سرحد کے بعض شہر بھی متاثر ہوئے ہیں، جن میں سوات اور مینگورہ بھی شامل ہیں۔ اندرون سندھ کراچی کے علاوہ سکھر، حیدرآباد، لاڑکانہ میں جو ہنگامہ آرائی جاری ہے اس سے آنکھیں بند کرنا بھی غیر دانشمندی ہے۔ ان حالات میں اگر مسلم لیگ (ن) پیپلز پارٹی سمیت الیکشن لڑنے والی جماعتیں الیکشن کے التواء پر آمادہ ہوتی ہیں تو قومی مفاد میں انہیں ملتوی کر دیا جائے لیکن یہ التواء ایک ماہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایک ماہ سے زائد عرصہ تک الیکشن کے التواء کی آئین بھی اجازت نہیں دیتا۔ التواء کی صورت میں نئی تاریخ کا اعلان کرنا بھی ضروری ہے۔ 8 جنوری کے الیکشن کے التواء کے اعلان کے ساتھ نئی تاریخ کے اعلان سے بھی ہر خاص و عام مطمئن ہوگا!

ہفت روزہ "کرنیں"

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

27 دسمبر 2007ء

پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب کا اضافہ

عابد حسین چوہان

27 دسمبر 2007ء پاکستان سیاسی تاریخ میں ایک اور سیاہ باب رقم کر گیا۔ اس دن جمہوریت کی علمبردار، آمریت کے خلاف نبرد آزما، لاکھوں عوام کے دلوں کی دھڑکن، پاکستان کے عوام کی امیدوں کی آخری کرن دینائے اسلام کی پہلی خاتون منتخب وزیراعظم، اپنی ذہانت اور فلسفے سے بڑے سے بڑے عالمی لیڈروں کو قائل کرنے والی، دُنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹوں میں مختلف موضوعات پر لیکچر دے کر چونکا دینے والی، مسحور اور سحر انگیز شخصیت پاکستان پیپلز پارٹی کی تاحیات چیئر پرسن محترمہ بینظیر کو لیاقت باغ کے جلسۂ عام کے بعد سفاک درندوں نے ابدی نیند سلا کر اپنے مشن کی تکمیل کر لی شہید بینظیر بھٹو کی وصیت کے مطابق انہیں گڑھی خدا بخش میں اپنے بابا کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ ان کو لحد اتارنے کے بعد ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ

پھر کسی نے ہم سے لہو کا خراج مانگا ہے
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سُرخرو کر کے

www.bhutto.org

واقعی محترمہ بینظیر بھٹو جمہوریت کیلئے جاری جدوجہد میں اپنا لہو دے کر وطن عزیز پر قربان ہو گئیں ان کی قربانی نے بھٹو خاندان کے ستاروں میں ایک اور چمکتے ستارے کا اضافہ کیا۔ جنرل ضیاالحق کے دور حکومت میں پیپلز پارٹی کے بانی قائد عوام فخر ایشیا ذوالفقار علی بھٹو کو ایک عدالتی حکم کے تحت 4 اپریل 1979ء کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ وہ تختہ دار پر چڑھ گئے لیکن آمر کے آگے جھکنا گوارا نہیں کیا وہ غیر طبعی موت سے آنکھوں سے اوجھل تو ہو گئے لیکن آج بھی پارٹی کارکنان کے اذہان میں یہی نعرہ ان کی زندہ جاوید حقیقت کو آشکار کرنے کیلئے کافی ہے۔

جب تک سورج چاند رہے گا

بھٹو تیرا نام رہے گا

لوگ ابھی عظیم قائد کی پھانسی کے غم کو بھلا نہ پائے تھے کہ بھٹو خاندان کے سب سے چھوٹے چشم و چراغ میر شاہنواز بھٹو 18 جولائی 1985ء کو فرانس میں واقع اپنے فلیٹ پر مردہ پائے گئے جن کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ یہ صدمہ بھٹو خاندان کے لیے ایک بڑے سانحہ سے کم نہ تھا اس وقت میر شاہنواز نے زندگی کی صرف ستائیس بہاروں کو عبور کیا تھا وہ جوانی کا شباب بھی نہ دیکھ پائے۔ اس طرح ان کا خاندان پے در پے مشکلات اور [illegible] میں اپنا نام رقم کرتا گیا۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو کا انتخاب کر لیا تھا۔ ان کا مشاہدہ تھا کہ ان میں وہ تمام خوبیاں چشم تر میں ملتی ہیں جو ایک ذہین بیباک، نڈر، باصلاحیت اور عوام کے دلوں میں راج کر جانے والی لیڈر میں ہوتی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے مشاہدے کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے دور حکومت میں اس چھوٹی سی بچی کو اپنا ہم سفر بنا لیا۔ شملہ معاہدہ اس کا بین ثبوت ہے۔ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو بھارت جانے والے وفد میں اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لے کر گئے، تا کہ وہ سفارت کاری اور حکومت کے معاملات کو کم سنی میں ہی اپنے ذہن میں نقش کر سکیں حالات و واقعات نے ذوالفقار علی بھٹو کے مشاہدے کو حقیقت کا روپ دے دیا جب ان کو تختہ دار پر لٹکانے کا وقت آن پہنچا تو اس وقت بھی بھٹو مرحوم کے یہی الفاظ تھے کہ میری بیٹی میرے نظریات، فلسفوں، خیالات کا بہترین نعم البدل ثابت ہو سکتی ہے۔ اسی بھٹو ازم کو پاکستان کے قریہ قریہ گلی گلی تک پہنچانے کیلئے اس نوعمر نوزائیدہ سیاست دان نے سیاست کے پر پیچ کانٹوں پر قدم

www.bhutto.org

رکھتے ہوئے اپنا رخت سفر باندھا راستے کی مشکلات آڑے آئیں۔ اپنے مشن کی تکمیل اور کانٹوں میں سے راحت کے پھول چننے میں واقعی دشواری آئی لیکن عظیم باپ کی عظیم بیٹی کے قدم نہ ڈگمگائے۔ وہ آہستہ آہستہ ملکی حالات کے تناظر میں اپنے تجربات اور مشاہدات کو گتھی میں لیے قدم بڑھاتی رہیں عوام کا جم غفیر ان کے قافلے میں رواں دواں رہا کئی مرتبہ نشیب و فراز بھی آئے لیکن عوام کی بھرپور تائید و حمایت سے یہ نوجوان لیڈر پاکستان کے بڑے بڑے جاگیرداروں ،ویڑوں اور پیشہ ور سیاست دانوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بنی رہیں اور عوام کی والہانہ محبت سے بھٹو (مرحوم) کے مشن کو آگے بڑھاتی رہی اس دوران انہیں پابند سلاسل بھی کر دیا گیا۔ یہ سوچ کر شاید بحیثیت عورت مشکلات کے بھنور میں اپنے آپ کو سہارا نہ دے سکے اور حکومت کے آگے سر تسلیم خم کر لے لیکن ارباب اختیار کو اس کا علم نہیں تھا کہ اس کے اندر عظیم باپ، آفات اور بڑی سے بڑی مشکلات سے نہ گھبرانے والا نہ جھکنے اور نہ بکنے والے ذوالفقار علی بھٹو کا خون موجزن ہے جو اسے ہر لحہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کیلئے ذہنی اور روحانی طور پر تیار کرتا ہے۔ حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ اس نے جیلوں کی قید کو ہنستے مسکراتے قبول کر لیا لیکن اپنے اصولوں کا سودا نہیں کیا وقت بدلتا گیا جنرل ضیاالحق طیارے کے حادثے میں ہلاک ہو گئے عام انتخابات ہوئے جس میں محترمہ بے نظیر بھٹو عوامی اکثریت سے عالم اسلام کی پہلی خاتون وزیراعظم اور پاکستان کی کم عمر وزیراعظم منتخب ہوئیں دور حکومت میں انہوں نے اپنے باپ کے نعرے روٹی کپڑا اور مکان کے انتخابی نعرہ کو واقعہ عملی جامہ پہنانے کی بھرپور کوشش کی انہیں کچھ عرصہ بعد عوامی خدمت کرنے کی پاداش میں ہٹا دیا گیا لیکن اپنے مشن پر رواں متزلزل نہ ہوئیں اس کا صلہ عوام نے ایک مرتبہ پھر انہیں دوبارہ وزیراعظم منتخب کر کے دیا دوسری مرتبہ کے دور حکومت میں شہید بھٹو کے بڑے صاحبزادے میر مرتضیٰ بھٹو کو 20 ستمبر 1969ء کو ان کی رہائش گاہ 70 کلفٹن کے دروازے پر پولیس افسران نے گولی مار کر ہلاک کر دیا اس وقت محترمہ بے نظیر بھٹو وزیراعظم تھیں ان کے قتل کے چند دنوں بعد ہی بے نظیر بھٹو شہید کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ میر مرتضیٰ بھٹو کے المناک قتل کے بعد محترمہ نصرت بھٹو کی حالت خراب ہو گئی اور آج وہ دوبئی کے ایک پرائیوٹ ہسپتال میں کوما کی حالت میں زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ ان کی

www.bhutto.org

پیاری بیٹی محترمہ بے نظیر بھٹو جو جمہوریت کے راستے پر چاروں طرف سے دہشت گردوں کے نال میں پھنسے کے باوجود اپنی دلیری اور بہادری کی انمٹ داستانیں ہیں۔ پاکستان واپس لوٹ کر رقم کر رہی تھی کہ 69 دن بعد پنجاب کی حدود میں خودکش دھماکوں کی بھینٹ چڑھ جائیں گی۔ یوں محترمہ بے نظیر بھٹو کے شہید ہونے سے بھٹو خاندان کے چار ستارے غیر طبعی موت کے ذریعے اپنے خالق حقیقی کو جا ملے۔ یہ چاروں ذاتی مقاصد کی تکمیل کیلئے سرگرم نہیں تھے۔ عوام کے حقوق کی جنگ لڑ رہے تھے۔ بھٹو خاندان کے سب سے بڑے چشم و چراغ ذوالفقار علی بھٹو بھی اپنی سیاسی تاریخ کے دوران کئی مرتبہ اپنے عزم کو دھراتے ہوئے..... کہ ان کا جینا اور مرنا پاکستان کی معصوم، غریب اور بے بس عوام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اپنی کارکردگی سے اپنے قول کو سچ ثابت کر دیا حالانکہ جب انہیں پھانسی کیلئے لے جایا جا رہا تھا تو موت کے بھیانک خوف سے ڈرتے ہوئے وہ اس وقت کے حکمران سے سودے بازی کر کے اپنی جان بخشی کرا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے عظیم والد کے قول کو یاد رکھا کہ بیٹا زندگی میں قول اور فعل کبھی بھی تضاد نہ ہونے دینا۔ یہ دنیا فانی ہے تو ایک دن جانی ہے جان حادثے کا شکار ہو کر یا کسی موذی مرض کا شکار ہونے سے جا سکتی ہے کیونکہ بحیثیت مسلمان یہ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ ہر ایک نے موت کا ذائقہ تو چکھنا ہے لہٰذا موت کا ذائقہ بہادری سے اور تاریخی کارنامے سے سرانجام دے کر اگر چکھا جائے تو رہتی دُنیا تک نام بھی زندہ رہتا ہے اور آنے والی نسلوں کیلئے اس شخص کی شخصیت مشعل رہ ہوتی ہے۔ (مرحوم) ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے باپ کے عہد کو نبھاتے ہوئے اس ملک، پاکستان اور قوم کے حقوق کیلئے جان ہاردی لیکن تاریخ کا مورخ آج بھی یہی رقم کر رہا ہے کہ بھٹو گونظروں سے اوجھل ہے لیکن وہ لاکھوں پاکستانیوں کے دلوں کا محور ہے آج بھی گڑھی خدا بخش پر اس کے مزار پر دن رات قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کا کوئی عمل رب ذوالجلال کو پسند ہے جس کے باعث دن ہو یا رات سردی ہو یا گرمی برسات ہو یا جاڑ ہر لمحہ لوگ ان کے مزار پر حاضری دے کر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول نظر آتے ہیں اسی عید الاضحیٰ کے دن محترمہ بینظیر بھٹو اپنی پاکستان آمد کے بعد دوسری مرتبہ اپنے والد (مرحوم) کے مزار پر حاضری دینے کیلئے گئیں انہوں نے قبر پر پھولوں کی چادر بھی چڑھائی اور ایک پہلو میں بیٹھ کر دو گھنٹے تلاوت کلام کرتی

www.bhutto.org

رہیں ان کی ساتھ بتاتی ہیں کہ اس مرتبہ جب وہ تشریف لائیں تو انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اپنی روحانی تسکین کیلئے زیادہ وقت یہاں گزارنا چاہتی ہیں۔ انہیں کیا علم تھا کہ چند یوم بعد جہاں وہ تلاوت کلام پاک کیلئے تشریف فرما تھیں اپنے والد کی قبر کے پہلو میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ان کی آغوش میں آ جائیں گی۔ یوں عظیم باپ کی عظیم بیٹی اپنے والد کے ادھورا مشن کی تکمیل کر کے ان کے پاس آ گئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کا اصل سیاسی ورثہ محترمہ بے نظیر بھٹو ہی تھیں۔ وہ ان کی سیاست کی نمائندہ تھیں جو خالصتاً عوامی سیاست تھی ذوالفقار علی بھٹو ایشیا کے نامور سیاست دان اور پاکستان عوام کے عظیم رہنما تھے چنانچہ محترمہ بے نظیر بھٹو کا وجود ملک کے اندر عوامی سیاست کی علامت تھا لیکن ان کی شہادت سے وہ علامت بھی ختم ہو گئی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی جدوجہد ہمیشہ اسٹیبلشمنٹ کے خلاف رہی وہ حقیقی معنوں میں ایک عوامی لیڈر اور سیاسی شخصیت تھیں اور دُنیا کی با اثر خواتین میں ان کا شمار ہوتا تھا وہ عالمی سطح پر پاکستان کی سب سے زیادہ با رسوخ خاتون تھیں ان کا ہمیشہ یہی موقف رہا کہ وہ پاکستان میں جمہوریت کی بحالی، آئین و پارلیمنٹ کی بالادستی اور آمریت کے خاتمے کیلئے زندگی کی آخری سانس تک لڑیں گی۔ آئندہ انتخابات کے حوالے سے بھی ان کا یہی موقف تھا اور وہ اپنے تمام سیاسی جلسوں میں اسی عزم کا اعادہ کرتی رہیں کہ وہ اپنے اصولوں اور مشن کی خاطر جان بھی قربان کر سکتی ہیں۔ شہادت کے روز لیاقت باغ میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان سیاسی دشمنوں کا دور ختم ہو چکا ہے جو الیکشن کروانے کیلئے ایمرجنسی لگواتے تھے اور کبھی پرویز مشرف کے مزید 5 سال چیف آف آرمی سٹاف رہنے کا دعویٰ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے خطاب کے آخری حصہ میں کہا کہ پاکستان اس وقت شدید مشکلات اور خطرات سے دوچار ہے آمریت ملک کی جڑیں کھوکھلا کر رہی ہے۔ بلوچستان میں فوجی سیاسی لیڈر نہیں تھیں بلکہ خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے برسرِ پیکار رہیں ہیں۔ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ لیاقت باغ کیا ہے؟ اس باغ میں قیام پاکستان سے لے کر آج تک اس دھرتی کے عظیم پھولوں کا لہو بھی شامل ہے یہ باغ نہیں کوئی قتل گاہ لگتی ہے یہ رقت خیز زمین ہے یہ خونچکاں وادی ہے یہ تشنہ لہو سرزمین ہے یہ زمین دھواں اور بارود بھی اگلتی ہے اسے باغ کیوں کہا جائے اس نے چمنستان وطن کے لائق دماغ

www.bhutto.org

چھپنے ہیں قائد ملت شہید ملت لیاقت علی خان جیسا بڑا آدمی نگل جانے کے بعد اس کی تشنگی کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ قائد اعظمؒ کے اس عظیم ساتھی اور ملک کے پہلے وزیر اعظم کا خون چوس کر اس کی تشنگی سیراب نہیں ہوئی اسے ایک اور عظیم شخصیت کی تلاش تھی یہ باغ اسے اپنی جگہ تو نہ دے سکا لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر ملک کے ایک منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا اسی لیے محترمہ اپنے خطاب میں یہ کہہ رہی تھیں کہ راولپنڈی نے مجھے بہت سی خوشیاں اور بہت سے غم بھی دیئے اور وہ غریب عوام کیلئے خوشحالی اور پر امن پاکستان کا خواب پورا کرنے کا وعدہ کر رہی تھیں کہ انہیں بھی گولیوں کی بوچھاڑ سے اڑا دیا گیا۔ اب تو لوگ سرعام یہ کہتے اپنی پکار کو بلند کر رہے ہیں کہ یہ کیسا ملک ہے جس میں نہ اخلاق چلتا ہے نہ جمہوریت جہاں نہ آزادی رائے ہے اور نہ جیو اور جینے دو کی بات ہے۔ وہ اس پاک دھرتی سے سراپا احتجاج ہو کر پوچھ رہے ہیں کہ اے تشنہ لہو سرزمین کیا اب کے بھی قاتل چھپ جائے گا؟ کیا اب کے بھی وحشی بے نقاب نہ ہو سکے گا؟ کیا لیاقت علی کے بہیمانہ قتل کی طرح بینظیر بھٹو کا قتل بھی تاریخ کے ظلمت کدوں میں سفاک قاتلوں کے ہاتھ تلاش کرتا رہے گا۔ لوگ اس دھرتی سے انصاف کے طالب ہیں خلق خدا جانتی ہے کہ محترمہ کا قاتل کون ہے جو یقیناً اسلام کا بھی دشمن ہے اور پاکستان اور اس کی عوام کا بھی اے خونیں زمیں قاتل کا نام چھپ بھی جائے لیکن خون اپنی تاثیر ضرور رکھتا ہے لاش اپنا کردار ضرور ادا کرتی ہے کیونکہ

لاش اٹھتی ہے پھر علم بن کر
لاش چاہے کسی شہید کی ہو

وہ عظیم خاتون جو اپنے سینے پر ایک بہادر باپ اور دو بھائیوں کے غم کا داغ لیے اکستان کے طول وعرض میں مختلف اجتماعات میں تذکرہ کرتی پھر رہی تھیں جو یہ بھی جانتی تھیں کہ قاتل اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ایک عورت کو قتل کر کے کس نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی ہوگی پوری قوم یہ سوال کر ہے کیا چھپ کر وار کرنا بزدلانہ فعل نہیں ہے سیاسی جنگ کو اگر سیاست کے اندر رہتے ہوئے لڑا جاتا تو کہیں بہتر ہوتا آج محترمہ کی وفات سے ملک کو سنگین خطرات لاحق ہو گئے ہیں ان کی وفات ایک اندوہناک قومی سانحہ ہے ان کی موت سے جہاں ملک ایک عظیم سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے وہاں پیپلز پارٹی اپنی قائد سے بھی محروم ہو گئی ہے جس کا کوئی نعم

البدل ملنا ممکن نہیں۔ وہ تو قوم کی امیدوں کا سہارا تھیں لیکن خود اس سفاکانہ فعل سے اپنے آنسوؤں کے ساتھ رخصت ہوگئیں وہ تو اس ملک کو امن کا گہوارہ بنانے کیلئے 8 سالہ جلاوطنی کے بعد تشریف لائی تھیں اب اس لگی ہوئی آگ کو کون بجھائے گا جو خودکش حملوں اور بم دھماکوں سے پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔ اب عوام کے دلوں کی دھڑکن کون بنے گا؟ اب کون یہ نعرہ بلند کرے گا کہ اب راج کرے گی خلق خدا ان نعروں کو اپنے خون سے سینچ کر ملک کی آبیاری کرنے والی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہو چکی ہیں۔ وہ تو ایسے موسم میں جدا ہوئی ہیں جب درختوں کے ہاتھ خالی تھے ان کی قبر پر پھولوں کی کئی چادریں چڑھائی گئی ہیں لیکن ان کا جسدِ خاکی منوں مٹی تلے دبا دیا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو شہید کے نقش قدم پر چلنے کے سوا رہ بھی کیا گیا ہے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ جنرل ضیاء کے دور سے لے کر اب تک بھٹو خاندان کے خون کا انتخاب کیوں کیا جاتا رہا؟ شاید اس لیے کہ بھٹو (مرحوم) کے بعد پاکستان کے ہر گھر میں بھٹو پیدا ہو چکا تھا۔ اسے ختم کرنے کیلئے ایسا کیا گیا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ

یہ بازی خون کی بازی ہے
یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے بھٹو نکلے گا
تم کتنے بھٹو مارو گے

ذوالفقار علی بھٹو شہید کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کے ادھورے خواب کو پورا کیا اور اسے جاری رکھنے کیلئے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس عظیم ملک کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں ذرا بھر تامل نہیں کیا۔ اس کی وجہ وہ بہادر باپ کی بہادر بیٹی تھیں ان کا ہر قدم اس شعر کے مصداق تھا!

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا
وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں

www.bhutto.org

آج محترمہ اپنی جان قربان کر کے ہم میں موجود نہیں ہیں ان کی موت کے کیا محرکات تھے اور ماسٹر مائنڈ کون تھا؟ اس کے بارے قبل از وقت کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اس حقیقت سے کون انکاری ہے کہ وہ عالمی سطح کی ایک بے مثال لیڈر تھیں پوری دنیا کے لیڈروں نے ان کی وفات پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ہنگامی اجلاس محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے قرارداد متفقہ طور پر منظور کی ہے۔ الغرض محترمہ بینظیر بھٹو نے پاکستان کی مقبول ترین لیڈر ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے لاکھوں مداحوں، جانثاروں پر اپنی جان نثار کر کے اس دُنیا کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ وہ اپنے نظریات کو آگے بڑھاتے ہوئے قاتلوں کے گھیرے میں تو آ گئیں لیکن اپنے پیچھے اس قوم کیلئے عزم و استقلال کی ایک لازوال داستان چھوڑ ے گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور قوم کو یہ عظیم سانحہ برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔

ہفت روزہ ''کرنیں''

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بے نظیر بھٹو کامیاب ہونے کے بعد کیسا پاکستان چاہتی تھیں؟

وکیل انجم

لیاقت باغ راولپنڈی کے خودکش حملے سے ایک روز قبل بینظیر بھٹو نے پشاور کے جلسہ عام سے خطاب کیا تھا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں وہ خود بھی ایک بار قومی اسمبلی کی امیدوار بنی تھیں۔ صوبہ سرحد پیپلز پارٹی کا ہمیشہ گڑھ رہا ہے، انتخابی سیاست میں فتح شکست کے علاوہ اور پارٹی میں کئی مرتبہ ٹوٹ پھوٹ ہونے کے باوجود بینظیر بھٹو سے یہاں کے لوگوں کو بے پناہ عقیدت تھی۔ بینظیر بھٹو کی آمد سے چند روز قبل صوبہ سرحد میں ایک خوفناک خودکش حملہ ہوا تھا جس کی بینظیر بھٹو نے جلسہ عام سے مذمت کی تھی اور عوام کو بتایا تھا کہ ''اس وقت پاکستان میں خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں، افغانستان میں طالبان تورا بورا پہنچے اور اس کے بعد ہمارے علاقے غیر میں آئے، انہی کی وجہ سے آج ہمارے اپنوں پر جہازوں سے بمباری ہو رہی ہے۔'' بینظیر بھٹو جہاں طالبان کی مذمت کر رہی تھیں دہشت گردی کے خلاف آواز بلند کر رہی تھیں اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سوات اور وزیرستان میں بے گناہ افغانیوں کے بہائے جانے والے خون کی مذمت بھی کی۔ انہوں نے حکومت وقت کی پالیسیوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا اور کہا چارسدہ میں مسجد میں

www.bhutto.org

خودکش حملے سے عوام میں خوف و ہراس پھیلا ہے۔ بعض لوگ عوام کو غلام بنانے کے لیے اپنے مذموم مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔ انہوں نے موجودہ حکومت کی دہشت گردی کے خلاف مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ خوف و ہراس اس حد تک پھیل گیا ہے کہ ماضی میں جلسے شہروں اور چوراہوں میں ہوا کرتے تھے لیکن اب شہروں سے دور دراز علاقوں کے لوگ اس وجہ سے جلسوں کا رخ نہیں کرتے کہ انہیں ڈرا دیا گیا ہے۔'' بینظیر بھٹو نے جتنے بھی عام جلسے کیے اس میں سب سے زیادہ پریشانی انہیں اسی جلسے سے تھی کہ مقامی طالبان کے علاقے میں وہ دہشت گردوں اور دہشت گردی کو چیلنج کر رہی تھیں۔ حقیقت میں بینظیر بھٹو کی شہادت اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہوگئی وہ خود کہا کرتی تھیں کہ'' وہ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی ہیں جنہوں نے موت قبول کر لی لیکن کسی ڈکٹیٹر کے سامنے گردن نہیں جھکائی۔ بینظیر بھٹو اور میاں نواز شریف جو ماضی میں دو دو مرتبہ وزیر اعظم رہے اور دونوں ہی ماضی میں ایک دوسرے کے زبردست حریف رہے تھے لیکن صدر پرویز مشرف کے دور اقتدار میں وہ جلاوطن رہیں اسی جلاوطنی نے دونوں کو جمہوریت اور پاکستان کی سیاست کے حوالے سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔ دونوں لیڈروں کی جماعتیں مسلم لیگ اور پاکستان پیپلز پارٹی ایک دوسرے کی تیس سال تک حریف رہیں اسے پاکستان کی سیاست کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے سے اس قدر مخالف رہنے والی جماعتیں بحالی جمہوریت کے نام پر'' میثاق جمہوریت'' کریں گی جس میں 1973ء کے آئین کی بحالی اور پاکستان سے آمرانہ حکومت کا خاتمہ تھا۔ بینظیر بھٹو اور میاں نواز شریف نے حکومت اور ایجنسیوں کی پوری کوششوں کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی نہیں کی بلکہ 2008ء کے انتخابات کی انتخابی مہم اور جلسوں میں خطاب کا موضوع پاکستان میں عدلیہ کی بحالی اور جمہوریت کی بالادستی ہی رہی۔ یہاں تک کہ 25 دسمبر جو میاں نواز شریف کا جنم دن تھا اس دن نہ صرف بینظیر بھٹو نے ٹیلی فون پر مبارک باد دی بلکہ پھولوں کا گلدستہ بھی بھیجا اس کے جواب میں میاں نواز شریف بھی بینظیر کی لیڈر شپ کے قائل تھے اور انہیں مستقبل میں بینظیر بھٹو کو وزیر اعظم تسلیم کرنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ دونوں لیڈروں کے درمیان اعتماد کی جو فضاء قائم ہو چکی تھی اس کے اثرات کارکنوں کی سطح پر بھی سامنے آ رہے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ میاں نواز شریف انتخابی مہم کے سلسلے میں جب

www.bhutto.org

گجرات کے دورے پر گئے تو پاکستان پیپلز پارٹی کے ہزاروں کارکنوں اور مقامی لیڈروں نے میاں نواز شریف کا پیپلز پارٹی کے پرچموں کے ساتھ استقبال کیا اور ایسا ہی شاندار استقبال 29 دسمبر 2007ء کو میاں نواز شریف کا اس وقت ہوا جب وہ بے نظیر بھٹو کی شہادت پر تعزیت کے لیے لاڑکانہ گئے تھے۔ 26 دسمبر کو بینظیر بھٹو نے ارباب نیاز سٹیڈیم میں جب خطاب کیا تو انہوں نے اس موقع پر بھی اس کا اظہار کیا کہ ''پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) ہی پاکستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں، عوام ان کو ووٹ دے کر صحیح نمائندے منتخب کریں تاکہ ملک سے بدامنی، بے روزگاری، مہنگائی اور غربت کا خاتمہ کر سکیں اور یہی بات میاں نواز شریف کہتے تھے کہ محترمہ اور مسلم لیگ (ن) کو ووٹ دے کر پاکستان سے آمریت کا خاتمہ کریں۔ بینظیر بھٹو نے جتنے بھی جلسے کیے وہ اعتدال پسندی اور جمہوریت پر سب سے زیادہ زور دیتی تھیں۔''

14 دسمبر کو بینظیر بھٹو نے انتخابی جلسوں کا آغاز کرنے سے پہلے لال شہباز قلندرؒ کے مزار پر حاضری دی جہاں انہوں نے ملکی سلامتی، غربت کے خاتمہ اور جمہوریت کی بحالی کیلئے خصوصی دُعا کی اور کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی انتخابات میں ملک بھر سے کامیابی حاصل کرے گی اس موقع پر انہوں نے حکومت سے جو مطالبہ کیا وہ یہی تھا کہ الیکشن پر اثر انداز ہونے والے ناظمین اور تمام ریاستی وسائل کو استعمال کرنے سے روکا جائے جہاں انہوں نے یہ مطالبہ حکومت سے کیا اس کے ساتھ عالمی برادری سے بھی اپنے خطاب میں اپیل کی کہ وہ پاکستان میں شفاف انتخابات کے انعقاد کے لیے اپنا کردار ادا کرے اور اس سلسلہ میں دباؤ بھی ڈالا جائے۔ اسی روز محترمہ نے بلاول ہاؤس میں جرمنی کے قونصل جنرل بنس جوآشم سے ملاقات کے دوران الیکشن کے شفاف منعقد کرانے پر زور دیا۔ انہوں نے اپنی ملاقاتوں میں سندھ سے آئے ہوئے قومی اور صوبائی اسمبلی کے امیدواروں پر زور دیا کہ سرکاری امیدواروں کی دھاندلیوں کو ناکام بنانے کے لیے ہر غلط ووٹ کو چیلنج کریں۔ بینظیر بھٹو نے اسی روز یہ خدشہ بھی ظاہر کیا کہ مخالفین نے قومی اسمبلی کے ہر حلقہ میں 20 ہزار جعلی ووٹ بھگتانے کی اسکیم تیار کی ہے۔ حقیقت میں بینظیر بھٹو پاکستان میں عوامی حاکمیت اور حقیقی جمہوریت چاہتی تھیں ان کا خیال تھا کہ ہر فرد کو اپنی مرضی کے مطابق ووٹ دینے کا حق دیا جائے۔ بینظیر بھٹو کا دورہ کوئٹہ بھی تاریخی تھا جہاں انہوں نے بلوچ

رہنماؤں سے ملاقات کی تھی۔ 15 دسمبر 2007ء کو بینظیر بھٹو 12 سال کے طویل عرصے کے بعد اپنے دوروزہ دورہ پر کوئٹہ پہنچیں تو انہوں نے وہاں ایک جلسۂ عام اور ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس کے علاوہ مختلف وفود سے ملاقاتیں بھی کیں۔ انہوں نے جلسۂ عام میں جہاں ملکی مسائل کا تذکرہ کیا اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بلوچستان میں جاری آپریشن کی زوردار الفاظ میں مذمت کی اور کہا کہ پیپلز پارٹی اقتدار میں آ کر بلوچستان میں جاری آپریشن بند کرے گی اور سیاسی کارکنوں کا رہا کر دیا جائے گا۔ ہم نے ہمیشہ ظالم کر خلاف آواز بلند کی ہے اور مظلوم کا ساتھ دیا ہے۔ اب عوام کو بھی ظالم سے ٹکرانا پڑے گا۔ پیپلز پارٹی اور عوام کی جدوجہد کے نتیجے میں آج یہ ممکن ہوا کہ دو سابق وزرائے اعظم پاکستان میں موجود ہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ جنرل پرویز مشرف وردی نہیں اتاریں گے، عوام کی جدوجہد کے نتیجے میں انہوں نے وردی اتار دی۔ یہ عوام کی طاقت ہی ہے کہ اب ایمرجنسی بھی اٹھالی گئی ہے جب میں ملک میں آ رہی تھی تو دھمکی دی گئی کہ پاکستان نہ آئیں آج بھی دھمکی دی گئی کہ دو روز قبل دھماکے ہوئے ہیں۔ جلسہ منسوخ کر دیں لیکن میں ان دھمکیوں میں آنے والی نہیں ہوں۔ عوام پیپلز پارٹی کی طاقت ہیں، عوام کے لیے میں دس حکومتیں قربان کر سکتی ہیں۔ اس وقت ملک بحران میں مبتلا ہے فوج اپنے ہی ملک میں لڑ رہی ہے، ہم دھماکے ہو رہے ہیں، اس ملک میں جو بھی آمر آتا ہے وہ ججوں کو نکال دیتا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم نے کسی چیف جسٹس کو نہیں نکالا، ججوں کو بحال کر کے عدلیہ کو تین نومبر والی پوزیشن پر لایا جائے گا۔"

کوئی انٹرویو ہو یا انتخابی جلسہ بینظیر بھٹو پاکستان پیپلز پارٹی کے سیاسی فلسفے اور فکر پر بہت زیادہ زور دیتی تھیں۔ پشاور میں بھی انہوں نے کہا کہ "پاکستان پیپلز پارٹی ذوالفقار علی بھٹو کی پارٹی ہے جس میں قوم کو آئین جمہوریت صوبوں کو حقوق اور عوام کو طاقت دی۔ اس جلسہ میں انہوں نے مستقبل کا سیاسی منظر نامہ بھی پیش کیا کہ "عوام مخالف قوتیں نہیں چاہتیں کہ اقتدار عوام کے لوگوں کو ملے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ جمہوری حکومتوں پر شب خون مارا۔ آج کل نیا فیشن بنایا جا رہا ہے کہ عوامی سیاست کو روکنے اور عوام کو غلام رکھنے کے لیے تخریب کاری اور خود کش حملے کیے جا رہے ہیں تاکہ لوگ اپنی مرضی کے نمائندوں کو اقتدار تک نہ پہنچا سکیں۔ بعض

لوگ عوام کو غلام بنانے کے لیے مذموم مقاصد کو پورا کر رہے ہیں۔ بینظیر بھٹو کی تقریر کے ان فقروں کو دیکھا جائے تو خودکش حملوں کا تعلق وہ سیاست سے جوڑتی ہیں جس کا ایک ہی مقصد انہوں نے بتایا کہ ''ایسا کرنے والے چاہتے ہیں کہ ملک میں حقیقی عوامی نمائندے اقتدار میں نہ آسکیں۔'' انہوں نے یہ عزم بھی کیا کہ ''8 جنوری کا سورج پیپلز پارٹی کی فتح کی نوید لے کر طلوع ہوگا۔ پیپلز پارٹی ملک میں کٹھن سویپ کرے گی اور عوام کی طاقت سے عوامی حکومت قائم کریں گے۔'' انہوں نے اپنے خطاب میں آمرانہ حکومتوں کے سیاسی کردار پر بھی تنقید کی اور کہا کہ ''جب بھی ملک میں غیر جمہوری حکومتیں آئیں تو ملک کو نقصان پہنچا۔ ایک آمر کے دور میں مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہوا۔ دوسرے ڈکٹیٹر کے دور میں سیاچن ہم سے علیحدہ ہوا اور آج کی آمریت کے دور میں ملک میں خون خرابہ ہو رہا ہے۔ انتہا پسند بم بنا کر بے گناہ لوگوں کو مار رہے ہیں اور مساجد میں بھی عوام محفوظ نہیں۔ پشاور کے جلسے میں عوامی جوش اور پارٹی کارکنوں کا جوش دیدنی تھا اس موقع پر بینظیر نے یادگار الفاظ میں کہا ''آج ملک کو پیپلز پارٹی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ وہ جماعت ہے جو چاروں صوبوں کے عوام کی طاقت سے ملکی بقاء کی ضامن ہو سکتی ہے۔''

25 دسمبر 2007ء کو بینظیر بھٹو نے لودھراں میں بہت بڑے جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے، اس بات کا واضح طور پر اعلان کیا کہ ''پیپلز پارٹی اور آمروں کے درمیان ہمیشہ کشمکش رہی ہے کیونکہ اس نے کبھی آمروں سے سمجھوتہ نہیں کیا۔'' بینظیر بھٹو نے اپنے خطاب میں مقاصد کے حصول کیلئے جان کی بازی لگانے کا عزم کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلم لیگ آمروں کے ہاتھوں میں کھلونا بن گئی، ہر آنے والے جنرل نے اس کو استعمال کیا اور عوام کے حقوق غصب ہوتے رہے، عوام دشمن قوتیں ملک میں خانہ جنگی کرانا چاہتی ہیں اور عوام جھوٹے وعدوں سے تنگ آچکے ہیں، عوام کو ان کے حقوق دلانے اور آمروں سے نجات کے لیے اپنی جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا'' یقیناً انہوں نے اپنی جان ہار دی اور لیاقت باغ میں 27 دسمبر کا دن ان کی انقلابی جدوجہد کا دن بن گیا۔ انہوں نے اس جلسہ میں عوام سے اپیل کی تھی کہ وہ پیپلز پارٹی کا ساتھ دیں تاکہ ہم پاکستان کو جدید ترین دنیا میں لے جانا چاہتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کا یہ پیغام ہے کہ صوبوں کے پاس خود مختاری ہو اور اقلیتوں کا تحفظ حکومت کی اولین ترجیح ہو

چاہیے۔'' بینظیر بھٹو نے عوام کو خبردار کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ سازش کے تحت ملک کو ایک بار پھر توڑنے کی کوشش کی جارہی ہے جو ہاتھ ملک کے دفاع کے لیے استعمال ہونے چاہئیں وہ اپنے ہی عوام کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی واحد جماعت ہے جو خیبر سے کراچی تک ملک کو بچا سکتی ہے۔ پاکستان کا پرچم نیچے کرنے اور انتہا پسندوں کا پرچم اونچا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ انتہا پسند سوات تک پہنچ چکے ہیں اور ڈر ہے کہ مستقبل میں اسلام آباد تک ان کی رسائی نہ ہو جائے ہمارے دور میں مسجدوں، چرچوں اور دیگر عبادت گاہوں پر حملے نہیں ہوئے اور ہر طرف امن کا دور دورہ رہا۔ میں نے سرائیکی بیلٹ سے فاروق لغاری کو صدر بنایا، سرائیکی بیلٹ سے چیف جسٹس لیا لیکن جب فاروق لغاری نے پیپلز پارٹی کی منتخب حکومت کو توڑا تو انہیں دکھ ہوا حالانکہ سرائیکی بیلٹ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ لوگ جس کو بہن بنالیں اس کی عزت کرتے ہیں اور وہ اپنی بہن کی عزت کو داغ نہیں لگنے دیتے لیکن فاروق لغاری نے سرائیکی بیلٹ کی روایات کو دھبہ لگا دیا اس کے باوجود سرائیکی بیلٹ سے زبردست محبت ملی۔

بے نظیر بھٹو نے اپنا انتخابی منشور پیش کرتے ہوئے 30 نومبر کو جو ہنگامی پریس کانفرنس کی تھی اس میں انہوں نے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ ''اگر اے پی ڈی ایم کے ساتھ کسی مشترکہ لائحہ عمل پر پہنچ گئے تو انتخابات کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔'' اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے صدر پرویز مشرف کے لیے یہ پیغام بھی چھوڑا کہ اگر انتخابات منصفانہ ہوئے تو ان کے ساتھ بھی تعاون پر سوچا جا سکتا ہے۔ بے نظیر بھٹو صدر پرویز مشرف کے بارے میں میاں نواز شریف جیسے خیالات نہیں رکھتی تھیں۔ انہوں نے پاکستان میں فوج کی سیاست میں مداخلت کا گہرائی اور سنجیدگی سے نوٹس تو لیا تھا لیکن وہ اس سے نجات کے لیے حکمت کار راستہ اپنا رہی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ 2008ء کے الیکشن میں غیر جمہوری عناصر کا راستہ روکنا چاہتی تھیں۔ میاں نواز شریف نے جو اے پی ڈی ایم کے الیکشن بائیکاٹ کے فیصلے میں بے نظیر بھٹو کی شمولیت کے لیے جب محترمہ سے ملاقات کی تو محترمہ نے میاں نواز شریف کو اس بات پر قائل کر لیا کہ بائیکاٹ کی صورت میں ایسی قوتیں اقتدار میں آ جائیں گی جو ملک میں آمریت اور سیاست میں فوج کی حمایت کے نعرے لگاتی ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے قائل کرنے پر ہی میاں نواز شریف کی مسلم لیگ (ن) نے الیکشن میں حصہ لینے کا

اعلان کیا۔ بے نظیر بھٹو نے الیکشن کی پہلے سے تیاری کر رکھی تھی۔ اس سلسلے میں ان کی سینٹرل کمیٹی اور پارلیمانی بورڈز نے امیدواروں کے چناؤ کا مکمل کر لیا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے پریس کانفرنس میں جب اپنا منشور کیا اس سے ان کیا اس سے ان کے سیاسی تدبر کی جھلک نظر آتی تھی کہ وہ عوام کے لیے کتنی سنجیدگی سے سوچ رہی ہیں۔ ویسے تو انہوں نے اپنا منشور اس وقت ہی پیش کر دیا تھا جب وہ جلاوطنی کے بعد پاکستان آئیں اور کراچی ایئرپورٹ پر اس کے نکات کی وضاحت بھی کی'' بے نظیر آئی ہے روزگار لائی ہے'' انہوں نے 30 نومبر 2007ء کو بھی اپنی پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ'' ان کی جماعت آئندہ انتخابات میں تمام لوگوں کے لیے روزگار، سب کے لیے تعلیم، توانائی کی کمی کو پورا کرنا مدارس کو اسلحہ سے پاک اور مدارس کے نصاب میں اس طرح کی اصلاحات نافذ کریں گے جس سے نفرت کا خاتمہ اور بھائی چارے کو فروغ ملے گا۔ انہوں نے اپنے پروگرام اور منشور میں بھی کہا کہ غربت میں کمی کرنے کے لیے 25 فیصد غریب خاندانوں کی کفالت کا پروگرام بنائیں گے۔ منشور میں نیشنل انٹرن شپ ہیلتھ انشورنس سکیم، اپنا گھر سکیم، غربت مکاؤ پروگرام اور 50 لاکھ افراد کو قرضے دینے کا اعلان بھی کیا تھا جبکہ طلبہ یونین ختم کرنے اور مدرسہ اصلاحات کا وعدہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہر شہر اور ہر صوبے کے عوام کو برابری کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ تعلیم روزگار، توازن اور صاف فضا کے ذریعے ہم سب کو آگے جانا چاہیے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان ایک ماڈرن سٹیٹ بنے جہاں ایک خودمختار حکومت قانون کی پاسداری ہو، آزاد عدلیہ اور ایسا نظام ہو جس کے ذریعے میرٹ پر لوگ آگے بڑھیں۔ ہم ایک ایسا شہری پیدا کرنا چاہتے ہیں جو دنیا میں پاکستان کا نام روشن کر سکے۔ تعلیم کے حوالے سے ہم 25 فیصد غریب خاندانوں کے ایک ایک فرد کو ایک سال کے لیے نوکری دیں گے اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو کم از کم دو سال کی نوکری دیں گے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی پریس کانفرنس میں یہ بھی کہ کہ ہم پاکستان سے دس سال کے تمام بچوں کو 2015 تک سکولز میں لانے کے لیے کام کریں گے اور بچوں کے لیے دلچسپی پیدا کریں گے۔ وہ خود سکول کی جانب آئیں گے، مدارس میں قلم اور تعلیم کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو اپنے بھائیوں کو غیر مسلمانوں سے لڑانے کی ضرورت نہیں ہم اپنے ملک میں اقلیتوں سمیت سب کو یکجا کرنا چاہتے ہیں۔ پیپلز پارٹی نے دوبارہ حکومت میں آ کر لوڈ

شیڈنگ ختم کی جب ہماری حکومت جاتی ہے تو لوڈ شیڈنگ دوبارہ شروع ہو جاتی ہے۔ ہم توانائی کے حصول اور پیداوار بڑھانے کے لیے کام کریں گے۔ کم آمدنی والوں کو گھر بنانے کے لیے قرضے دیں گے اور 65 سال سے زائد عمر کے لوگوں کو مالی امداد دیں گے۔ خواتین کے ساتھ ناروا سلوک یا برتاؤ نہیں کر سکے گا۔ انہوں نے بیوروکریسی اور فوج میں اصلاحات لانے کا بھی اپنے منشور میں اعلان کیا اور کہا کہ زیر تربیت افسران میں جمہوریت، جمہوری اداروں اور منتخب عہدے داروں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا کیا جائے گا اور تینوں مسلح افواج کے سربراہان سے تعیناتی کے موقع پر از سر نو حلف لیا جائے گا۔ قبائلی علاقہ جات میں اصلاحات کی غرض سے صوبہ سرحد اسمبلی کو توسیع دے دی جائے گی تاکہ فاٹا کے منتخب ارکان کو سرحد اسمبلی میں نمائندگی دی جا سکے۔ پاکستان کے ریگولر قانون کو قبائلی علاقہ جات میں بھی توسیع دے کر ابتدائی طور پر فرنٹیئر کرائم ریگولیشن میں ترمیم کر کے سائیلان کو پشاور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کا حق دیا جائے گا۔ بے نظیر بھٹو نے ماضی کے مقابلے میں الیکشن 2008ء کے لیے جو منشور جاری کیا تھا وہ دوسری جماعتوں سے خاصا مختلف تھا۔ اس میں انہوں نے غریبوں کے لیے بہت سی مراعات اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جو اقدامات تجویز کیے تھے اور فاٹا کے عوام جو اپنے حقوق سے 60 سال سے محروم تھے ان کو دینے کا جو وعدہ کیا تھا اس سے بہت بااثر اور بااختیار لوگوں کو اختلاف تھا جس روز بے نظیر بھٹو نے اپنے منشور کا اعلان کیا تھا عین اسی روز انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لیے اے پی ڈی ایم کو جو اپوزیشن جماعتوں کا بڑا اتحاد تھا اس سے جمہوریت کی بحالی اور انتخابات میں حصہ لینے یا نہ لینے کے سوال پر مشترکہ لائحہ عمل اپنانے کی دعوت بھی دی۔ انہوں نے اس اعتراض کا واضح الفاظ میں بھی جواب دیا کہ "ہم نے حکومت سے ڈیل نہیں ڈائیلاگ کیے جس کے نتیجہ میں آج صدر مملکت بغیر وردی کے ہیں" اس بات کا کریڈٹ یقیناً بے نظیر بھٹو کو ضرور جاتا ہے۔

جنگ "سنڈے میگزین"

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

محترمہ بے نظیر بھٹو..... شہید جمہوریت

ہمایوں زمان مرزا

آج میں اور آپ ہی سوگوار نہیں اس تاریخی المیہ، پر تاریخ بھی ماتم کر رہی ہے۔ سفاک دہشت گردوں نے آج تیسری دُنیا کی عظیم لیڈر، اسلامی امہ کی پہلی مسلمان وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو شہید جیسی عظیم ہستی کو ہم سے چھینا جو پاکستان کی وفاق کی علامت، غریب، پسماندہ اور مظلوم عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کا محور اور مرکز تھیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید اپنی طبعی عمر پوری کر کے ہمیں ایسے سخت امتحان میں ڈال گئیں کہ آج مجھے ہی نہیں ہر اہل علم و دانش کو پاکستان کے وفاق میں بڑھتی ہوئی دراڑیں نہ صرف شدت سے نظر آ رہی ہیں بلکہ ان کے مضمرات بھی اہل فکر کی نیندیں اڑا دینے کیلئے کافی ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید خوش قسمت انسان تھیں جنہوں نے تیسری دُنیا عظیم مدبر، دانشور، پیپلز پارٹی کے بانی چیئرمین قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو شہید اور اپنی عظیم ماں بیگم نصرت بھٹو سے مکتب سیاست کی تربیت حاصل کی اور آکسفورڈ یونیورسٹی جیسی معروف درس گاہ سے قانون، بین الاقوامی سیاست، اقتصادیات اور ڈپلومیسی جیسے اہم شعبوں میں اعزاز کے ساتھ اعلیٰ ترین ڈگریاں حاصل کیں اور وہ آکسفورڈ یونین کی صدر بھی منتخب ہوئیں۔ وطن عزیز پاکستان کے پہلے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت کے آخری ایام میں پاکستان میں تشریف

www.bhutto.org

لائیں اور اپنی خواہش کے مطابق وزارت خارجہ میں بین الاقوامی امور، خارجہ پالیسی اور روزمرہ کے معاملات کو سمجھنے اور پرکھنے کے لیے وزارت خارجہ میں شمولیت اختیار کی۔ اپنے عظیم والدین کے ساتھ نوعمری میں ہی مختلف قد آور بین الاقوامی شخصیات اور کئی تاریخ ساز مراحل میں وزیر اعظم پاکستان شہید ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ شامل رہیں۔

قائد عوام شہید بھٹو نے نہ صرف آپ کی اعلیٰ سیاسی تربیت کی بلکہ اپنے آخری ایام میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو لکھے گئے اپنے خطوط میں جو بعد میں My Dearest Daughter کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔ ان تاریخی خطوط میں نا صرف بے نظیر بھٹو شہید کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اعتراف ہے بلکہ ذوالفقار علی بھٹو نے ان خطوط میں دیگر ہدایات، مشورے کے علاوہ دو باتیں بڑی خصوصیت کے ساتھ کہیں تھیں۔ بھٹو شہید کی دور بینی نگاہوں اور اعلیٰ فہم فراست نے 1978ء میں ہی صدی کے اختتام پر بین الاقوامی سیاسی پس منظر کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ دیا تھا کہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا میں قوم پرستی اور مذہب کے نام پر سیاست کا آغاز ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ 1990ء میں (USSR) کے خاتمے کے بعد سرد جنگ ختم ہوگئی اور واقعی قوم پرستی اور مذہبی سیاست نے جڑیں پکڑ لیں۔ انہی خطوط میں جناب بھٹو شہید نے بے نظیر بھٹو شہید کو اپنی سیاسی سوچ کا وہ اعلیٰ نقطہ بھی دیا جو ہمیشہ قائد عوام کا مطلع نظر رہا اور یہی پیغام بے نظیر بھٹو شہید کے سامنے بھی رہا۔ آپ نے زیرک، محرک، دلیر، بہادر بیٹی کو بتایا کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے لیکن سیاست میں جنت عوام کے قدموں تلے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی ہمیشہ عوام کی طاقت پر یقین رکھتی ہے اور ڈرائنگ روم میں نہیں بلکہ عوام کے درمیان کھلے میدانوں میں فیصلے کرنے کو فخر سمجھتی ہے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت عوام میں رہ کر زندہ رہتی ہے اور آج محترمہ بے نظیر بھٹو شہید نے عوام کے اندر ہی عوام کے نعروں کا جرات مندانہ اور دلیرانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر جواب دیتے ہوئے شہادت کا عظیم رتبہ پایا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی منتخب حکومت کا تختہ الٹتے ہوئے جب آمر مطلق جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کیا تو محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو 1977ء سے 1984ء تک گھر پر نظر بند کر دیا

گیا۔ 1984ء میں بے نظیر بھٹو شہید جلاوطن ہو کر لندن تشریف لے گئیں۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد جب ملکی آئین بحال ہوا تو محترمہ بے نظیر بھٹو نے 1986ء میں وطن واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ محترمہ نے اپنی جلاوطنی سے وطن پہنچنے پر لاہور میں بے نظیر بھٹو شہید کا وہ تاریخی اور تاریخ ساز استقبال کیا گیا جس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ دنیا کی تاریخ ایسے عظیم استقبال کی مثال پیش نہیں کر سکتی جیسا فقید المثال استقبال ان کا ہوا تھا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو اپنی 8 سالہ جلاوطنی کے بعد جب کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اتریں تو پاکستان بھر، آزاد جموں و کشمیر، شمالی علاقہ جات سمیت دیگر صوبوں سے 35 لاکھ سے زائد افراد نے اپنی لیڈر کا تاریخی استقبال کیا طویل جلاوطنی کے بعد جنرل مشرف کی قیادت میں پلنے والے سیاسی یتیموں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ ملک کے اندر دہشت گردی ان ہی سیاسی دشمنوں اور نااہل کرپٹ مشیروں، وزیروں، وزرائے اعلیٰ کی پیدا کردہ ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید نے تاریخی استقبال میں بھی ان پر قاتلانہ حملے کی بھرپور کوششیں کی گئی لیکن پیپلز پارٹی کے بہادر، جرأت مند کارکنوں اور جیالوں نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے آپ کی جان کا تحفظ کیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی پاکستان آمد سے پہلے ہی مقتدر حکومتی اداروں، ایجنسیوں نے آگاہ کیا کہ آپ کی جان کو خطرہ ہے لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو شہید نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعے اپنی آمد سے قبل چند بااثر حکومتی افراد کی طرف سے اپنی جان کو لاحق خطرات سے بروقت آگاہ کر دیا تھا۔ بے نظیر بھٹو شہید ایک بہادر، نڈر اور اعلیٰ سیاسی پائے کی نامور لیڈر تھیں۔ انہوں نے قاتلانہ حملے کی دھمکیوں اور اپنی جان کو لاحق خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پاکستان کے محکوم، مظلوم اور پسماندہ عوام کے ساتھ اپنے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے لمحہ بہ لمحہ اپنی جماعت کی انتخابی مہم پوری قوت کے ساتھ بے باک انداز میں چلا رہی تھیں۔

شہید جمہوریت محترمہ بے نظیر بھٹو نے 18 اکتوبر سانحہ کارساز کراچی کے باوجود یہ جانتے ہوئے کہ ان کی جان خطرے میں ہے ملک میں جمہوریت کے قیام اور انسانیت کی سربلندی اور پاکستانی عوام کو درپیش خطرات اور مشکلات کے خاتمے کیلئے اپنے آپ کو شب و روز

معروف عمل رکھا اور کسی بھی لمحے دہشت گرد آپ کو خوفزدہ نہ کر سکے۔ آپ نے سندھ، بلوچستان، سرحد کے بعد 27 دسمبر کو راولپنڈی کے تاریخی مقام "لیاقت باغ" میں تاریخ ساز انتخابی جلسہ عام سے خطاب کیا جو بدقسمتی سے بے نظیر بھٹو شہید کا آخری جلسہ ثابت ہوا۔ اس تاریخی جلسے میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید نے تاریخی تقریر کو پاکستان کے وفاق اور سلامتی کے حوالے سے ہی اپنے خدشات کا کھل کر اظہار کیا۔

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید نے پاکستان پیپلز پارٹی کی ملکی دفاع اور سلامتی کیلئے کوششوں اور کارناموں سے تفصیلی آگاہ کیا۔ بے نظیر بھٹو شہید کی یہ تقریر ایک طرح سے "تاریخی منشور" کا درجہ رکھتی ہے۔ بلاشبہ پاکستان پیپلز پارٹی واحد بڑی سیاسی جماعت ہے جو چاروں صوبوں، آزاد جموں و کشمیر، شمالی علاقہ جات، قبائلی علاقوں میں یکساں مقبول ہے اسی لیے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو وفاق پاکستان کی زنجیر اور پاکستانی عوام کی تقدیر تسلیم کیا گیا ہے۔

آج ہم اہل جموں و کشمیر ہی نہیں پاکستان کے 17 کروڑ عوام بھی وفاق کی اس زنجیر کے شہید ہونے پر ملال ہے، جن ظالم قوتوں نے بھی فائرنگ اور خودکش حملے سے بے نظیر بھٹو شہید کی جان لی وہ دراصل اسلام، پاکستان اور کشمیر کے دشمن ہیں۔ دکھ اس بات کا ہے کہ حکومت کوئی اعلیٰ عدالتی تحقیقاتی کمیشن کا قیام عمل میں لاتی۔ وزارت داخلہ کے ترجمان بریگیڈیئر چیمہ نے جس طرح پے در پے بیانات بدل کر اس عظیم سانحے کو متنازعہ بنانے کی کوشش کی ہے وہ یقیناً قابل مذمت ہی نہیں بلکہ حکومت کی طرف سے شکوک کے دروازے کھول رہی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیادت ایسے کسی بھی سرکاری اعلامیے کو مسترد کر چکی ہے اور 17 کروڑ عوام بھی حکومتی باتوں پر اعتماد چھوڑ بیٹھے ہیں۔

بے نظیر بھٹو شہید کی شہادت کے بہت سارے اثرات بلاشبہ بین الاقوامی تھے۔ عالمی سطح پر تیل اور سونے کی قیمتیں بڑھ گئیں جب کہ پاکستان کی سلامتی اور جمہوریت عالمی برادری کے لیے تشویش کا باعث بن گئی۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، چین، سعودی عرب سمیت متعدد ممالک نے ان کی شہادت پر شدید غم و غصے اور افسوس کے پیغامات بھیجے۔ افغانستان جیسے ملک جس سے جنرل مشرف کے زیر سایہ سیاسی قیمتوں کی حکومت کبھی اچھے تعلقات قائم نہ کر سکی۔ حامد

www.bhutto.org

کرزئی سے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی آخری ملاقات نے اس حکومت کو قومی سوگ منانے اور اپنا پرچم سرنگوں کر دینے پر آمادہ کر دیا۔

آج محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے بارے میں لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ ہاتھ اور ذہن میں رابطہ نہیں کہ تحریر کر سکوں، ذہن مفلوج ہے، آنکھیں ویران ہیں، دل پریشان ہے۔ عالمی سطح پر جو شہرت، عزت محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو بخشی گئی ایسی تاریخی شہرت بہت کم عالمی لیڈروں کو ملی ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت پاکستان کی تاریخ کا وہ عظیم المیہ ہے جو لفظوں میں بیان کرنا نہایت مشکل ہے۔ بلاشبہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید وفاق کی علامت تھیں اور پاکستانی عوام کی تقدیر ان سے منسوب تھی ان کی شہادت پاکستانی قوم کیلئے ایک ایسا دھچکا ہے جسے سنبھلنا کسی کیلئے بھی آسان نہیں ہے۔ بے نظیر بھٹو کروڑوں، مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، ہاریوں، محنت کشوں اور غریب عوام کی مقبول ترین قائد تھیں۔ عوام سے اپنی لازوال محبت اور جذباتی لگاؤ ہی انہیں نعروں کا جواب دینے کیلئے اپنی گاڑی سے باہر نکلنے پر مجبور کر بیٹھا۔ پاکستان اور پاکستانی عوام کیلئے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی قربانی رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(اقبالؒ)

اوصاف سنڈے میگزین
6 جنوری 2008ء

بے نظیر بھٹو کی قاتل خونی سیاست......

علی عباس

سال رواں کے آخری ہفتہ میں ملکی تاریخ کا انتہائی المناک واقعہ رونما ہوا جب راولپنڈی میں ملک کی مقبول عام راہنما، سابق وزیراعظم اور پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن نے نظیر بھٹو کو راولپنڈی میں فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ عام تاثر یہی ہے کہ اس اندوہناک واقعہ کے پس پردہ انتہا پسند عناصر کا ہاتھ ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے خونیں حادثے کا ذمہ دار انتہا پسندوں کو ٹھہرایا۔ انہوں نے کہا ''محترمہ بینظیر بھٹو لیاقت باغ میں ایک ظالم، دہشت گرد درندے کے ہاتھوں ہلاک ہو گئیں۔ میں اس واقعہ کی شدید مذمت کرتا ہوں۔ میری دعائیں اور ہمدردیاں بے نظیر کے بچوں بلاول، بختاور اور آصفہ کے ساتھ ہیں۔ میری ہمدردی ان بے گناہ ہم وطنوں کے ساتھ ہے جن کے عزیز اس دہشتگردی کا نشانہ بنے۔ اللہ انہیں جنت نصیب کرے۔ میں محترمہ بینظیر بھٹو کے سوگ میں تین دن کے قومی سوگ کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ انہی دہشتگردوں کا کام ہے جن سے ہم جنگ کرتے رہے ہیں۔ پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ ان دہشت گردوں سے ہے۔''

لیکن بابر اعوان کا کہنا تھا کہ ''بے نظیر کی موت ٹارگٹ کلنگ کا نتیجہ ہے۔ راولپنڈی میں

www.bhutto.org

جلسے سے قبل وہ اپنی سکیورٹی کے حوالے سے خاصی فکرمند تھیں۔'' سانحہ راولپنڈی سے کچھ دیر پہلے نواز شریف کے انتخابی جلسے پر راولپنڈی کے کرال چوک کے قریب نامعلوم افراد کی فائرنگ کے نتیجہ میں چار افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہو گئے تھے۔ کچھ تجزیہ کاروں کی طرف سے خدشات ظاہر کئے جا رہے ہیں کہ ان واقعات کو انتخابات کی معطلی کے لیے جواز کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔'' اٹارنی جنرل جسٹس (ر) ملک قیوم نے کہا ہے کہ'' انتخابات کا انعقاد خطرے میں پڑ گیا ہے۔''

قبل ازیں رواں سال 18 اکتوبر کو بے نظیر کی وطن واپسی کے موقع پر ان کے استقبالی جلوس میں خودکش حملے میں 150 افراد ہلاک ہو گئے تھے جبکہ متعدد زخمی ہوئے تھے۔ جس کے بعد حکام کی طرف سے کہا گیا کہ خودکش بم دھماکہ کے پس پردہ طالبان کمانڈو بیت اللہ محسود کا ہاتھ ہے۔ اس حوالے سے بیت اللہ محسود سے منسوب ایک بیان بھی اخبارات میں شائع ہوا جس میں کہا گیا تھا کہ'' وہ کراچی میں بینظیر کے استقبالی قافلے پر خودکش حملہ کر سکتے ہیں۔'' لیکن کراچی بم دھماکے کے بعد طالبان کے ترجمان نے اس واقعہ کی تردید کر دی تھی۔ بے نظیر بھٹو کی طرف سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ'' انہیں طالبان سے خطرہ نہیں، بلکہ اسٹیبلشمنٹ کے جہادی عناصر سے خطرہ ہے۔''

18 اکتوبر کو بھٹو کی عظیم بیٹی پاکستان کے محروم طبقات کی جنگ لڑنے کے لیے وطن واپس لوٹی تھیں۔ اس سے قبل بے نظیر بھٹو کے والد اور ملک کے پہلے منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو بھی استحصالی قوتوں سے جنگ لڑتے ہوئے ایک خودساختہ مقدمے میں پھانسی دے کر عدالتی قتل کی بھینٹ چڑھا دیئے گئے۔ بھٹو کے دونوں بیٹے بھی ایسی ہی سازش کا شکار ہوئے تھے۔ میر مرتضیٰ بھٹو بے نظیر کے دوسرے دور اقتدار میں دن دیہاڑے ہلاک کر دیئے گئے تھے۔

اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی ورثے کو بے نظیر نے آگے بڑھایا لیکن سول اینڈ ملٹری بیوروکریسی نے ان کی زندگی بھی اجیرن بنا دی۔ انہیں دو مرتبہ کرپشن کے الزامات کے تحت وزارت عظمیٰ سے ہٹایا گیا۔ طویل عرصہ تک ان کے شوہر آصف علی زرداری کو نظر بند جبکہ خود انہیں وطن اور عوام سے دور رکھا گیا۔ لیکن بے نظیر بھٹو کی جدوجہد میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ انہوں

نے بہادری سے استحصالی قوتوں کے خلاف اپنی جنگ جاری رکھی۔

وطن واپس لوٹنے سے پہلے بے نظیر نے ایک خط لکھا تھا کہ "اگر میں ہلاک کر دی گئی تو اس کی ذمہ داری تین حکومتی شخصیات پر عائد ہوگی۔" لیکن انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ کراچی میں جب ان کے استقبالی جلوس پر خودکش حملہ ہوا تھا تو اس وقت جانثاران بے نظیر نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی راہنما کی جان بچائی تھی۔ بے نظیر بھٹو نے خودکش حملے کی ذمہ داری "ضیاء الحق کی باقیات" پر عائد کی اور کہا کہ کراچی میں ہونے والے بم دھماکے میں انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل بریگیڈیر اعجاز سمیت تین حکومتی شخصیات ملوث ہیں۔ مختلف حلقوں کی طرف سے پیپلز پارٹی کی قائد کے اس بیان کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا اور کہا گیا کہ بے نظیر بھٹو انتقامی سیاست کر رہی ہیں۔ حکومت کی طرف سے کہا گیا کہ کراچی خودکش بم دھماکہ انتہا پسندوں کی کارروائی ہے لیکن بے نظیر بھٹو پر قاتلانہ حملہ کیوں کریں گے؟"

بے نظیر بھٹو نے کراچی خودکش بم دھماکے کے اگلے روز اپنی پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ "ان کے استقبالی جلوس پر ہونے والے دونوں خودکش حملے اور حملہ آوروں کا مقصد انہیں اور ان کے ساتھیوں کو ختم کرنا تھا۔ پیپلز پارٹی کے استقبالی جلوس پر حملے تمام سیاسی جماعتوں کے لیے ایک پیغام ہیں کہ وہ اپنی انتخابی مہم آزادانہ طریقے سے نہ چلائیں۔ تاہم پیپلز پارٹی اپنے جلسے جلوسوں کے ذریعے سیاسی عمل جاری رکھے گی۔" بے نظیر بھٹو نے مزید کہا تھا کہ "انہوں نے 16 اکتوبر کو صدر جنرل پرویز مشرف کو ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا تھا کہ اگر مجھے کچھ نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری تین حکومتی شخصیات پر عائد ہوگی۔ خط میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بظاہر حملہ کوئی بھی تنظیم کرے لیکن اصل ذمہ داری ان تین شخصیات پر عائد ہوگی۔ جن شخصیات کی نشاندہی کی گئی ہے وہ اپنے عہدوں کا غلط استعمال کر سکتے ہیں۔" انہوں نے خودکش حملے کے بارے میں بتایا تھا "ہمارا جلوس جیسے ہی آگے بڑھا اور جب شام کا سورج ڈھلنا شروع ہوا تو اچانک شاہراہ فیصل کی سٹریٹ لائٹس بند ہو گئیں۔ یہ ایک پراسرار واقعہ تھا کہ سٹریٹ لائٹس کیوں بند ہوئیں۔"

بے نظیر بھٹو نے کراچی بم دھماکے کی تحقیقات غیر ملکی ماہرین سے کرانے کا مطالبہ کیا تھا

www.bhutto.org

لیکن حکام نے عذر پیش کیا کہ "پاکستانی تفتیش کار قابل ہیں اور غیر ملکیوں سے مدد لینا اپنے افسران اور نظام تفتیش پر عدم اعتماد ظاہر کرنے کے مترادف ہے۔"

پیپلز پارٹی کی قیادت کی طرف سے ایک انٹیلی جنس سربراہ کو کراچی خودکش حملے میں ملوث قرار دینا ایک حساس معاملہ تھا لیکن حکومت نے اس حوالے سے بھی کوئی عملی اقدام نہیں اٹھایا تھا۔ واضح رہے کہ ماضی میں بھی اپوزیشن راہنما خفیہ ایجنسیوں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ اکرم درانی کی جانب سے بھی خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کو وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بم نصب کرتے وقت رنگے ہاتھوں پکڑنے کا دعویٰ کیا گیا تھا۔

پاکستان میں گزشتہ چند برسوں میں ان گنت خودکش اور ریموٹ کنٹرول بم حملوں میں سینکڑوں لوگ ہلاک ہو چکے ہیں لیکن صدر جنرل پرویز مشرف پر ہونے والے حملوں کے علاوہ کسی بھی واقعہ کے پس پردہ عوامل سے اب تک پردہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ شاید اسی لیے بعض تجزیہ کار کہتے ہیں کہ بانی پاکستان محمد علی جناح کی مبینہ مشکوک حالات میں واقع ہونے والی موت ہو یا پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو گولی مار کر قتل کر دینا، فوجی صدر ضیاء الحق کی سینئر فوجی جرنیلوں سمیت فضا میں طیارہ پھٹنے سے ہونے والی ہلاکت ہو یا مرتضیٰ بھٹو کا قتل، تفتیش کے لیے بننے والی کمیٹیاں اور عدالتی کمیشن آج تک ان ہولناک واقعات کے پس پردہ عناصر کی کھوج میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف پر حملوں کی بھی تحقیقات شاید اس لیے منطقی انجام تک پہنچی تھیں کہ وہ زندہ بچ گئے تھے اور ان کے پاس صدر اور آرمی چیف کے اہم عہدے بھی تھے۔ صدر مشرف پر حملوں میں ملوث کالعدم انتہا پسند جماعت سے تعلق رکھنے والے امجد فاروقی سمیت کچھ ملزمان کو مقابلے میں مار دیا گیا تو کچھ کا ٹرائل کر کے انہیں سزائیں دی گئی تھیں۔

سانحہ راولپنڈی سے کچھ روز قبل وزارت داخلہ کو لکھے گئے ایک خط میں رحمان ملک نے شکایت کی تھی کہ "انہیں فراہم کیے گئے جیمرز نے گیارہ دسمبر کو اسلام آباد سے مردان سفر کے دوران کام نہیں کیا" ایک دوسرے خط میں پیپلز پارٹی نے وزارت داخلہ سے اٹھارہ اکتوبر کو کراچی میں پیپلز پارٹی کے جلوس میں خودکش حملے کی اب تک کی تحقیقات سے مطلع کرنے کی

www.bhutto.org

درخواست بھی کی تھی۔ کراچی خودکش بم دھماکے کے بارے میں اب تک کوئی واضح تحقیقاتی رپورٹ سامنے نہیں آئی۔

4اپریل 1979ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو راولپنڈی میں پھانسی دی گئی تھی۔ 27دسمبر 2007ء کو راولپنڈی میں ہی بے نظیر بھٹو کے انتخابی جلسے میں ہونے والے خودکش بم دھماکے اور فائرنگ میں پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو ہلاک ہوگئیں۔ یہ وہی لیاقت باغ ہے جس میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کو 1951ء میں گولی مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔

سابق گورنر پنجاب غلام مصطفیٰ کھر نے کراچی بم دھماکوں کے بعد ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ "بے نظیر بھٹو کو سندھ میں نہیں، پنجاب لے جا کر مارا جائے گا" ان کے یہ الفاظ حرف بحرف درست ثابت ہوئے اور بے نظیر بھٹو سندھ کے جان لیوا حملے میں بچ گئیں لیکن پنجاب کے شہر راولپنڈی میں بینظیر بھٹو پر ہونے والا حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔

بے نظیر کی ہلاکت کی اطلاع پہنچتے ہی کراچی، لاہور، کوئٹہ اور پشاور سمیت ملک کے دیگر تمام شہروں میں پیپلز پارٹی کے کارکن سڑکوں پر نکل آئے۔ سندھ کے مختلف اضلاع سے بھی شدید عمل سامنے آیا اور ملک کے مختلف شہروں میں فسادات اور ہنگامے بھی پھوٹ پڑے۔ لیاری میں خواتین نے سڑکوں پر نکل کر سینہ کوبی کی اور سال کے آخری دنوں میں سارا ملک سوگوار ہوگیا۔

مختلف قومی اور عالمی راہنماؤں کی طرف سے بے نظیر کی ہلاکت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ سابق وزیراعظم میاں نواز شریف نے کہا "میں قوم کے غم میں شریک ہوں۔ بے نظیر کی ہلاکت ایک ایسا سانحہ ہے جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کا کہنا تھا "پاکستان کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔ ان لوگوں کے لیے سب سے بڑا سانحہ ہے جو ملک میں جمہوریت دیکھنا چاہتے ہیں میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ سندھ کے دوسرے وزیراعظم کو راولپنڈی میں قتل کیا گیا اور اب سندھ کی بیٹی کو قتل کر دیا گیا۔" قاضی حسین احمد نے کہا کہ "ذوالفقار علی بھٹو، میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کے بعد یہ بھٹو خاندان کے لیے ایک

www.bhutto.org

بڑا سانحہ ہے۔ پرویز مشرف فوری طور پر مستعفی ہو جائیں کیونکہ وہ اس کے ذمے دار ہیں۔'' آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل کا کہنا تھا'' یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ مشرف حکومت مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ بے نظیر بھٹو ایک بہادر خاتون تھیں۔''

وائٹ ہاؤس کے ترجمان سکاٹ سٹانزل نے صدر بش کے حوالے سے کہا'' امریکی صدر بش نے بے نظیر بھٹو کی ہلاکت کی سخت مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ انتہا پسندوں کا انتہائی سنگدلانہ اقدام ہے۔ انہیں کٹہرے میں لایا جانا چاہیے افغان صدر حامد کرزئی نے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا'' بے نظیر بھٹو نے پاکستان اور خطے کی خوشحالی کے لیے اپنی جان قربان کر دی ہے۔'' بھارت وزیر اعظم منموہن سنگھ نے واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا'' برصغیر ایک عظیم راہنما سے محروم ہو گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے ملک میں جمہوریت اور مفاہمت کے فروغ کے لیے ناقابل فراموش کردار ادا کیا تھا۔'' اطالوی وزیر اعظم رومانو پروڈی نے کہا'' میں اور پوری اطالوی حکومت بے نظیر بھٹو کی ہلاکت پر افسردہ ہے۔ بے نظیر بھٹو ایک ایسی خاتون تھیں جنہوں نے صرف ایک ہتھیار سے جنگ لڑی اور وہ ڈائیلاگ اور سیاسی بات چیت کا ہتھیار تھا۔'' ایرانی وزارت خارجہ کے ترجمان محمد علی حسینی نے کہا'' ہمیں امید ہے کہ پاکستانی حکومت اس اندوہناک سانحہ کے پس پردہ عوامل کو جلد بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔'' روس کی وزارت خارجہ نے واقعہ کی مذمت اور بھٹو خاندان سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے کہا'' پاکستانی حکومت ملک میں قیام امن کے لیے ضروری اقدامات کرے گی۔''

سنڈے وقت

30 دسمبر 2007ء

www.bhutto.org

پیپلز پارٹی کی بیل پر ہمیشہ درد کے پھول کھلتے رہے

انوار فطرت

اگر یوں کہا جائے کہ پیپلز پارٹی اپنے آغاز سے ابتلاؤں سے دوچار رہی ہے تو ایک غیر جانب دارانہ نقطۂ نظر رکھنے والا شخص شاید ہی انکار کر سکے۔ اس پارٹی کو ہمیشہ سے نامساعد حالات سے ٹکر لینا پڑی ہے۔ اپنی جڑیں عوام میں رکھنے والی اس جماعت کی بیلوں پر ہمیشہ درد ہی کے پھول کھلتے رہے ہیں۔ ایک آمر کے عہد میں اس کی پیدائش ہوئی اور چند برسوں میں اس نے ایسا قد کاٹھ نکالا کہ باید و شاید۔ چند سے اقتدار کی آغوش میں جھولی اور پھر ایک اور آمر کا عہد اس پر مسلط ہو گیا۔ بانی نے دار پر شہادتوں کا سلسلہ اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہی بن کر رہ گیا۔ ایک جہاں نے اس پر خنجر زنی کا سلسلہ جاری رکھا لیکن ہر بار اس کے کارکنوں نے اپنے قائدین کے لہو میں شامل کر کے اس کے گل و لالہ کو شاداب رکھا۔ ان کارکنوں کا امتیاز یہ ہے کہ لفظ "جیالا" کے معانی ہی ان کے لیے مخصوص ہو گئے۔ یہ کارکن دن ہو یا رات قہر برساتا سورج ہو کہ برف جماتی

www.bhutto.org

دسمبر کی راتیں، بارش ہو یا طوفان، اپنی قیادت کی پکار کے لیے اپنے کان بیدار رکھتا ہے اور زبان "لبیک" کہنے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ جیالوں کی یہ فوج ظفر موج اپنی ناداریوں اور عسرتوں کے باوجود نہ ستائش کی تمنا رکھتی ہے نہ صلے کی پروا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اپنا ہی ایک مزاج ہے جو زمانے بھر سے نرالا ہے۔ ایسا بہت ممکن ہے کہ پارٹی پر ابتلا کا دن آ جائے تو یہ اپنا لہو نذر کر دیں اور جب جماعت اقتدار میں ہو تو یہ روٹھ جائیں۔ یہ جہدِ مسلسل میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ ہمیشہ کسی چیلنج کے انتظار میں رہتے ہیں۔ ایسے کارکن پارٹیوں کو کم ہی نصیب ہوتے ہیں لیکن جب یہ لوگ اپنی جانیں نچھاور کر دیتے ہیں تو ان کے لواحقین کا پریشان حال بھی کوئی کم ہی ہوتا ہے ضرورت تا کہ جب یہ پروانے اپنی شمع پر راکھ ہو جائیں تو ان سے پس ماندگان بے نیل و مرام نہ رہ جایا کریں۔

○ آصف ثمر راجپوت

25 سالہ آصف ثمر راجپوت شہید پیپلز پارٹی کے انتہائی سرگرم کارکن اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ انتہائی مدلل گفتگو کرتے تھے۔ اپنے چہرے مہرے سے بڑے مضبوط اور اٹل ارادے کے مالک دکھائی دیتے تھے۔ مذہب کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے انتہائی پابند تھے۔ اپنے پانچ بہن بھائیوں میں غالباً سب سے چھوٹے تھے۔ دو مضامین میں ماسٹر کیا تھا اور آج کل اصغر مال روڈ پر پراپرٹی کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن راول پنڈی ڈویژن کے صدر رہے اور شہادت سے قبل یو سی ون کے چیئرمین تھے۔ لگ بھگ ڈیڑھ برس قبل رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے تھے۔ اپنے پیچھے ایک نوجوان بیوہ کو عمر بھر کے لیے اپنی یادیں سونپ کر رخصت ہو گئے۔ ایک بہت مہربان شوہر، سعادت مند بیٹے، فرماں بردار اور لاڈلے بھائی بتائے جاتے ہیں۔ یہ بطور جنرل کونسلر اپنے علاقے کے مسائل کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ علاقے کے لوگ انہیں بہت معاونت کرنے والا کونسلر قرار دیتے ہیں۔ جب کہ ان کے دوست احباب انہیں ہم درد، غم گسار، نڈر اور بے باک شخصیت کے طور پر یاد کرتے ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے جلسے کے لیے بنائے جانے والے اسٹیج کے انتظامات

www.bhutto.org

کرنے والی کمیٹی کے رکن تھے اور پورے جلسے کے دوران اپنی ذمہ داریوں سے بہ طریقِ احسن عہدہ برآ ہوئے۔ جلسے کے اختتام کے بعد جب محترمہ بے نظیر بھٹو واپسی کے لیے دیگر قائدین کے ہمراہ گاڑی میں روانہ ہوئیں تو شہادت انہیں بھی اس ہجوم میں کشاں کشاں لے گئی۔ جہاں ان کے قائد نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کی، وہاں یہ بانکا بھی شمعِ جمہوریت پر فدا ہو گیا اور اپنے یوسی کے باسیوں کو اپنی جواں مرگی پر سوگوار کر گیا۔

○ ممتاز حسین

ممتاز حسین اپنے دوستوں میں تاجی کے نام سے معروف تھے اور جیسا کہ معمول ہے کہ ایک نیک دل غریب آدمی اچھے دنوں کے خواب سینت سینت کر رکھتا ہے۔ اسی طرح ممتاز بھی اکثر اپنے خوب صورت خوابوں کی دنیا میں رہتے تھے لیکن وہ بے عمل آدمی نہیں تھے اور اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشاں بھی رہتے تھے۔ سیاسی ذہن رکھتے تھے اور قائدِ عوام ذوالفقار علی بھٹو شہید والی پیپلز پارٹی کے منشور کو اپنے دل و دماغ کے قریب تر محسوس کرتے تھے، جس زمانے میں پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی گئی، ممتاز حسین سترہ اٹھارہ برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ جہاں خلقِ خدا ہجوم در ہجوم بھٹو شہید کی پکار پر پیپلز پارٹی میں شریک ہو رہی تھی، وہاں اپنے ملک و قوم کے لیے خوب صورت خواب دیکھنے والا یہ نوجوان بھی اسی پارٹی میں شامل ہو گیا اور پھر اپنی عمر کی آخری گھڑی تک اسی پارٹی سے وابستہ رہا۔

محترمہ کے جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے جہاں دیگر کارکن کوشاں رہے، وہاں اٹھاون سالہ ممتاز بھی جی جان سے شب و روز کام کرتا رہا اور بالآخر 27 دسمبر کے دن نہا دھو کر اپنے جوشیلے ساتھیوں کے ہم راہ مقتل کی طرف روانہ ہوا، آج وہ ایک عرصے کے بعد اپنی قائد کو اپنی آنکھوں کے سامنے تقریر کرتا دیکھنے والا تھا۔ جذبات کی فراوانی سے اس کا سینہ نوجوانوں کی طرح تنا ہوا تھا۔ آج اس کی زبان سے نعرے پھسلے پڑتے تھے۔ جلسہ ہوا، کامیاب جلسہ ہوا۔ اس نے اپنی قائد کو خوب خوب آنکھوں کی راہ دل میں بسایا۔ قائد کا ایک ایک لفظ اس کے اندر گونج رہا تھا کہ اچانک سیلِ اجل آ گیا۔ نہ تو اس کی قائد رہی نہ وہ خود، نہ جنتوں رہا نہ پری رہی۔ خدائے عصر والا عصر ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کے حسین خوابوں کی تعبیر مل پائے گی یا وہ بھی اس کے ساتھ شہید ہو گئے۔

www.bhutto.org

ممتاز کی عمر 58 سال کے لگ بھگ تھی، وہ ایک تیرا سالہ بچی اور تین چھوٹے بچوں کا کفیل تھا۔ راولپنڈی کے اڈا پیر ودھائی میں گاڑیوں کے ریڈی ایٹروں کا کام کرتا تھا، انتہائی محنتی ہونے کے باوجود زندگی بھر انتہائی عسرت سے دوچار رہا۔ اندوہ کی گہرائیوں میں ڈوبی بیوہ آسمان کی طرف نگراں ہے، خدا جانے وہ ان بے پناہ پہنائیوں میں کسے ڈھونڈ رہی ہے۔

○ راجہ حبیب احمد

بیالیس سالہ راجہ حبیب احمد کو اس کے احباب ملنگ اور درویش قرار دیتے تھے۔ اس کی طبیعت میں ایک قلندرانہ شان تھی۔ غم ہو یا خوشی وہ ہر موسم میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا تھا۔ اپنے قدوقامت کے باعث وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے محافظین کے دستے میں شامل تھا۔ دھماکے کے دوران زخمی ہونے والے اس کے قریبی ساتھ شبیر احمد کا کہنا تھا کہ راجہ حبیب کو ایک شخص کی حرکات پر شک سا ہوا تو وہ اسے دبوچنے کے لیے چیتے کی طرح آگے بڑھا لیکن اسی دوران دھماکا ہو گیا اور پھر کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ ہر طرف لاشوں کے چیتھڑے بکھرے ہوئے تھے اور زخمیوں کی کراہوں نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ شبیر احمد کا کہنا ہے کہ وہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آیا وہی شخص خودکش بمبار تھا، جس پر حبیب کو شک تھا۔ بہرحال جمہوریت کا دل داد حبیب احمد بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گیا۔

آزاد منش حبیب بھی پیپلز پارٹی کے دوسرے کارکنوں کی طرح حال مست رہنے والا شخص تھا۔ چل پھر کر جائیداد کی خرید و فروخت کا کام کرتا تھا اور اپنے چار بچوں کے لیے رات کی روٹی کمانے کا اپائے کرتا رہتا تھا۔ اب وہ اس دُنیا میں نہیں ہے، اس کے بھائی بھی کچھ زیادہ خوش حال نہیں ہیں، سارا خاندان اس کے بچوں اور بیوہ کے لیے فکرمند ہے، بچے ابھی اس عمر کو نہیں پہنچے کہ اپنا اور اپنی ماں کا بوجھ سہار سکیں اور آگے ایک عمری پڑی ہے۔ ملکی حالات ایسی بے حسی کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں کہ ملک و قوم اور اپنی پارٹی کی سربلندی کی تڑپ رکھنے والے اس جیالے کے پس ماندگان کے لیے آنے والے دن اور راتیں اپنے دامن میں فی الحال تو اندیشوں کی روٹی اور اندیشوں کا پانی ہی لاتے دکھائی دیتے ہیں۔

www.bhutto.org

○ محمد جمیل

محمد جمیل شہید کا پورا گھرانا پیپلز پارٹی کا دیوانہ ہے۔ ان کے بھائی سلیم مغل پارٹی کے معروف کارکن ہیں اور اس وقت پی پی پی راولپنڈی ڈسٹرکٹ کے سیکرٹری انفارمیشن ہیں۔ محمد جمیل سرکاری ملازم تھے۔ لہٰذا کھل کر پارٹی کے لیے سرگرمی کے ساتھ کام کرنے سے قاصر تھے تاہم سلیم مغل کی سیاسی سرگرمیوں میں ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ہمیشہ ایک پڑھے لکھے شائستہ انسان کی طرح پرامید رہتے تھے کہ ایک نہ ایک دن جمہوریت کا سورج ضرور طلوع ہو گا، جس سے اس ملک عزیز کا ذرہ ذرہ تاباں ہو جائے گا۔ انہیں یقین تھا کہ یہ سورج پیپلز پارٹی ہی کے افق سے طلوع ہوگا۔ وہ آغاز ہی سے قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کے نظریات، افکار اور ان کے کردار سے متاثر تھے۔ وہ اپنے قائد کے جیالے پن، ان کی حاضر جوابی، ان کے بے باکانہ جانے کی دھج کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے تدبر، ذہانت اور سیاسی معاملہ فہمی کے بھی مداح تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ پاکستان کے سیاست دانوں کی لاٹ میں واحد ایسی رہنما ہیں جو ملک کے مستقبل کو سنوار سکتی ہیں۔ انہیں اپنی قائد سے بے پناہ امیدیں وابستہ تھیں۔ جلسے کے روز وہ دفتر سے چھٹی کے بعد سیدھے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ محترمہ کی تقریر سنی، جوش و جذبہ سے سرشار ہو گئے لیکن جلسہ کے اختتام پر یہ اناؤنسمنٹ کی گئی کہ سیکیورٹی کے انتظامات مناسب نہیں ہیں تو کچھ پریشان سے ہو گئے، تاہم وسوسوں اور اندیشوں میں ڈوبے وہاں پہنچ گئے جہاں ان کی قائد کی گاڑی روک لی گئی اور اچانک سفاک دھماکے کی لپیٹ میں آ گئے اور ملک و قوم کی بہتری کے لیے اپنی قائد سے وابستہ نیک امیدوں اور آرزوؤں سمیت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کون جانے انہیں اس کی خبر بھی ہو سکتی ہو گی کہ ان کی قائد بھی اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔ جمیل شہید کی عمر پچاس سے کچھ اوپر تھی۔ دیگر عزیزوں کے علاوہ پانچ بیٹیاں، ایک اٹھارہ سالہ بیٹا اور ایک بیوہ بھی ان کے سوگواروں میں شامل ہیں، سلیم مغل نے بتایا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کو جلسے کے اختتام کے بعد عقبی راستے سے ہو کر گوال منڈی کی طرف سے واپس جانا تھا۔

www.bhutto.org

○ راجہ محمد امین

راجہ محمد امین شہید چالیس برس سے کچھ اوپر تھے، خوش شکل، خوش مکھ، پیپلز پارٹی پرانا تعلق تھا۔ پیشے کے اعتبار سے لوہار تھے اور غالباً اسی لیے اپنے آہنی ارادوں اور کردار کے حوالے سے اپنے دوستوں اور عزیزوں میں مقبول تھے۔ پانچ بچوں کے والد تھے، اپنے چھوٹے سے گھر میں (مرحوم) بھائی کی بیوہ ان کے بچوں اور ایک بہن کے ہمراہ رہائش پذیر تھے اور ان کے واحد کفیل بھی تھے۔ ان کا سب سے چھوٹا بچہ، ڈیڑھ دو سال اور سب سے بڑا لگ بھگ بارہ برس کا ہے۔ بڑے بھٹو صاحب کے نظریات کے دیوانے تھے اور شہر میں پیپلز پارٹی کا کوئی جلسہ جلوس نظر انداز نہ کرتے تھے۔ اس بار بھی جب محترمہ بے نظیر بھٹو کے جلسے کا اعلان ہوا تو ان کے انگ انگ میں جوش و جذبہ نے کھل بل مچا دی اور وہ بڑی بے چینی سے اس دن کا انتظار کرنے لگے جب وہ ایک طویل عرصے کے بعد اپنی قائد کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے اور اپنے کانوں سے ان کی آواز سنیں گے۔ وہ اس جلسے کی کامیابی کے لیے اپنی بے پناہ مصروفیات میں سے وقت چرا چرا کر نکالتے رہے اور اپنے دوستوں کو جلسہ کامیاب بنانے پر آمادہ کرتے رہے اور بالآخر جلسے کا دن آ گیا۔ وہ اپنے دوستوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ قائد باغ کی طرف روانہ ہوئے، دل جوش سے دھڑک رہا تھا اور ہونٹوں پر اپنی قائد کی سرخروئی کی دعائیں تھیں۔ سیاہ 27 دسمبر نے انہیں مایوس نہیں کیا، جلسہ کامیاب رہا، ان کی قائد نے بھی لہو سے اپنی چنری لال کر لی اور یہ بھی اپنے خون میں سرخرو ہو گئے۔

ان کے قتل کے موقع پر ہم دعائے مغفرت میں شرکت کے لیے گئے تو گلی کے در و دیوار تک سوگوار تھے اور فضا گھر کی خواتین کی آہوں اور سسکیوں کے بوجھ سے مضمحل دکھائی دیتی تھی۔ ہر آنکھ نم تھی، ہر دل میں سوال اٹھ رہا تھا کہ پیچھے رہ جانے والی بیواؤں کے سر پر اب کون ہاتھ رکھے گا؟ یہ چھوٹے چھوٹے بچے اب کس سے لاڈ کریں گے۔ اب کسے ان کے کھانے پینے اور کپڑے لتے کی فکر ہو گی۔ کون ان کے سروں پر ہاتھ پھیرے گا؟ اب یہ راتوں کو کس کی راہ دیکھا کریں گے۔ اب اس سوگوار گھر میں کس کی دستک کا انتظار رہے گا؟ وہ جس کا انتظار تھا وہ تو ان جہانوں کو سدھار گیا جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔

www.bhutto.org

○ بشیر احمد ایڈووکیٹ

تنگی سے ہمارے نمائندے رضا محمد خان کے مطابق بے نظیر بھٹو سے ان کا براہ راست رابطہ تھا اور دنیا سے بھی ایک ساتھ رخصت ہوئے۔ ان کے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ وہ ہمیشہ غریب عوام اور پارٹی کے مقدمات مفت لڑا کرتے تھے۔ ان کی شہادت سے پیدا ہونے والے خلا پر نہیں ہوگا۔ ساتھ لیاقت باغ میں سینئر وکیل اور پیپلز لائرز فورم کے جنرل سیکرٹری بشیر احمد خان تنگی کی آبادی شہادت پر ہر آنکھ پُرنم ہے۔ ضلع چارسدہ اور بالخصوص تحصیل تنگی سوگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔

بشیر احمد ایڈووکیٹ کے چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ بھائی بہنوں میں ان کا نمبر پانچواں تھا۔ 1958ء میں کینور میں پیدا ہوئے۔ کاروبار کی غرض سے ان کے والدین تنگی شفٹ ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول تنگی سے حاصل کی۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1۔ ایف اے گورنمنٹ ڈگری کالج تنگی، بی اے اور ایم اے انگلش پشاور یونیورسٹی اور قانون کی تعلیم کراچی یونیورسٹی سے حاصل کی، کچھ عرصہ درس و تدریس سے منسلک رہے اور پھر وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ بشیر احمد۔ طالب علمی کے زمانے سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا، پیپلز پارٹی سٹوڈنٹس فیڈریشن ڈگری کالج کے صدر، ڈسٹرکٹ بار اور پیپلز لائرز فورم کے صدر رہے۔ شہید بشیر احمد ایڈووکیٹ پی پی پی کے بانی رکن اور سابق گورنر حیات محمد خان شیر پاؤ شہید کے قریبی ساتھی تھے۔ آفتاب احمد خان شیر پاؤ سے راہیں جدا کرلیں۔ پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بے نظیر بھٹو سے براہ راست تعلق تھا۔ پارٹی معاملات میں اکثر ان سے تبادلہ خیال کرتے۔ ان کی خدمات کی وجہ سے پارٹی میں ان کو ایک باعزت مقام حاصل تھا۔ بشیر احمد ایڈووکیٹ کے بھائی پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے اہونٹ ایڈ ریکارڈ سیکرٹری بہرہ مند خان تنگی نے بتایا۔ شہید بھائی سے زیادہ دوست تھے۔ انتہائی شفیق اور مہربان انسان تھے۔ سال غریب عوام پیپلز پارٹی، پیپلز یوتھ، پیپلز وومن کے 147 کیسز میں سے 145 جیت لیے تھے اور یہ تمام کیسز مفت لڑے۔ شہید کے بھائی اور

www.bhutto.org

اسلامک یونائیٹڈ موڈریشن موومنٹ کے صدر ڈاکٹر نہار احمد خان نے کہا، بشیر احمد کی شہادت سے نہ صرف ان کے بچے یتیم ہو گئے بلکہ پورا علاقہ یتیم ہو گیا، ان کے بیٹے منظور نے بتایا، عید منانے کے لیے ہم سب گھر والے گاؤں آئے تھے اور ابو نے کہا تھا، چھٹیاں گاؤں میں گزاروں گا لیکن ہم نے اصرار کیا کہ حیات آباد پشاور والے گھر میں جا کر ہم سٹڈی کریں گے، وہ ہمیں حیات آباد چھوڑ کر کہنے لگے کہ دوست بلا رہے ہیں، الیکشن کے سلسلے میں الیکشن کمیشن جا رہا ہوں اور ڈرائیور سے کہا، پشاور کے جلسے میں بے نظیر بھٹو نے ملاقات کے دوران راولپنڈی آنے کا کہا تھا، بشیر احمد ایڈووکیٹ ایک ہنس مکھ، ہمدرد انسان تھے ان کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پُر کرنا ناممکن ہے۔

سنڈے ایکسپریس

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بے نظیر کی سیاسی فہم و فراست

ایک زمانہ اُن کا قائل تھا

شفیع موسیٰ منصوری

ہیرے کو جوہری سے بہتر بھلا اور کون جان سکتا ہے۔ بھٹو ایسا جوہری تھا، جس نے سب سے پہلے اس ہیرے کو پہچانا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹی کو اپنا سیاسی جاں نشیں مقرر کیا اور پیش گوئی کی کہ وہ نہ صرف ایک بڑی سیاسی لیڈر بنے گی بلکہ اپنے سیاسی مخالفوں کو عبرت ناک شکست سے بھی دوچار کرے گی۔ آنے والے وقت نے بھٹو کی جہاں دیگر سیاسی پیش گوئیوں کو سچ ثابت کیا، وہاں اس پیش گوئی نے بھی حقیقت کا روپ دھارا اور بے نظیر بھٹو آسمان سیاست کا ایک ایسا درخشاں ستارہ بنیں جس کی روشنی کوئی ماند نہ کر سکا۔

بے نظیر بھٹو کو نہ صرف ملکی سطح پر بڑی سیاسی لیڈر کے طور پر تسلیم کیا گیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی وہ ایک سیاسی مدبر کے طور پر پہنچانی گئیں۔ دُنیا میں فرد ہمیشہ اپنے ملک سے پہچانا جاتا ہے لیکن بھٹو خاندان کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ ان کا خاندان پاکستان کی پہچان بنا۔ بے نظیر بھٹو کی مدبرانہ سیاست اور عالمی اُمور پر ان کی گہری نظر کا ایک زمانہ قائل تھا۔ مختلف عالمی اُمور پر امریکا اور

www.bhutto.org

یورپ کی مشہور معروف یونیورسٹیاں انھیں لیکچر دینے کے لیے مدعو کرتی رہیں۔ محترمہ کے ایک لیکچر کے عوض ہزاروں ڈالر فیس ادا کی جاتی تھی۔ ان کے سامعین میں دانش ور، صحافی، انسانی حقوق کے علم بردار اور طالب علم بھی شامل ہوتے تھے۔ بے نظیر بھٹو کو دوبار پاکستان کی وزیراعظم بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ اگر زندگی نے ان سے وفا کی ہوتی تو حالات ان کے تیسری بار وزیراعظم بننے کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

بے نظیر بھٹو کی زندگی حوادثِ زمانہ سے بھری ہوئی تھی۔ اگر ان کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو کب کا شکستہ دل کے ساتھ سیاست سے کنارہ کش ہو چکا ہوتا۔ انہوں نے اپنی سیاسی فہم و فراست اور مدبرانہ قیادت سے اس بات کو سچ ثابت کیا کہ بھٹو کی نگاہ انتخابات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ بے نظیر بھٹو کا پورا خاندان بکھر گیا مگر اس کے باوجود پاکستان کے لیے ایک ایسی زنجیر ثابت ہوئیں جس نے چاروں صوبوں کو باہمی طور پر جوڑے رکھا۔ اس زنجیر کے ٹوٹنے کے بعد وفاق کے مستقبل پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔ بے نظیر بھٹو کو اُن کے والد کی طرح کبھی بھی اسٹیبلشمنٹ اور فوج نے صدقِ دل سے قبول نہیں کیا۔ بھٹو خاندان کے ساتھ عوام کی محبت اور عقیدت دیکھتے ہوئے ان قوتوں کو مجبوراً انہیں دوبارہ وزیراعظم کے طور پر قبول کرنا پڑا، لیکن ان کے صبر کا پیمانہ ہی لب ریز ہو گیا اور انہوں نے پہلی حکومت کو ایک سال نو ماہ میں اور دوسری حکومت کو ڈھائی سال کے مختصر عرصے میں ختم کر دیا۔ اس مختصر مدت میں بھی انھیں چین سے حکومت نہ کرنے دی گئی اور سازشوں کے جال چاروں طرف تان دیے گئے۔ ان سازشوں میں اپنے پرائے سبھی لوگ شامل تھے۔

1977ء تک ان کی زندگی آسودگی میں گزری، اس کے بعد مشکلات اور دشواریوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو ان کی موت پر منتج ہوا۔ جنرل ضیاء نے بھٹو حکومت کا تختہ اُلٹا تو اس کے بعد بے نظیر بھٹو کی زندگی میں کئی چیزیں اُلٹ پلٹ گئیں۔ 24 سالہ لڑکی کے نازک کاندھوں پر فوجی آمروں نے اپنے بھاری بوٹوں کا وزن رکھ دیا۔ 3 اپریل 1979ء کی صبح بھٹو سے بے نظیر کی آخری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں بیٹی نے باپ کے سامنے ان کے مشن کو جاری رکھنے کا عہد کیا۔ سلاخوں کے پیچھے قید بے بس مگر غیر متزلزل ارادوں کے مالک باپ نے

www.bhutto.org

اپنی بیٹی میں ایک نئی عورت کو جنم لیتے دیکھا تو موت کو گلے لگانا ان کے لیے اور زیادہ آسان ہو گیا۔ شاید اسی لیے پھانسی کے تختے پر کھڑے بھٹو کی زبان سے معذرت خواہانہ الفاظ کی بجائے "فنش اِٹ" کے الفاظ ادا ہوئے۔

سایہ دار درخت کے گرنے کی جگہ ایک اور پودے نے لے لی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو یہ خوبی اس بات کا ادراک تھا کہ ان کی بیٹی باصلاحیت اور ذہین ہے لیکن پاکستانی معاشرہ ذہنی طور پر اتنا بالغ نہیں ہوا کہ وہ اس ذہانت کی قدر کر سکے۔ کسی نے اس تناظر میں کیا خوب کہا: "بھٹو یوں کے دیس میں پیدا ہو گیا تھا۔" ذوالفقار علی بھٹو نے بے نظیر کے نام اپنے آخری خط میں اس بات کی نشان دہی کرتے ہوئے ان الفاظ میں ذکر کیا: "تمہاری صلاحیت ایک نقص شمار ہوتی ہے اور دم گھونٹنے والی معمولی قسم کی ذہانت ایک اثاثہ شمار کی جاتی ہے۔ تمہارے والد (بھٹو)، قائداعظم اور شاید سہروردی کے سوا اس ملک میں حکومت شعبدہ بازوں اور کپتانوں نے کی ہے۔ شاید اس صورت حال میں تبدیلی پیدا ہو جائے۔ اگر حالات تبدیل نہیں ہوتے تو پر تبدیل کرنے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ یا تو اقتدار عوام کو حاصل ہو گا یا پھر ہر شے تباہ و برباد ہو جائے گی۔" پھر واقعی ہر شے تباہ برباد ہو گئی۔ معمولی ذہانت نے اعلیٰ ذہانت پر قبضہ کر لیا اور بونے خاموش تماشائی بنے یہ سب کچھ ہوتا دیکھتے رہے۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے باپ کے آدرشوں کی رہنمائی میں سیاست کا آغاز کیا۔ بھٹو خدا کے بعد کلی طور پر عوام پر بھروسا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹی کو بھی یہی سبق سکھایا اور کہا کہ جس طرح اللہ کی جنت ماؤں کے قدموں تلے ہوتی ہے، اسی طرح سیاست کی جنت عوام کے قدموں تلے ہے۔ بھٹو اپنی بیٹی کو تحفہ دینا چاہتے تھے لیکن سلاخوں کے پیچھے سے وہ اپنا ہاتھ تک نہیں نکال سکتے تھے اس لیے انھوں نے عوام کا ہاتھ تحفے کے طور پر انھیں دیا۔ چار اپریل 1979ء کو منتخب وزیراعظم، چیئرمین بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ اس پھانسی کے بعد بے نظیر سیاسی فہم و فراست کا امتحان شروع ہوا۔ ایک باب بند ہوا تو دوسرا کھل گیا۔ بے نظیر بھٹو کو بہت بے سیاسی فیصلے کرنا پڑے۔ ان فیصلوں میں اگرچہ پارٹی کے دیگر سینئر جید یاران کی آراء بھی شامل ہوتیں، تاہم ان سے میں محترمہ کا سیاسی تدبر اور فہم و فراست جھلکتا رہا۔ بھٹو کی وفات کے بعد پارٹی کے بہت سے

www.bhutto.org

سینئر رہنا استقامت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ ڈھکے چھپے الفاظ میں جنرل ضیاء سے مفاہمت کرنے کی باتیں کی جانے لگیں۔ بے نظیر بھٹو نے ان عناصر سے پارٹی کو پاک کرنے کا فیصلہ کیا اور بہت سے سینئر رہنما پارٹی سے نکال دیے گئے۔

اگرچہ ان حضرات کے پارٹی سے نکالے جانے کے فیصلے کو بہت سے افراد نے ناپسند کیا اور اسے محترمہ کی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری سے تعبیر کیا، تاہم بعد کے واقعات نے بے نظیر کے سیاسی فہم و فراست پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی۔ جن لوگوں کو پارٹی سے نکالا گیا تھا وہ اسٹیبلشمنٹ کا حصہ بن کر پارٹی کو نقصان پہنچانے کے لیے کھل کر سامنے آ گئے۔ نظریاتی اختلافات کی بناء پر بھی بہت سے سینئر رہنما از خود پارٹی سے کنارہ کش ہوئے لیکن وہ پارٹی سے الگ ہو کر سیاست کے بازار میں اپنا سکہ نہ چلا سکے اور وقت کی گرد نے ان کی شخصیت کو دھندلا کر رکھ دیا۔

ضیاء دور کے پہلے بلدیاتی انتخابات میں گمان یہ کیا جا رہا تھا کہ بے نظیر بھٹو جذبات میں آ کر ان کا بائیکاٹ کر دیں گی، تاہم ان خدشات کے برعکس انھوں نے فوجی آمر کے لیے میدان خالی دینے سے انکار کر دیا اور بھرپور طریقے سے انتخابات میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ بلدیاتی انتخابات میں عوام دوست کے نام سے پیپلز پارٹی کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ چوں کہ ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم سے ہوا تھا، اس لیے بطور ایک ممبر کے پیپلز پارٹی کو بھی بائیکاٹ کرنا پڑا۔ بے نظیر بھٹو کی سیاسی پالیسیوں کے ناقدین ان کے پہلے دور حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے اسٹیبلشمنٹ اور فوج کی طرف سے دیے جانے والے مشروط اقتدار کو قبول کیا۔ اگر ملکی اور عالمی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اس چیز کا تجزیہ کیا جائے تو محترمہ کا یہ فیصلہ ہمیں درست اور حقیقت پر مبنی نظر آئے گا۔ بے نظیر کی پہلی حکومت کے بارے میں آئین ٹالبوٹ کہتے ہیں، ''بے نظیر بھٹو کی لیڈر شپ کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت ان مشکلات کو پیش نظر رکھنا چاہیے، جن کا انھیں سامنا تھا۔ ان مشکلات میں سب سے اہم ضیاء دور کے بعد فوج اور خفیہ ایجنسیوں کی سیاست میں محفوظ اور گہری وابستگی تھی۔''

محترمہ کو اس بات کا اچھی طرح ادراک تھا کہ فوج اور اسٹیبلشمنٹ میں موجود ضیاء باقیات انھیں کسی بھی صورت وزیر اعظم دیکھنا نہیں چاہتی۔ ان باقیات نے انتخابات سے پہلے اور

www.bhutto.org

دوران انتخابات کوشش کی کہ پیپلز پارٹی دو تہائی اکثریت کی بجائے صرف سادہ اکثریت سے کامیاب ہو، تا کہ وہ آٹھویں ترمیم ختم نہ کر سکے اور آٹھویں ترمیم کا استعمال کرنے والے صدر غلام اسحق خان کو بدستور صدر رکھا گیا، جو فوج اور اسٹیبلشمنٹ کے نمائندے تھے۔ بے نظیر بھٹو اچھی طرح جانتی تھیں کہ آرٹیکل 58(2)(b) کو ختم کیے بغیر وہ اپنی پالیسیوں پر آزادانہ طور پر عمل درآمد نہیں کروا سکتیں۔ ان کی کوشش تھی کہ حزب اختلاف اس ترمیم کو ختم کرانے میں ان کا ساتھ دے مگر حزب اختلافات خود اسٹیبلشمینٹ کی پیداوار تھی۔ چنانچہ بجائے اس کے آٹھویں ترمیم ختم کرنے میں وہ بے نظیر بھٹو کے ہاتھ مضبوط کرتی، اُن کی طرف سے اکتوبر 1989ء میں بے نظیر حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کر دی گئی۔ تاہم کروڑوں روپے خرچ کرنے کے باوجود حزب اختلاف کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اگرچہ بے نظیر نے اپنی سیاسی فہم وفراست اور ذہانت سے تحریک عدم اعتماد سے تو اپنے آپ کو بچا لیا لیکن اسحق خان کی طرف سے چلائی جانے والی 58(2)(b) کی تلوار سے اپنی گردن نہ بچا سکیں اور 9 ماہ کی مختصر مدت میں ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت کے خاتمے میں فوج اسٹیبلشمینٹ کے علاوہ اُسامہ بن لادن کے 10 ملین ڈالر کا بھی نمایاں ہاتھ تھا، جس نے آٹھویں ترمیم کو متحرک کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اقتدار میں نو وارد اس باہمت خاتون نے ان سازشوں کے باوجود اپنی پوری توجہ عوام کی بھلائی اور خارجہ پالیسی پر مرکوز رکھی۔ بے نظیر بھٹو یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ جب تک بھارت سے بہتر تعلقات استوار نہیں ہوں گے تب تک پاکستان کی فوج انھیں دفاعی اخراجات میں کمی کرنے نہیں دے گی اور بغیر دفاعی اخراجات کم کیے عوامی مفادات کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں ہی بھارت کے وزیرِ اعظم راجیو گاندھی کو پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ راجیو گاندھی دسمبر 1988ء اور جولائی 1989ء میں پاکستان تشریف آئے۔ بے نظیر اور راجیو دونوں نوجوان اور نئی نسل کے نمائندہ سیاسی رہنما تھے۔ دونوں رہنما پرانی دشمنیوں کو بھلا کر نئے دور کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح دونوں ممالک نے ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور سیاچین گلیشیر کے بارے میں بھارت نے مثبت ردِعمل کا اظہار کیا۔ پاکستان اور بھٹو

خاندان کے مشترکہ دشمنوں سے یہ خیر سگالی دیکھی نہ گئی اور خفیہ ایجنسیوں نے پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ بے نظیر بھٹو اعتماد کے قابل نہیں رہیں۔ ایجنسیوں کی پیداوار سیاسی جماعتیں بے نظیر بھٹو کو تواتر کے ساتھ سیکیورٹی رسک کہنے لگیں۔

عالمی سیاست پر بے نظیر بھٹو کی گہری نظر تھی۔ راجیو گاندھی کے قتل پر انھوں نے عالمی میڈیا کو بیان دیتے ہوئے کہا'' راجیو گاندھی نیو ورلڈ آرڈر کا پہلا شکار ہے۔'' پاکستان میں بھٹو خاندان اور بھارت میں نہرو خاندان سامراجی قوتوں کے مفادات کی راہ میں رکاوٹ سمجھے جاتے ہیں۔ امریکا کے صدر بش سینئر کی طرف سے نیو ورلڈ آرڈر جاری ہوا جس کا مقصد تیسری دُنیا کے وسائل پر قبضہ جمانا تھا۔ راجیو گاندھی کی حکومت بھارت میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی لوٹ کھسوٹ کی راہ میں اہم رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ وقت نے بے نظیر بھٹو کی اس بات کو سچ ثابت کیا۔ راجیو گاندھی کی حکومت کے خاتمے کے بعد بڑی تیزی سے ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی دوسری ٹرم کے دوران اپنا رویہ محتاط رکھا اور سول ملٹری بیوروکریسی سے اُلجھنے سے بچتی رہیں۔ انھوں نے اپنی پوری توجہ معاشی اور سماجی مسائل پر مرکوز رکھی اور عالمی سطح پر پاکستان کو نہ صرف دہشت گرد ریاست ڈیکلیئر ہونے کے خطرے سے باہر نکالا بلکہ پاکستان کے میزائل پروگرام کی بنیاد بھی رکھی۔ امریکا نے پاکستان پر عائد پابندیاں نرم کر دیں۔ براؤن ترمیم منظور ہوئی، جس کے تحت پاکستان کو امریکا کی جانب سے مالی اور فوجی امداد ملنا شروع ہوگئی۔ بے نظیر بھٹو نے امریکا میں پاکستان کے منجمد اثاثے واگزار کروائے اور 1995ء میں امریکا کا کامیاب دورہ کیا جس کے باعث پاکستان کو 368 ملین ڈالر کا امریکی اسلحہ خریدنے کی اجازت مل گئی، جس پر 1990ء میں پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

20 دسمبر 1996ء کے بے نظیر کو بھائی اور ذوالفقار علی بھٹو کے بڑے صاحب زادے میر مرتضیٰ بھٹو کو 70 کلفٹن کے سامنے پراسرار انداز میں قتل کر دیا گیا۔ بے نظیر نے اپنے بھائی کے قتل کو اپنی حکومت کے خلاف سازش قرار دیا جس میں ایم آئی اور صدر فاروق لغاری کے ملوث ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ 5 نومبر 1996ء کو صدر فاروق لغاری نے بے نظیر حکومت پر کرپشن اور آئین کی خلاف ورزی کے جھوٹے الزامات لگا کر ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ بے نظیر مخالفین ان کی کرپشن اور ناتجربہ کاری کے زمرے میں دلیل دیتے ہوئے فاروق لغاری کے لگائے جانے والے کرپشن کے الزامات بے نظیر کی موت تک کسی بھی عدالت میں ثابت نہیں ہو سکے۔ ان

www.bhutto.org

الزامات کی نوعیت ایسی ہی تھی جیسا کہ بھٹو کو قتل کے جھوٹے مقدمے میں پھانسی کا دیا جانا۔ رہی فاروق احمد لغاری پر اعتماد کے معاملے میں دھوکا کھانے کی بات ہے تو ہمیں پاکستان میں موجود خفیہ ایجنسیوں کے کردار کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، جن کا نیٹ ورک اس قدر مضبوط ہے کہ اچھے سے اچھا سیاست دان بھی ساتھیوں کے معاملے میں دھوکا کھا جاتا ہے۔ بھٹو جیسے ذہین سیاست دان نے بھی نہ جانے کتنے سانپ اپنی آستینوں میں پال رکھے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ عالمی سیاست میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے اثرات قومی سیاست پر بھی پڑتے ہیں۔ نائن الیون کے واقعے نے عالمی سیاست پر بڑے دوررس اثرات مرتب کیے اور اس کے اثرات بہت سے ممالک کی اندرونی سیاست پر محسوس کیے جانے لگے۔ اس واقعے کے اثرات بالواسطہ طور پر پاکستانی سیاست پر اثر انداز ہوئے اور جنرل مشرف کی غیر قانونی حکومت کو قانونی جواز فراہم کر گئے۔ بے نظیر بھٹو نے جنرل مشرف کی حکومت کا تمام عرصہ خود اختیار کردہ جلاوطنی میں گزارا لیکن اس کے باوجود ان کی نظریں پاکستان کی خارجہ اور داخلی سیاست پر مرکوز رہیں۔ جنرل مشرف کا دورۂ آگرہ ناکام ترین دور ثابت ہوا۔ اس دورے میں جنرل مشرف نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا اور کسی سمجھوتے پر پہنچے بغیر پاکستان واپس آ گئے۔ بے نظیر بھٹو نے اس دورے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ”اگر جنرل مشرف کو اچھا مشورہ دیا جاتا تو وہ مزید ایک روز وہاں قیام کرتے اور بھارت کے صبر کا اپنے تحمل کے ساتھ موازنہ کرتے۔ دوسروں کو تھکا دینا ایک ابتدائی ڈپلومیٹک حربہ ہے۔ اس کے برعکس جنرل مشرف طیش میں آ کر خود واپس چلے آئے۔“ بے نظیر کے اس بیان کی صداقت بعد میں ظاہر ہوئی اور جنرل مشرف کے اس دورے کی ناکامی ان کی جلد بازی کا نتیجہ ثابت ہوئی۔ واضح رہے کہ سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو اور بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے درمیان ہونے والا شملہ معاہدہ مذاکرات ختم ہونے کے عین آخری وقت پر طے پایا تھا۔ چوں کہ بھٹو ایک عوامی رہنما اور سیاست دان تھے اس لیے وہ سفارت کاری کے فن سے بہ خوبی آشنا تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ مراحل کتنے صبر آزما ہوتے ہیں۔ ایک جنرل سفارت کاری کے آداب اور سیاسی داؤ پیچ سے نابلد ہوتا ہے، اس لیے آگرہ مذاکرات سے جنرل مشرف کو خالی ہاتھ واپس آنا پڑا۔

بے نظیر بھٹو انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے کے لیے جمہوریت کو ناگزیر قرار دیتی تھیں۔ انھوں نے متعدد مواقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کوئی فوجی آمر کسی بھی طرح

انتہا پسندی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انتہا پسندی صرف جمہوری طریقے سے سیاسی جماعتیں ہی ختم کر سکتی ہیں۔ بے نظیر بھٹو کے بقول، "پاکستان میں بھی بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ انتہا پسندی کو شکست دے سکتے ہیں۔ ایک ایسی فوجی حکومت (جنرل مشرف کی حکومت) پر انحصار کرنا جسے شدت پسندوں کی حمایت حاصل ہو، ایسے ہی ہے جیسے کسی آتش زن کو آگ بجھانے کی ذمے داری سونپ دی جائے۔" بے نظیر بھٹو کی یہ سیاسی سوچ کس حد تک درست تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنرل مشرف چوں کہ خود چور دروازے سے اقتدار میں آئے ہیں اس لیے عوام ان سے نالاں ہیں۔

فوجی آمر میں سیاسی تدبر کی کمی ہوتی ہے اس لیے وہ ڈائیلاگ کی بجائے بندوق کی گولی پر زیادہ بھروسا کرتا ہے، جنرل مشرف نہ صرف انتہا پسند کے خلاف لڑی جانے والی اس جنگ میں ہار چکے ہیں بلکہ ان کی انتہا پسندانہ کارروائیوں نے مزاحمت کے نئے محاذ کھول دیے ہیں، جنھیں بند کرنا ان کے بس سے باہر نظر آتا ہے۔ وزیرستان میں انتہا پسندوں سے لڑتے لڑتے انھوں نے بلوچستان کا محاذ بھی کھول دیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی وفات سے چند روز پہلے کہا تھا کہ پیپلز پارٹی اقتدار میں آنے کے بعد بلوچستان کی محرومیاں پہلی فرصت میں دور کرے گی اور بلوچستان کے وسائل سے بلوچوں کو استفادہ کا حق دیا جائے گا۔ ان کی وفات کے بعد بلوچستان کا مسئلہ اور بھیانک شکل میں سامنے آ سکتا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے بہت سے سیاسی بیانات ایسے تھے جو اپنے اندر گہرائی رکھتے تھے۔ ان کے مخالفین ان بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے عوام کو گم راہ کرتے رہے۔ اس نیک کام میں ہمارا وہ نام نہاد اور حکومتی وظیفے پر پلنے والا دانش ور طبقہ بھی پیش پیش رہا جو اگر چہ ان بیانات کی گہرائی کو اچھی طرح سمجھتا تھا مگر نمک حلالی کے جنوں میں ان بیانات کو غلط معنی پہنانے پر کمر بستہ رہا۔ ان بیانات میں محترمہ کا ایک اہم بیان، "اقتدار میں آنے کے بعد مغرب کو ڈاکٹر قدیر تک رسائی دینا" بھی شامل تھا۔ اس بیان پر ان کے مخالفین نے چیخ چیخ کر آسمان پر اُٹھا لیا کہ بے نظیر پاکستان کے ایٹمی سائنس دان کو مغرب کے حوالے کرنے کی بات کر رہی ہے۔ حالانکہ بے نظیر بھٹو کے اس بیان کا اصل مقصد ڈاکٹر قدیر کو ایجنسیوں کو قید سے چھڑا کر مغربی میڈیا کے سامنے پیش کرنا تھا تا کہ وہ اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں اور اپنے دامن پر لگے جھوٹے الزامات کے داغ دھو سکیں۔ جنرل مشرف کی وردی اُتارنے کے پیچھے بھی ان کے سیاسی

www.bhutto.org

تدبر کا بڑا ہاتھ ہے۔ اپنی موت سے چند سال پہلے ہی انھوں نے کہہ رکھا تھا کہ جنرل مشرف کو ایک روز میرے پاس آنا پڑے گا۔ اپنی جلاوطنی کے دوران بھی انھوں نے پاکستان کی سیاست پر جمود طاری نہ ہونے دیا اور اے آر ڈی کی بنیاد رکھی۔

بے نظیر بھٹو کی مذہبی سیاسی جماعتوں سے بے زاری اور بے اعتمادی ذاتی عناد پر نہیں تھی، بلکہ وہ ان کی منافقانہ پالیسیوں کا اچھی طرح ادراک رکھتی تھیں۔ بے نظیر انھیں فوج کی بی ٹیم کے نام سے پکارا کرتی تھیں۔ جس کا ثبوت اس وقت سامنے آیا جب پاکستانی عوام نے سترہویں ترمیم میں انھیں فوجی آمر کا ساتھ دیتے ہوئے دیکھا اور فوجی آمریت میں ایک صوبے میں حکومت اور دوسرے صوبے میں شراکت اقتدار کے مزے لوٹتے دیکھا۔ وزیرستان اور لال مسجد کے واقعات پر بھی یہ مذہبی جماعتیں استعفےٰ دینے سے گریزاں رہیں۔

بے نظیر بھٹو کی سیاست ہر قسم کی منافقت سے پاک تھی۔ وہ سیاست میں جلد بازی کی قائل کبھی نہیں رہیں۔ وہ ہر چیز کا عالمی سیاست اور ملکی حالات کے تناظر میں دیکھنے کی قائل تھیں۔ جنرل مشرف سے قومی مفاہمت پر جن لوگوں نے سب سے زیادہ شور مچایا، اس مفاہمت سے فائدہ بھی انہی لوگوں نے اُٹھایا بے نظیر بھٹو کی اس مفاہمت کی پالیسی سے انتخابات کی راہیں ہموار ہوئیں، نواز شریف کو پاکستان آنا نصیب ہوا اور جنرل مشرف وردی اُتارنے پر مجبور ہوئے۔ قومی مفاہمت سے صرف پیپلز پارٹی پر بنائے جانے والے جھوٹے مقدمات ہی ختم نہیں ہونا تھے بلکہ اس کا فائدہ دیگر سیاسی جماعتوں کو بھی پہنچا۔ چیف جسٹس کی بحالی کی تحریک میں اگرچہ وکلاء برادری کا بہت بڑا ہاتھ تھا لیکن ان وکلاء کی رہنمائی کرنا انھیں ایک منظم انداز میں متحرک کرنا جلسوں میں احتجاجی ریلیوں کا انعقاد کرانا ایک سیاسی جماعت ہی کے بس کا روگ تھا اور وہ سیاسی جماعت بلاشبہ پیپلز پارٹی ہی تھی۔ اس تحریک میں پیپلز پارٹی سے وابستہ وکیلوں اور رہنماؤں کے کردار کو کسی بھی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بے نظیر بھٹو آخری دم تک جنرل مشرف کو وردی میں قبول نہ کیا۔ صدارتی انتخابات کے موقع پر پیپلز پارٹی کے اراکین بائیکاٹ کرتے ہوئے ایوان سے باہر چلے گئے۔ جنرل مشرف نے سیاسی مذہبی جماعتوں کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو دھوکا دینے کی بہت کوششیں کیں۔ یہ مذہبی جماعتیں انھیں اُکساتی رہیں کہ وہ اسمبلیوں سے استعفےٰ دے دیں۔ پیپلز پارٹی نے اپنے استعفےٰ صوبہ

www.bhutto.org

سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں سے علیحدگی سے مشروط کر کے انھیں اُلجھن میں ڈالے رکھا۔ بے نظیر بھٹو کی یہ خواہش تھی کہ آمریت کے خلاف اس جنگ میں مذہبی جماعتوں کو دور رکھا جائے لیکن نواز شریف ان کی باتوں کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور انھوں نے جذبات میں آ کر اے آر ڈی کے مقابلے میں اے پی ایم ڈی کی بنیاد رکھ دی۔ بعد ازاں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ انھوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کے بعد اس میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا جس کی وجہ سے انھیں اے پی ڈی ایم سے جدا ہونا پڑا۔

بے نظیر کی سیاسی فہم و فراست کے طفیل ایک فوجی آمر بغیر کسی خونیں انقلاب کے انتخابات کے لیے راضی ہوا۔ اس موقع پر مذہبی جماعتوں نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے جنرل مشرف کے خلاف بڑی مزاحمتی تحریک چلانے کا اعلان کرتے ہوئے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ ان مذہبی جماعتوں کا مقصد انتخابی عمل کو سبوتاژ کرتے ہوئے ملک کے حالات کو مزید خراب کرنا تھا تا کہ سیاسی حالات خراب کر کے ملک کو ایک بار پھر مارشل لاء کی طرف دھکیلا جا سکے۔ ان عاقبت نا اندیشوں کے ارادوں کو بے نظیر بھٹو اچھی طرح جانتی تھیں اور ان عناصر کے ارادے عوام سے بھی چھپے نہیں رہے اس لیے عوام ان کے جھانسے میں آنے کے بجائے پوری طرح انتخابی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس عالم میں 27 دسمبر کو راولپنڈی میں وہ قومی سانحہ رُونما ہو گیا، جس نے برسوں کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ دہشت گردوں کی فائرنگ کا نشانہ بن کر بے نظیر بھٹو کروڑوں سوگواروں کو روتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔

تعصب اور دشمنی کی عینک اُتار کر کوئی بھی مورخ پاکستان کی سیاسی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو اسے بے نظیر بھٹو کو سیاست کے اونچے مقام پر فائز کیے بغیر چھٹکارا نہ ہو گا۔ وگرنہ پاکستان میں بونوں کی کمی کبھی نہیں رہی۔ یہ کہنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کی جانی چاہیے کہ ذوالفقار علی بھٹو کی طرح بے نظیر بھٹو کی شخصیت بھی ایک کرشماتی شخصیت میں ڈھل چکی ہے۔

سنڈے ایکسپریس

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

محترمہ بے نظیر بھٹو کو شہید کر ڈالا

تنویر قیصر شاہ

باپ پھانسی کے تختے پر کھینچ کر زندگی سے محروم کیا گیا اور بیٹی کو گولیاں مار کر قیمتی زندگی چھین لی گئی۔ باپ بیٹی، دونوں کی موت غیر فطری انداز میں ہوئی۔

باپ بھی وزیر اعظم تھا اور بیٹی بھی، لیکن بلند قامت صاحبزادی اپنے والد گرامی سے چند قدم آگے تھیں کہ دو بار مملکت خداداد کی وزیر اعظم بنیں۔

عالمی شہرت یافتہ مدبر اور سابق وزیر اعظم نے اپنے وطن کو ایٹمی پروگرام کا تحفہ دیا اور بلند مرتبت وزیر اعظم بیٹی نے اپنے وطن کو جدید میزائل پروگرام کا تحفہ دے کر اس وطن کا تحفظ کرنے میں اپنی ہی خدمت کی، جس کی مٹی میں اس نے جنم لیا تھا۔

یہ کیسا المیہ ہے کہ دونوں باپ بیٹی نے ایک ہی شہر میں جان جان آفریں کے سپرد کی!

باپ 51 سال جیا اور بیٹی نے زندگی کے 54 برس اس طرح گزارے کہ ابتدائی 24 برس چھوڑ کر آخری 30 برس مسلسل جد و جہد اور مسائل میں گزارے۔

انکل سام امریکہ کے نامور سیاسی خاندان، کینیڈی نے سیاست و اقتدار میں تین بیٹے

نذر کیے اور چوتھے بیٹے ایڈورڈ کینیڈی نے ہمیشہ کے لیے امریکی کی صدارت کے خواب دیکھنا چھوڑ دیا، لیکن پاکستان کے بھٹو خاندان کو غیر جمہوری اور غیر مرئی قوتوں نے تین افراد (زیڈ اے بھٹو، مرتضٰی بھٹو اور شاہنواز بھٹو) کو شہید کیا، لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو کینیڈی خاندان سے زیادہ بہادر ثابت ہوئیں۔ یوں کہ وہ غموں اور دکھوں کی ردا اوڑھنے کے باوجود مردانہ وار آگے بڑھتی رہیں ،للکارتی رہیں اور کامیابیاں حاصل کرتی رہیں۔ بھٹو خاندان نے اپنے چار اہم ترین افراد جمہوریت کی شمع کو فروزاں کیے رکھنے میں قربان کیے ہیں۔ یہ ایسی قربانی اور ملک کی خدمت ہے، جس کا اعزاز پاکستان کے کسی بھی دوسرے سیاسی خاندان کا نصیب نہیں بن سکا ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے والد گرامی 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق کے دور میں زندگی کے آخری راستے پر اس طرح روانہ ہوئے کہ ان کی گردن پر پھانسی کے پھندے کے نشان تھے اور ان کی عالمی شہرت یافتہ بیٹی جنرل (ر) پرویز مشرف کے دور اقتدار میں 27 دسمبر 2007ء کی شام 6:00 بج کر 16 منٹ پر زندگی کے آخری سفر پر اس طرح روانہ کی گئیں کہ ان کی گردن اور پیشانی پر گولیوں کے نشان اور دل و دماغ پر باپ اور بھائیوں کے قتل کے داغوں کے علاوہ ایک ایسی ماں کا بوجھ تھا، جو مرتضٰی بھٹو کے قتل کے بعد ایک چلتی پھرتی لاش بن چکی ہے۔

بھٹو خاندان مسلسل المیوں اور آلام کے طوفانوں سے گزرتا رہا ہے، لیکن 27 دسمبر کی شام جو جھکڑ چلا اس نے ملک کو جڑوں تک ہلا دیا ہے۔ بھٹو خاندان کے افراد غیر فطری اموات کا شکار ہوئے۔

15 جولائی 1969ء کو ذوالفقار علی بھٹو پر سانگھڑ میں، جبکہ ملک میں ایک فوجی جرنیل کی حکومت تھی، حملہ ہوا تو بھٹو صاحب نے کہا تھا Bhuttos die young اور پھر انہوں نے مزید کہا تھا اس حقیقت کے باوجود میں انشاءاللہ تاریخ پاکستان میں اپنا کردار ادا کر کے جاؤں گا۔"

ذوالفقار علی بھٹو کی زبان سے نکلنے والے یہ الفاظ تاریخ ساز ثابت ہوئے۔ وہ جب جنرل ضیاء الحق کے دور اقتدار میں پھانسی پر لٹکائے گئے تو بھٹو صاحب کی عمر صرف 51 سال 2 ماہ 29 دن تھی۔ بھٹو کو ایک غیر جمہوری دور اور ایک جمہوریت دشمن حکمران کے دور میں جس طرح راستے سے ہٹایا گیا، اس نے بھٹو کی سزائے موت کو نہ صرف ہمیشہ کے لیے متنازعہ بنا دیا بلکہ ان کی

بے وقت موت نے پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک ایسی خلیج کو جنم دیا جو آج تک پاٹی نہیں جا سکی۔ بھٹو خاندان گزشتہ 30 برس سے مسلسل مسائل اور مصائب و آلام کا شکار ہے۔ اس خاندان نے اتنی خوشیاں نہیں دیکھی ہوں گی جتنے دکھ اور غم اسے دیکھنا نصیب ہوئے ہیں۔ زیڈ اے بھٹو کی بے وقت اور غیر فطری موت کے بعد ان کے دونوں صاحبزدگان کو جلاوطنی کی زندگی کے عذابات سے گزرنا پڑا اور ان کی بڑی صاحبزادی محترمہ بینظیر بھٹو اور اہلیہ محترمہ نصرت بھٹو کو قید و بند اور جیل کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑی۔ وہ بیمار بھی تھیں پھر بھی ضیاء الحق نے انہیں قید کی سزا دیئے رکھی۔ بھٹو ابھی کال کوٹھڑی میں ہی تھے کہ ان کی اہلیہ اور سابق خاتون اول محترمہ نصرت بھٹو کا لاہور میں پولیس نے سر پھاڑ دیا تھا۔ نصرت بھٹو کا خون آلود چہرہ آج بھی لاتعداد لوگوں کو یاد ہے۔

بھٹو مرحوم کی آل اولاد یہ تشدد، زیادتیاں اور صعوبتیں برداشت کرتی رہی لیکن اس نے جمہوریت کی آواز بلند کرنا اور غیر جمہوری حکمرانوں کے خلاف پرچم بلند کرنا نہ چھوڑا لیکن نصرت بھٹو، بینظیر بھٹو، مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو شاید نہیں جانتے تھے کہ ان کے باپ کا خاتمہ کرنے والی قوتیں مسلسل ان کے تعاقب میں بھی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں فرانس کے شہر کینز (Canes) میں جب شاہ نواز بھٹو کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا تو یہ موت پراسرار ہونے کے باوجود زبان حال سے بہت کچھ عیاں کر رہی تھیں۔ شاہ نواز کو جب قتل کیا گیا تو بھٹو مرحوم کے اس سب سے چھوٹے صاحبزادے کی عمر محض 27 سال تھی۔ نوجوان شاہنواز بھٹو کا قتل محترمہ بینظیر بھٹو اور ان کی والدہ محترمہ کے لیے صدمہ جانکاہ تھا جس نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی اور نصرت بھٹو وقت سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئیں۔ بھٹو خاندان کو تیسرا بڑا صدمہ اس وقت سہنا پڑا جب 1996ء میں کراچی کی ایک معروف شاہراہ پر مرتضیٰ بھٹو کو قتل کر دیا گیا۔ وہ اس وقت رکن اسمبلی بھی تھے اور ایک وزیراعظم بہن کے بھائی بھی لیکن ان کے تعاقب میں لگی قوتوں نے اس سب کے باوجود نہایت چالاکی اور مشاقی سے مرتضیٰ بھٹو کو مار ڈالا اور محترمہ بینظیر سکتے میں آ گئیں۔ جس وقت مرتضیٰ بھٹو کو قتل کیا گیا، اس وقت ان کی عمر 45 سال تھی یعنی انہوں نے 50 سال بھی عمر نہ پائی۔ ان کے قتل کا سانحہ اسرار کی اتنی تہوں میں گم ہو چکا ہے کہ آج تک قاتلوں کا سراغ نہیں لگایا جا سکا بلکہ اس پولیس افسر کو بھی مار ڈالا گیا جو مرتضیٰ بھٹو پر فائرنگ میں

www.bhutto.org

مبینہ طور پر ملوث تھا۔ مرتضیٰ بھٹو کو مارنے والوں نے نہایت چالاکی سے بینظیر بھٹو اور مرتضیٰ کے بچوں کے درمیان غلط فہمیوں اور ناپسندیدگی کی دیوار کھڑی کر دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مرتضیٰ بھٹو کی صاحبزادی فاطمہ بھٹو کھلم کھلا اپنے انٹرویوز اور کالموں میں اپنی پھوپھی بینظیر بھٹو پر الزامات کی بارش کرتی رہی ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو کے خاندان کے بارے میں یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے قربانیوں کی لازوال داستانیں رقم کی ہیں اور جمہوریت کی جدوجہد میں مرکزی اور ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے بھٹو کو راستے سے ہٹانے اور بینظیر بھٹو کے ملک سے چلے جانے سے یہ فرض کر لیا تھا کہ اب بھٹو مرحوم کی پارٹی ''پاکستان پیپلز پارٹی'' کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن جب محترمہ بینظیر بھٹو محمد خان جونیجو کی وزارت عظمیٰ اور جنرل ضیاء الحق کی صدارت کے دور میں فاتحانہ انداز میں لاہور میں اتریں تو کل عالم نے دیکھا کہ بھٹو مرحوم کا جادو ابھی مدہم نہیں پڑا ہے اور ان کے چاہنے والے بھٹو مرحوم کی شخصیت، آدرشوں، نعروں اور پیغامات کو محترمہ بینظیر بھٹو کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے آزوبازہ میں بسنے والے لوگ اگرچہ بینظیر کے خلاف نعرہ زن رہے اور ان کی نہایت بھونڈے انداز میں بے بنیاد کردار کشی بھی کرتے رہے لیکن بینظیر بھٹو ان سب سے بے نیاز ہو کر اور جمہوریت کی شمع تھامے مسلسل آگے بڑھتی رہیں۔ بھٹو مرحوم کی پارٹی اور بینظیر بھٹو صاحبہ کی مقبولیت کا جادو اور بھی واضح اس وقت ہوا جب جنرل ضیاء الحق کے اقتدار اور زندگی سے رخصت ہونے کے بعد 1988ء میں انتخابات کا رن پڑا تو محترمہ بینظیر بھٹو جیت سے ہمکنار ہو کر وزیراعظم بن گئیں۔ یہ کامیابی اور اصل بھٹو مرحوم کے آدرشوں کی کامیابی اور آرزوؤں کے بر آنے کا نام تھا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کو یہ منفرد اور بے مثل اعزاز نصیب ہوا کہ وہ عالم اسلام کی پہلی منتخب وزیراعظم تھیں۔ وہ روشن خیال اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ سیاست کا ڈھنگ انہوں نے اپنے والد گرامی سے سیکھا۔ والد گرامی زیدائے بھٹو بھی ان کی اسی لیے اسی انداز میں تربیت کرتے رہے کہ انہیں مستقبل میں پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنا ہے۔ وہ اکثر غیر ملکی دوروں میں انہیں اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ عالمی لیڈروں سے ان کی ملاقات کے دوران بیٹی کا تعارف بھی ہو جائے اور وہ

www.bhutto.org

عالمی امور کے داؤ پیچ سے بھی آگاہ ہو سکیں۔ بھٹو صاحب جب شملہ معاہدہ جس کے تحت افواج پاکستان کے 90 ہزار جنگی قیدی رہا ہوئے، کروانے بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی سے ملنے گئے تو محترمہ بینظیر بھٹو ہر حساس میٹنگ میں اپنے باپ کے ساتھ ساتھ تھیں، محترمہ بے نظیر بھٹو کو بڑے چاؤ سے ان کے والد گرامی نے دنیا کی دو اعلیٰ ترین درسگاہوں میں تعلیم دلوائی۔ برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے انہوں نے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی اور وہاں کی طلباء یونین کی وہ صدر بھی منتخب ہوئیں۔ یہ اعزاز پہلی بار بینظیر بھٹو کی شکل میں کسی ایشیائی طالبعلم کے حصے میں آیا تھا۔ اعلیٰ مغربی درسگاہوں سے محترمہ بینظیر بھٹو نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور وزیراعظم باپ سے حکومت کرنے کے اسرار و رموز سیکھے۔ علم اور تجربہ ان کے ہم رکاب تھا جس نے انہیں دنیا کے بہترین اور قابل رشک مدبرین کی صفوں میں شامل کر دیا تھا۔ وہ 1988ء میں پہلی بار وزیراعظم بنیں تو ایک زمانے نے ان پر رشک کیا۔ ان کے بعد اگرچہ ترکی میں تانسو چیلر اور بنگلہ دیش میں حسینہ واجد اور بیگم خالدہ ضیاء بھی مسلمان ممالک کی وزیراعظم بنیں تھیں لیکن ان تینوں میں سے کوئی خاتون محترمہ بینظیر بھٹو سے یہ منفرد اعزاز چھین نہ سکی۔

محترمہ بینظیر بھٹو کے پہلی بار وزیراعظم بننے سے ملک میں مذہبی قوتوں اور جماعتوں نے ان کے خلاف پراپیگنڈے کا طومار باندھا لیکن وہ مسلسل آگے بڑھتی رہیں۔ ان کی وجہ سے دنیا بھر میں پاکستان کا معتدل روشن خیال سامنے آیا۔ تقریباً 3 سال بعد صدر غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا لیکن اگلے 3 سال بعد 1993ء میں وہ دوبارہ وزیراعظم بن گئیں۔ 1993ء سے لے کر 1996ء تک ان کو پونے تین سالہ اقتدار ان کے پہلے اقتدار سے کہیں زیادہ بہتر، بامقدار اور یادگار تھا۔ وہ ابھی مزید کارہائے نمایاں انجام دینا چاہتی تھیں کہ صدر فاروق لغاری جنہیں خود محترمہ بینظیر بھٹو نے صدر بنایا تھا، نے ان کا اقتدار ختم کر دیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کا شاندار سیاسی کردار اور ملک کے لیے ان کی خدمات کو جریدہ عالم سے محو نہیں کیا جا سکے گا۔ وہ نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دور میں جلاوطن ہو گئی تھیں لیکن اب ایک طویل عرصہ بعد 18 اکتوبر 2007ء کو وطن عزیز تشریف لے آئی تھیں۔ ان کے وطن آنے سے قبل نہیں بعض اطراف سے دھمکیاں دی گئیں کہ ان پر خودکش حملہ کیا جائے گا لیکن محترمہ

www.bhutto.org

بینظیر بھٹو ان دھمکیوں کی پرواہ کیے بغیر 18 اکتوبر کو کراچی اتر گئیں۔ جس روز وہ شہر قائداعظم میں آئیں۔ اسی شب ان پر کراچی میں قاتلانہ حملہ کیا گیا جس میں 150 سے زائد لوگ جاں بحق ہوئے لیکن محترمہ محفوظ رہیں۔ اس حملے کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ خودکش حملہ تھا لیکن محترمہ بینظیر بھٹو بار بار حکومت کے بعض اہم انٹیلی جنس افسروں کی جانب انگشت نما کرتی تھیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو کو مسلسل دھمکیاں کوملیں، اتنی دھمکیاں انتخاب کی مہمات میں شریک کسی دوسرے سیاستدان کو نہ ملیں۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مخصوص قوتیں جنہوں نے زیڈ اے بھٹو، میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو کو قتل کیا تھا، اب وہی قوتیں محترمہ بینظیر بھٹو کو بھی قتل کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن بینظیر صاحبہ ان سے بے نیاز ہو کر مردانہ وار انتخابی مہمات میں شریک ہو رہی تھیں۔ اس دوران ان کے ایک سکیورٹی مشیر رحمٰن ملک نے 25 دسمبر کو یہ بیان ریکارڈ کرایا تھا کہ حکومت پاکستان نے بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کو یقینی بنانے کے لیے جو سکیورٹی آلات فراہم کیے تھے۔ وہ ناکارہ اور فرسودہ تھے۔

ان شکایتوں کے باوجود محترمہ بینظیر بھٹو اپنے قافلے کو آگے ہی آگے بڑھاتی رہیں۔ گزشتہ سے پیوستہ روز 26 دسمبر 2007ء کو جب محترمہ بینظیر بھٹو پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کر رہی تھیں۔ ان کے عقب میں ایک دھماکہ ہوا۔ یہ دراصل بینظیر بھٹو پر دوسرا قاتلانہ حملہ تھا لیکن وہ پھر بھی محفوظ رہیں۔ وہ اپنے دائیں بازو بند تھے۔ امام ضامن کے سہارے منزلوں پر منزلیں مارتی آگے بڑھتی رہیں۔ 27 دسمبر کو محترمہ بینظیر بھٹو راولپنڈی کے مشہور لیاقت باغ میں جلسہ عام سے خطاب کرنے آئیں۔ جوش و خروش میں بپھرے پی پی پی کے کارکنوں نے انہیں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہا۔ سورج ڈوب چکا تھا اور شام کا اندھیرا دھیرے دھیرے راولپنڈی پر اتر رہا تھا۔ محترمہ بینظیر بھٹو جو زبردست مقرر تھیں۔ جلسہ عام سے خطاب کرنے سٹیج پر آئیں۔ تقریر کے خاتمے پر ان کے منہ سے ''جیئے بھٹو'' کے الفاظ نکلے تھے کہ کانوں کے پردے پھاڑنے والا ایک دھماکہ ہوا۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور بھگدڑ مچ گئی۔ یہ خودکش حملہ تھا یا ٹائم بم، کسی کو کچھ معلوم نہیں لیکن اس دھماکے نے محترمہ بینظیر بھٹو کے دل کی رگیں بند کر دیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ان کی موت کی تصدیق ہو گئی۔ خودکش دھماکہ اور فائرنگ نے ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اس وقت شام کے 6 بج کر 16 منٹ ہو رہے تھے، جب ان کی روح نے ان کے بدن کو

الوداع کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

پاکستان کی دو بار وزیر اعظم بننے والی محترمہ بینظیر بھٹو اس دنیا میں تقریباً 54 برس گزارنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملی ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور جنت فردوس کے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ جس جگہ ان کی شہادت ہوئی ہے، اسی جگہ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان کو شہید کیا گیا تھا اور بینظیر بھٹو کو شہید کیا گیا ہے اس سے محض 2 کلومیٹر کے فاصلے پر وہ جیل تھی جہاں ان کے والد گرامی اور منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر کھینچا گیا۔ والد بھی شہید بیٹی بھی شہید۔ لیاقت علی خان کے قاتل نہیں پکڑے گئے، مرتضیٰ بھٹو کے قاتل ہنوز روپوش ہیں، اب بینظیر بھی مار ڈالی گئی ہیں۔ ان کے قاتلوں کو کون بے نقاب کرے گا؟ ان کے تینوں بچے (بلاول، آصفہ اور بختاور) اپنی بینظیر ماں بینظیر بھٹو سے پلک جھپکتے میں محروم کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کون ظالم ہیں جنہوں نے یہ سفاک اور بہیمانہ اقدام کیا ہے؟ محترمہ بینظیر بھٹو شدت پسندی کے سخت خلاف تھیں اور گزشتہ کئی برس سے اس عفریت کی تباہ کاریوں کے بارے میں بیانات دیتی آ رہی تھیں۔ ملک کا شدت پسند طبقہ اور القاعدہ کے ارکان اور وابستگان ان کے دشمن خیال کیے جاتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ محترمہ بینظیر بھٹو پاکستان کی واحد سیاستدان تھیں جو ملک بھر میں مقبول تھیں۔ ان کے بارے میں یہ جو کہا جاتا تھا "چاروں صوبوں کی زنجیر، بینظیر بینظیر" تو یہ محض پی پی پی کا نعرہ ہی نہیں تھا، حقیقت کا عکاس بھی تھا۔ اسے اتفاق ہی کہا جائے گا کہ محترمہ بینظیر بھٹو کو بھی پنجاب ہی میں شہید کیا گیا اور ان کے والد کو بھی پنجاب ہی کے اسی شہر میں پھانسی دی گئی تھی۔

28 دسمبر 2007، بروز جمعہ، جب دوپہر کے سائے ڈھل کر لمبے ہو رہے تھے، شہید بے نظیر بھٹو کو گڑھی خدا بخش میں اپنے شہید والد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ ان کی نماز جنازہ جس میدان میں ادا کی گئی، وہ 65 ایکڑ پر محیط ہے، لیکن پھر بھی شرکت کنندگان کے وجود سے تنگ پڑ گیا اور یوں ختم ہوئی ایک ایسی زندگی جس نے زندگی کے 54 برس بہادری اور دلاوری سے گزارے اور کبھی آمروں، خواہ ان کا تعلق مذہبی آمروں سے تھا اور خواہ اقتداری آمروں سے، کے سامنے سر نہ جھکایا۔ غیور بے نظیر بھٹو، جنہوں نے شہادت کا تاج پہن لیا، کے والد گرامی کی

www.bhutto.org

موت پر پنجابی زبان کی معروف شاعرہ نسرین انجم بھٹی نے بھٹو کی ذات کو مرکز بنا کر کہا تھا:

میں ساگر مرزا سندھ دا
میری راول جنج چڑھی

اور اب محترمہ بینظیر بھٹو کی المناک شہادت کے موقع پر برادرم پروفیسر فیض رسول فیضان نے کہا ہے:

بھٹو کی بیٹی قتل ہوئی سینہ تان کر
تا کوئی یہ نہ سمجھے کہ مرنے سے ڈر گئی

پاکستان (ہفت روزہ زندگی)
30 دسمبر 2007ء تا 7 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بینظیر ہر پاکستانی خاتون کو خودمختار بنانا چاہتی تھیں

سندھ سے معروف سیاسی اور سماجی خواتین کا بے نظیر بھٹو کی شہادت پر اظہار خیال:

محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت پر جہاں پورا ملک سوگوار اور دنیا حیرت زدہ ہے وہاں پاکستانی خواتین خاص طور پر سانحہ لیاقت باغ پر غم زدہ دکھائی دیتی ہیں۔ خواتین کی اکثریت محترمہ بینظیر بھٹو کو اپنے لیے نجات دہندہ تصور کرتی تھیں اس سلسلے میں سندھ اور کراچی شہر سے تعلق رکھنے والی معروف سیاسی وسماجی خواتین نے بے نظیر کی شہادت پر اپنے جذبات واحساسات کا اظہار کیا ہے۔ جس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

محترمہ بینظیر بھٹو کی شخصیت اور شہادت کے حوالے سے بات چیت کرتے ہوئے محترمہ فاطمہ ثریا بجیا نے کہا کہ یہ پاکستان کی تاریخ کا بدترین سانحہ ہے، بینظیر بھٹو جیسی حوصلہ مند خواتین صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، جو لوگ پاکستان کے دشمن ہیں، اس کی سلامتی کی وجہ سے فکر مند ہیں وہ ایسے اقدامات کر رہے ہیں جو اس وطن کی بنیادیں کمزور کریں۔ یہ پاکستان کی اس بیٹی کی عوام میں مقبولیت ہی تو ہے کہ پورا ملک بلاتفریق اس کے جانے کے دکھ میں سوگوار ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں ایسے موقع پر کیا کہوں بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کے بچوں بختاور اور بلاول کو اپنی ماں کا رکھ سہنے کا حوصلہ دے۔

سابق صوبائی وزیر برائے بہبود نسواں ڈاکٹر سعیدہ ملک نے کہا کہ محترمہ بینظیر بھٹو شہید

www.bhutto.org

ایک عظیم مدبر شخصیت تھیں جنہوں نے اپنے حکمت عملی اور عالمی جدوجہد سے پاکستان کے تمام زبانیں بولنے والوں کو متحد رکھا بلکہ وہ صوبوں کے درمیان اتحاد کی علامتی زنجیر تھی۔ انہوں نے کہا کہ محترمہ بینظیر بھٹو کا قتل تاریخ ساز المیہ ہے، وہ ایسی خاتون تھیں جن پر ہر پاکستانی کو فخر ہونا چاہیے۔ انہوں نے ہمیشہ وفاق کی بات کی۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم میں سے ایک ایسی خاتون دنیا کے سامنے آئیں جنہوں نے نہ صرف قومی سطح پر بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا نام روشن کیا۔ بینظیر بھٹو کے جانے سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پر نہیں ہو سکے گا، یہ ہر پاکستانی کے لیے ایک جاں گزیں سانحہ ہے۔

سوہائی وزیر برائے بہبود نسواں نادرہ پنجوانی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بینظیر بھٹو پاکستانی خواتین کے لیے رول ماڈل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے نہایت حوصلے سے مسائل کا سامنا کیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے دنیا بھر میں پاکستانی خواتین کا نام کچھ اس طرح سے روشن کیا ہے کہ آج اپنا سر فخر سے بلند کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کا قتل ایک قومی سانحہ ہے۔

سوہائی وزیر ثقافت و سیاحت امبر رضا نینسی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بینظیر بھٹو کی شخصیت کا خاصا تھا کہ ان کے مخالفین بھی ان کی قائدانہ صلاحیتوں، ان کی بہادر اور ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کی دل سے قدر کرتے تھے کہ وہ بلاشبہ ایک عظیم لیڈر تھیں۔ انہوں نے کہا کہ بینظیر بھٹو جیسی خاتون لیڈر، بیٹی، بہن، بیوی اور ماں صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ بینظیر بھٹو کی شہادت سے قوم عظیم رہنما سے محروم ہوگئی۔ ایک سوال کے جواب میں امبر رضا نینسی نے کہا کہ میں ایک ماں ہوں، بینظیر بھٹو کے بچوں کو دیکھ کر دکھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو صبر عطا کرے کہ وہ اپنی عظیم ماں کا دکھ برداشت کر سکیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی رہنما اور انتخابات میں نیشنل اسمبلی کی امیدوار شمع منھانی نے کہا کہ بینظیر بھٹو نے ہمیں ایک بڑا مشن دیا ہے وہ پاکستان کی ہر خاتون کو آزاد اور خود مختار بنانا چاہتی تھیں۔ ہم اس مشن کو ہر صورت میں پورا کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی شہادت کا سن کر یقین نہیں آتا کہ اب وہ ہم میں نہیں رہیں۔ ان کے دل میں جہاں پاکستان کے ہر شخص کا درد تھا۔ وہاں وہ خاص طور پر پاکستانی خواتین کو باہمت اور خود مختار دیکھنا چاہتی تھیں جس کسی کی محتاج نہ ہو اور انہوں نے ہم سے بارہا کہا کہ وہ خواتین کی فلاح و بہبود کے منصوبوں کو ترجیحی بنیادوں پر شروع

www.bhutto.org

کریں، ان کے لیے انڈسٹریل ہوم بنائیں۔ انہیں ہنرمند بنائیں، میں مدد کرتی ہوں کہ بی بی بھٹو کے اس مشن کو ضرور پورا کروں گی اور اپنے طور پر مجھ سے جو بھی ہو سکتا ہے وہ ضرور کروں گی۔ انہوں نے کہا کہ میں اور پاکستان پیپلز پارٹی کی تمام خواتین بی بی کا جمہوریت کی بحالی کا مشن جاری رکھیں گی۔

معروف دانشور مہتاب اکبر راشدی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بینظیر بھٹو پاکستانی خواتین کے لیے ایک اساس کی حیثیت رکھتی تھیں، ان کا حوصلہ اور تدبر کسی سے پوشیدہ نہیں تھا۔ انہوں نے مشکل حالات میں نہ صرف اپنے خاندان کو سہارا دیا بلکہ دو مرتبہ ملک کی باگ ڈور بھی سنبھالی، انہیں دنیا کی پہلی مسلمان خاتون وزیراعظم ہونے کا اعزاز حاصل ہے جو یقیناً ہم سب کے لیے فخر کی بات ہے۔

متحدہ قومی موومنٹ کی جانب سے قومی اسمبلی کی نامزد امیدوار اور معروف کمپیئر خوش بخت شجاعت نے کہا کہ بحیثیت ایک خاتون میں سمجھتی ہوں کہ بینظیر بھٹو پاکستانی خواتین کے لیے ایک مثال تھیں۔ انہوں نے مسائل و مصائب سے گزرنے کے باوجود حوصلہ اور ہمت نہ ہاری اور آخر کار اپنے مشن کی خاطر جان دے دی۔ میں سمجھتی ہوں کہ ہر پاکستانی خاتون کو اتنا مضبوط ہونا چاہیے، انہوں نے کہا کہ بینظیر بھٹو کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے کوئی بھی پر نہیں کر سکتا۔ تاریخ ہمیشہ انہیں ایک بہادر خاتون کے حوالے سے شناخت کرے گی۔

معروف قانون داں محترمہ شاہدہ جمیل نے کہا کہ بینظیر بھٹو جیسی حوصلہ مند خواتین کی مثالیں تاریخ میں نہایت کم ہیں۔ ان کے ساتھ ہونے والے واقعہ نے پاکستان کے ہر فرد کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ نہایت حوصلہ مند خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں ہر وہ خاصیت تھی جو ایک خاتون میں ہونی چاہیے تھی۔ بینظیر بھٹو پاکستان کی خواتین کے لیے باعث فخر نام ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی خاتون راہنما سسی پلیجو نے کہا کہ عظیم لیڈر کی شہادت پارٹی کارکنان سمیت ہر پاکستانی کے لیے المناک سانحہ ہے۔ بے نظیر بھٹو کا قتل قومی سلامتی اور یکجہتی پر کاری ضرب ہے، شہید جمہوریت محترمہ بے نظیر بھٹو کا قتل ٹارگٹ کلنگ کا نتیجہ ہے، حکومت محترمہ کو سکیورٹی فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ بھٹو خاندان کا ایک اور سپوت جمہوریت کے راستے

میں اپنی زندگی کی جنگ ہار گیا۔ شہید جمہوریت محترمہ بے نظیر بھٹو کا قتل ملک کی سولہ کروڑ عوام کا قتل ہے جس سے پاکستان کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے جبکہ محترمہ نے بار بار اپنی سکیورٹی کے خدشات سے حکومت کو آگاہ کیا مگر حکومت نے لاپروائی اور غفلت کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے ملک ایک عظیم اور قابل سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے۔ پیپلز پارٹی کی شہید چیئر پرسن محترمہ بینظیر بھٹو کو ان قوتوں نے قتل کرایا ہے جو گزشتہ 60 سالوں سے ملک پر حکومت کر رہی ہیں اور یہ ملک توڑنے کی ایک سازش ہے۔ یہ ایک فرد یا خاندان کا نہیں بلکہ پورے ملک اور بالخصوص سندھ کے عوام کا قتل ہے۔ محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے بعد سیاست میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگا تاہم انہوں نے آصف علی زرداری کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے اور ہم ان کی قیادت میں متحد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بینظیر بھٹو کا قتل سندھ کے عوام کے لیے ایک چیلنج ہے، عوام خود ان کا مشن مکمل کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح سندھ کے عوام نے پارٹی سے بالاتر ہو کر ردعمل ظاہر کیا ہے۔ اسی طرح اب پیپلز پارٹی کو کامیاب کریں گے۔ عوام متحد ہو کر گرتی ہوئی دیوار کو دھکا دیں اور ہمیشہ کے لیے آمریت کا خاتمہ کر دیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی سنٹرل سیکریٹریٹ کراچی کی انچارج بیگم نرگس این ڈی خان نے شہید ملت بینظیر بھٹو کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اور قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو شہید کے بعد دختر مشرق محترمہ بینظیر بھٹو شہید کا شمار ان عظیم قومی ہیروز میں ہوتا ہے جنہوں نے ارض پاک کے لیے نا قابل فراموش خدمات انجام دیں اور تاریخ میں امر ہو گئیں۔ انہوں نے کہ قوم کی بیٹی نے راولپنڈی میں شہادت کا جام نوش کر کے حب الوطنی اور قربانی کی بینظیر تاریخ رقم کی ہے آج عالم انسانیت محترمہ پر فخر کر رہی ہے، وفاق کے استحکام کے لیے شہید چیئر پرسن کا فلسفہ سیاست اور نظریہ حیات مشعل راہ ہے۔

شازیہ انوار
خبریں (سنڈے سپیشل)
6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بے نظیر بھٹو مسلم خواتین کی عالمی ترجمان تھیں

افشاں قریشی، یاسمین فاطمہ خان

محترمہ بینظیر بھٹو شہید، پاکستانی سیاست کا ایک ایسا نام جو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا وہ پاکستان پیپلز پارٹی کی سربراہ تھیں۔ اس حوالے سے ملک کے اندر اور باہر ان کے نظریات کے مخالف لوگوں کی تعداد بھی کافی ہے یہی وہ پہلو ہے جس نے ان کی زندگی کو خوشیوں اور غموں میں گوندھ رکھا تھا۔ انہیں زندگی کے بڑے حصے میں دکھوں اور دوچھوڑوں کا سامنا کرنا پڑا۔ محترمہ ابھی نوعمر ہی تھیں کہ ایک آمر حکمران نے ان کے باپ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس سانحہ کے بعد تو جیسے موت نے ان کے گھر کا راستہ ہی دیکھ لیا تھا۔ پہلے ان کا چھوٹا بھائی شاہنواز بھٹو غریب الوطنی میں زہر خورانی کے ہاتھوں جاں بحق ہوا پھر ان کی اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں ان کا دوسرا بھائی مرتضیٰ بھٹو کراچی میں موت کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ وہ دوبار ملک کی وزیراعظم رہیں اور دونوں بار ہی سازشوں کے ذریعے ان کی حکومت آئینی مدت سے پہلے ختم کر دی جاتی رہی۔ ان ادھوری حکومتوں کے نتیجے میں ان کا اپنے انتخابی منشور پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ البتہ حکومت سے علیحدگی کے بعد انہیں لاتعداد مقدمات میں الجھا دیا گیا جس کے نتیجے میں ان کے شوہر آصف علی زرداری کو آٹھ سال سے زیادہ عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ خود انہیں

www.bhutto.org

سات سال سے زیادہ عرصے کے لیے جلاوطنی کا زخم سہنا پڑا۔ اس عرصے میں محترمہ بےنظیر بھٹو تن تنہا اپنے تین بچوں کی تعلیم و تربیت اور عمر رسیدہ والدہ نصرت بھٹو کی تیمارداری کی ذمہ داریاں پوری کرتی رہیں۔

نجی سطح پر ان تمام مشکلات اور ایک عورت ہونے کے باوجود ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کی باگ ڈور سنبھالے رکھی اور اس کی تنظیم سازی سے لیکر سیاسی جدوجہد میں اس کے مؤثر کردار کو اجاگر کرتی رہیں اور اب اسی سلسلے میں وہ 18 اکتوبر دوہزار کی جلاوطنی کے بعد پاکستان آئی تھیں۔ وہ ان دنوں آٹھ جنوری کو ہونے والے انتخابات کے حوالے سے عوامی رابطے کے سلسلے میں ملک گیر دورے پر تھیں۔ 27 دسمبر کو وہ راولپنڈی کے لیاقت باغ میں عوام سے خطاب کے بعد واپس آ رہی تھیں کہ انہیں دہشت گردی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ ان کی شہادت پر عالمی سطح پر اور پاکستان کے چپے چپے میں تین روز تک سوگ کی جو کیفیت دیکھنے میں آئی اس کی مثال نہیں ملتی۔

محترمہ بےنظیر بھٹو کی ہمہ گیر شخصیت، بھرپور عوامی اور سیاسی زندگی، عوامی جدوجہد اور المناک شہادت نے ہمارے معاشرتی ڈھانچے پر دوررس اثرات مرتب کیے ہیں ان کی شخصیت بارے گفتگو کے لیے اوصاف نے خواتین کے ایک فورم کا اہتمام کیا جو قارئین کے لیے پیش خدمت ہے۔

پیپلز پارٹی کی راہنما نرگس فیض ملک نے فورم میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت قومی المیہ ہے جس پر افسوس کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ محترمہ بےنظیر بھٹو نے جس شان سے اپنی زندگی میں سیاست کی اسی شان سے شہادت کا رتبہ بھی حاصل کیا۔ انکی شہادت نے ثابت کر دکھایا کہ وہ پاکستان کی ہی نہیں پورے ایشیا کی بیٹی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد زندگی میں اندھیرا ہی اندھیرا لگتا ہے ان کی اعلیٰ شخصیت کی بدولت آج ہر آنکھ اشکبار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں وہ تمام خوبیاں یکجا کی ہوئیں تھیں جو ایک لیڈر میں ہونی چاہئیں۔ بے نظیر بھٹو شہید ملک میں جمہوریت دیکھنا چاہتی تھیں اور انہوں نے جمہوریت کے لیے ہی جان کی قربانی دے دی۔ سیاست میں بے نظیر بھٹو کی شہادت سے جو خلا پیدا ہو گیا وہ شائد صدیاں گزر جانے کے بعد بھی پر نہیں ہو سکے گا اور عوام ہمیشہ انکی کمی محسوس کرتے رہیں گے کیونکہ بے نظیر بھٹو شہید لازوال تحریک کا نام ہے۔ لازوال جدوجہد کا نام ہے اور لازوال نظریئے کا نام

www.bhutto.org

ہے۔ جن ظالموں نے بے نظیر بھٹو کو شہید کیا ان کی یہ بھول ہے کہ بھٹو خاندان کا مشن بھی ختم ہو گیا ہو گا جس طرح ذوالفقار علی بھٹو شہید ہونے کے باوجود آج بھی عوام کے دلوں میں زندہ ہیں۔ بے نظیر بھٹو بھی زندہ رہیں گی اور پیپلز پارٹی کی تمام خواتین بے نظیر بھٹو کے مشن کو آگے لے کر بڑھیں گی۔

شمیم اعجاز جو اسلام آباد پیپلز پارٹی شعبہ خواتین کی سینئر نائب صدر ہیں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگیاں بھی ختم ہو گئیں ہیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ اس افسوسناک سانحے کی ذمہ دار خود حکومت ہے۔ ہم قاتلوں کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ ان کی شہادت سے گھر اور بازار تک ویران ہو گئے ہر طرف سوگ کا عالم ہے انشاء اللہ ہم خواتین بے نظیر بھٹو شہید کے مشن کی تکمیل تک چین سے نہیں بیٹھیں گی۔

مسلم لیگ (ن) شعبہ خواتین پنجاب کی صدر بیگم نجمہ حمید نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے تو میں کہوں گی کہ اس سانحے پر صرف پیپلز پارٹی کے لوگ ہی نہیں ہم سب دکھی ہیں اور پیپلز پارٹی کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو سے لیکر بے نظیر بھٹو تک اس خاندان نے ہمیشہ قربانیاں دی ہیں میں سمجھتی ہوں بے نظیر بھٹو ہمیشہ زندہ رہیں گی وہ ایک عظیم لیڈر تھیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت جیسے بلند رتبے پر فائز کیا۔ بے نظیر بھٹو کو نشانہ بنانے والوں نے پاکستان کو توڑنے کی سازش کی ہے۔ سندھ اور پنجاب کو آپس میں لڑانے کے لیے بے نظیر بھٹو کو راولپنڈی میں شہید کیا گیا لیکن ہمارے قائد میاں نواز شریف کے بروقت اقدامات سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔ میں یہ کہنا بھی ضروری خیال کرتی ہوں کہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید اور میاں نواز شریف کا اتحاد بھی ان لوگوں کو ہضم نہیں ہو رہا تھا اسی لیے ظالموں نے بے نظیر بھٹو کو شہید کیا۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت سے ہم سب کو شدید نقصان پہنچا اور آج تک بے نظیر بھٹو سمیت جتنے لوگ بھی شہید ہوئے اس حکومت کو ان کا حساب دینا ہو گا اب تو ہمارا ایک ہی مطالبہ ہے کہ الیکشن مقررہ وقت پر ہی ہونے چاہئیں اور انشاء اللہ مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی ملکر ملک دشمن عناصر کا خاتمہ کریں گے۔

سیما جیلانی جو مسلم لیگ (ن) شعبہ خواتین پنجاب کی جوائنٹ سیکرٹری ہیں نے اپنی

www.bhutto.org

گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی قائدانہ صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں ان کی شہادت سے سیاسی میدان میں جو کمی آئی ہے اس کی کوشائد کوئی پورا نہ کر سکے اور ان کی شہادت کی ذمہ دار خود حکومت ہے اور اس دن آپ نے دیکھا کہ ملک کی دو بڑی پارٹیوں کے دونوں بڑے لیڈروں کو نشانہ بنایا گیا جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ آج سے دس سال پہلے تک خودکش حملوں کا کسی نے نام بھی نہیں سنا تھا سوچنے کی بات ہے کہ یہ اب کیوں ہو رہے ہیں۔ آج چوہدری شجاعت صاحب کہتے ہیں کہ (ق) لیگ کو قاتل نہ کہا جائے۔ میں پوچھتی ہوں جو کچھ قبائلی علاقوں میں ہو رہا ہے، جن بے گناہ لوگوں کو لال مسجد میں شہید کیا گیا اور جس طرح وطن عزیز کو بے نظیر بھٹو جیسی عظیم لیڈر سے محروم کیا گیا (ق) لیگ کو قاتل لیگ نہ کہیں تو پھر کہا کہیں؟ میری عوام سے یہ اپیل ہے کہ وہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کا بدلہ قومی املاک کو نقصان پہنچا کر نہ لیں کیونکہ جو بھی ترقیاتی کام ہوئے ہیں۔ وہ عوام کے ٹیکسوں کی رقم سے ہوتے ہیں ایسے لوگوں سے ووٹ کی طاقت سے بدلہ لیا جائے اور یہ بھی پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ الیکشن بروقت کرائے جائیں۔ اگر یہ لوگ سچے ہیں تو انتخابات سے کیوں بھاگ رہے ہیں عوام اب مزید کسی کو بھی ملک لوٹنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

پیپلز پارٹی شعبہ خواتین راولپنڈی ڈویژن کی صدر باجی نصرت نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جو ظلم ہوا ہے یہ ہونا نہیں چاہیے تھا۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت سے ایسے لگتا ہے جیسے ہم ماں سے محروم ہو گئے ہیں، بے نظیر بھٹو نے جس طرح عام خواتین کو نمائندگی دی انہیں عزت دی اس طرح کسی جماعت نے نہیں دی۔ ان کی شہادت سے صرف پارٹی کو ہی نہیں پورے ملک کو نقصان ہوا ہے جس کی تمام ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی خبر سنتے ہی میں فوراً ہسپتال پہنچ گئی میں نے بی بی کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور دیر تک ان سے باتیں کرتی رہیں مگر اس وقت تک ان کی روح جنت میں پہنچ چکی تھی۔ حکومت کہتی ہے کہ ان کو گولیاں نہیں لگیں یہ بالکل جھوٹ ہے میں نے خود ان کی گردن پر گولیوں کے نشان دیکھے ہیں، ان کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ پاؤں کے انگوٹھے بھی بندھے ہوئے تھے اور ماتھے پر بھی پٹی باندھی ہوئی تھی میں اور ناہید خان دیر تک ایک دوسرے کے گلے مل کر روتی رہی۔ کاش مارنے والے یہ ظلم کرنے سے پہلے ایک بار ہی سوچ لیتے کہ وہ ملک کا کتنا بڑا نقصان کرنے والے ہیں۔

www.bhutto.org

کاش ایسا نہ ہوتا۔ بے نظیر بھٹو کی المناک شہادت کے بعد انشاء اللہ ہم ان کے مشن کو پورا کرنے کے لیے دن رات کوشاں رہیں گے۔

نصرت سراج پیپلز پارٹی راولپنڈی ڈسٹرکٹ کی صدر نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بے نظیر بھٹو ایسی شخصیت کی مالک تھیں جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بے نظیر بھٹو شہید نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کو اتنے سال گزرنے کے بعد بھی مرنے نہیں دیا وہ عظیم بیٹی اور ماں بھی عظیم تھی جس نے اپنے بچوں کی پرورش گھریلو عورتوں کی طرح کی اور بیوی ایسی تھی جس نے ہمیشہ شوہر کی فرمانبرداری کی۔ خاوند کو انصاف دلانے کے لیے دن رات جدوجہد کی۔ عام خواتین کو زبان دی، عملی طور پر خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے ایسے ایسے کام کیے جن کا کسی زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ پاکستان کی ہی نہیں برصغیر کی بھی عظیم لیڈر تھیں یہ ان کی سحر انگیز شخصیت کا ہی کمال تھا کہ لوگ انکی بات مانتے تھے۔ بے نظیر بھٹو ڈرائنگ روم کی لیڈر نہیں تھیں بلکہ عوام کی مقبول ترین لیڈر تھی اپنی جان خطرے میں ہونے کے باوجود وہ عوام سے دور نہ رہ سکیں وہ کتنی بہادر ہیں یہ انہوں نے ثابت کر دیکھایا۔ لیاقت باغ میں جلسے کے دوران جو نوران کے چہرے پر تھا وہ مومن ہونے کی سب سے بڑی نشانی ہے ان کے چہرے پر شہادت کا نور تھا اس دن وہ دنیا کی خوبصورت ترین خاتون لگ رہی تھیں وہ کتنی عظیم ہیں اس کا اندازہ یہاں سے لگا لیں کہ دنیا کے تمام مذاہب کے لوگوں نے اپنے اپنے طریقے سے ان کے لیے عبادت کی۔ تمام ممالک میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی گئی، سیاسی حوالے سے ان کی شہادت سے جو نقصان ہوا وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت پر جس طرح خواتین نے اظہار یکجہتی کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ انشاء اللہ ہم بی بی کا مشن لیکر محلے محلے اور گلی گلی جائیں گے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی زندگی میں ہی کہہ دیا تھا کہ میں اگر شہید ہو گئی تو اس کے ذمہ دار کون لوگ ہونگے۔ ان کے نام اقوام متحدہ اور صدر پرویز مشرف کو دے دیئے تھے۔ حکومت جس تنظیم کو ملوث کرنا چاہ رہی ہے انہوں نے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ ہم عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے اور نہ ہی بے نظیر بھٹو کو قتل کرنا ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔ حکومت اپنی جان چھڑانے کے لیے دوسروں پر الزام نہ دھرے، عوام باشعور ہو چکے ہیں اب حکومت زیادہ عرصے تک انہیں بے وقوف نہیں بنا سکتی۔

سابق رکن قومی اسمبلی راحیلہ یحییٰ منور نے فورم کے دوران ٹیلی فون پر اپنے خیالات کا

اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت نے پورے ملک کو افسردہ کر دیا۔ نظریاتی اختلافات اپنی جگہ مگر بطور انسان اس واقعہ سے دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ملکی حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ کیا امیر اور کیا غریب کس کی جان محفوظ نہیں۔ بے نظیر بھٹو کا شمار انٹرنیشنل لیڈروں میں تھا، پاکستان ایک عظیم سیاست دان سے محروم ہو گیا اس موقع پر میں غم زدہ خاندان اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے دکھ میں برابر کی شریک ہوں۔ ایک اور بات کہنا ضروری خیال کرتی ہوں کہ پاکستان کسی فرد واحد کا نہیں اگر ایک شخص کے حکومت چھوڑنے سے ملکی حالات بہتر ہو سکتے ہیں، امن قائم ہو سکتا ہے تو اسے فوراً حکومت چھوڑ دینی چاہیے۔ سمجھ نہیں آتی حکومت اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے مزید کتنی قربانیاں لے گی موجودہ نگران حکومت کے دور میں تو بدامنی کی انتہا ہو گی یہ ملک سولہ کروڑ عوام کا ہے اور سولہ کروڑ عوام کی خواہشات کے خلاف ایک شخص کا حکومت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

پیپلز پارٹی شعبہ خواتین کی سیکرٹری اطلاعات نگہت سیف نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت ملک کا بہت بڑا نقصان ہے۔ بے نظیر بھٹو اتنی ذہین خاتون تھیں کہ ان کو لیکچر دینے کے لیے مغربی ممالک اپنی یونیورسٹیوں میں دعوت دیتے تھے۔ 27 دسمبر کو بے نظیر بھٹو بہت خوش نظر آ رہی تھیں اور پر جوش انداز سے عوام کے نعروں کا جواب دے رہی تھیں۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی ذمہ دار خود حکومت ہے۔

بی بی بار بار کہتی رہی کہ ان کو تحفظ فراہم کیا جائے مگر حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت میں طالبان کا ہاتھ نہیں کیونکہ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانا ان کی روایات کے خلاف ہے۔ یہ وہ کہہ چکے ہیں۔ بے نظیر بہت عظیم خاتون تھیں وہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کی عظیم لیڈر تھیں۔

اختر بی بی سینئر نائب صدر پیپلز پارٹی پی پی 14 شعبہ خواتین نے کہا کہ آج میں اندر سے ٹوٹ چکی ہوں۔ بی بی ہر مشکل کی گھڑی میں ہمارے حوصلے بڑھاتی تھی مگر آج تو وہ خود چلی گئیں آج وہ نہیں دیکھ پا رہی کہ پورا پاکستان کتنا رو رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاتلوں کو جلد از جلد سامنے لائے اور ہم سب کو صبر دے کیونکہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کا جتنا دکھ ہوا میری ماں، بھائی

اور شوہر فوت ہوا تھا اتنا دکھ تو اس وقت بھی نہیں ہوا۔

پیپلز پارٹی کی شہناز بٹ جو شعبہ خواتین تحصیل ٹیکسلا کی صدر ہیں انہوں نے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہادت کا رتبہ حاصل کر کے اپنے باپ کی طرح امر ہو گئیں۔ انہوں نے خواتین کو حوصلہ فراہم کیا کہ وہ گھروں سے نکل کر عملی سیاست میں حصہ لیں اور ملک وقوم کی خدمت میں اپنا کردار ادا کریں۔ وہ ایک عظیم ہستی تھیں جنہوں نے دنیا کے کئی بڑے ایوارڈ بھی حاصل کیے۔ شہناز بٹ نے کہا کہ محترمہ صرف پاکستان کی نہیں بلکہ پورے ایشیا کی لیڈر تھیں۔ وہ عوام کی خوشی میں خوش ہوتی تھیں کبھی کسی پر کیچڑ نہیں اچھالا۔ آج چاہے وہ ہم میں نہیں مگر وہ ہمیشہ ہماری قائد رہیں گی ان کی باتوں میں جادو اور چہرے پر نور تھا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

پیپلز پارٹی شعبہ خواتین راولپنڈی کینٹ کی صدر سبرینہ جاوید نے بامشکل اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ مجھ نہیں آتی بات کہاں سے شروع کروں وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جن سے محترمہ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں وہ واقعی "بینظیر" تھیں۔ وہ پہلی خاتون لیڈر تھیں جنہوں نے 1995ء میں ایشیا ،فورم میں خواتین پر تشدد کیخلاف آواز بلند کی وہ خواتین کو مردوں سے کسی طور پیچھے نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ ہم ان کے نقش قدم پر چلیں گے اور خواتین کے حقوق کی جنگ لڑتے رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند درجہ دے ان کے بچوں اور شوہر کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

پیپلز پارٹی راولپنڈی کی ایڈیشنل جنرل سیکرٹری نگہت طارق نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بے نظیر بھٹو جیسی عورت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے وہ ایک فرمانبردار بیٹی، بیوی اور محبت کرنے والی ماں تھیں۔ وہ چاہے کتنا عرصہ بھی بیرون ملک کیوں نہ رہی ہوں انہوں نے اپنا مشرقی پن کبھی نہیں چھوڑا۔ محترمہ نے ہر عورت کے اندر بینظیر جگا دی، وہ خواتین کو عزت کی زندگی دینا چاہتی تھیں اور دی بھی۔ اپنے آخری جلسے میں انہوں نے پرجوش تقریر کی، بھٹو کے خوب نعرے لگوائے۔ اس دن ان کی سیکورٹی نہ ہونے کے برابر تھی جس کی وجہ سے حادثہ پیش آیا۔ ہم عزم کرتے ہیں کہ ان کے مشن کو جاری رکھیں گے۔

پیپلز پارٹی شعبہ خواتین تحصیل مری کی صدر سیلا بٹ نے بات کا آغاز اپنے ہی ایک شعر

سے کیا۔

بینظیر آسماں کا ستارہ زمیں پر تھیں
قدرت کی رحمتوں سے اتری زمین پر تھی

میرے پاس کہنے کو زیادہ کچھ نہیں بس اتنا کہوں گی کہ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے بعد پارٹی یتیم ہوگئی تھی۔ اب محترمہ کی شہادت سے مسکین بھی ہوگئی ہے۔

زاہدہ اسلم صدر پیپلز پارٹی کوہاٹ نے سب سے پہلے شعر پڑھا۔

بچھڑی کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
بے نظیر پورے ملک کو ویران کر گئی

انہوں نے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو اپنے باپ کی طرح بہادر تھیں وہ موت سے بالکل نہیں ڈرتی تھیں۔ وہ غریب عوام کے لیے ایک نئے مشن کے ساتھ وطن واپس آئیں لیکن بدقسمتی سے آتے ہی 18 اکتوبر کو ان پر حملہ ہوگیا جس میں وہ بچ تو گئیں مگر ہمارے کئی ساتھی شہید ہو گئے۔ اس بارے میں محترمہ نے اقوام متحدہ کو خط بھی لکھا اور بتایا کہ حملے کا کون کون ذمہ دار ہے۔ دراصل جب سیاسی قیمتوں نے اپنی شکست دیکھی تو محترمہ اور نواز شریف پر ایک ہی دن حملہ کر دیا جس میں ہماری قائد شہید ہوگئیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عوام شور شرابا کر کے چپ ہو جائیں گے اور وہ اپنا الو سیدھا کر لیں گے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ بھٹو کا نام روز محشر تک کے لیے زندہ ہوگیا ہے۔

پارٹی ورکر شبانہ مقصود نے کہا کہ بھٹو کے بارے میں بچپن سے ہی سنتے آئے تھے کہ انہوں نے عوام کے لیے کیا کچھ کیا انہیں شعور دیا پھر اپنی جان بھی دے دی۔ محترمہ بھی دلیر خاتون تھیں ہم ان کی شہادت پر روئیں گے نہیں بلکہ اب وقت ہے کہ دوسروں کو رلائیں۔ ان کے خون کا نذرانہ ضرور رنگ لائے گا۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ اپنے بچوں میں محترمہ جیسی خوبیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ انہیں بے نظیر جیسا بے مثال بنا دیں گے۔ اللہ ہماری نئی قیادت کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ پارٹی کو کامیاب بنائے اور محترمہ کو بلند درجات عطا فرمائے آمین۔ ہم نواز شریف کے بھی بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے غم میں ہمیں حوصلہ دیا۔ اللہ انہیں بھی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

www.bhutto.org

مسلم لیگ (ن) کی مسز تحسین فواد نے کہا کہ محترمہ بہت بڑی لیڈر تھیں۔ ان کی شہادت پر ہم بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ ہنستا مسکراتا چہرہ نا جانے کہاں کھو گیا۔ اللہ اس ملک کی حفاظت کرے اور محترمہ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین

پیپلز پارٹی راولپنڈی سٹی کی صدر سیرا گل نے کہا کہ محترمہ بے نظیر ایشیا کی شہزادی تھیں۔ انہیں لوگ کس قدر چاہتے تھے اس کا اندازہ ان کی شہادت کے بعد ہوا وہ زندہ سے بھی زیادہ مقبول تھیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ہر مسلک اور ہر مذہب سے تعلق رکھنے والوں نے محترمہ کو شہید کا خطاب دیا۔ ان کی شہادت صرف پاکستان کا نہیں پورے ایشیا کا نقصان ہے۔ محترمہ نے باپ کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھا، قوم ان کی شہادت کو رائیگاں نہیں جانے دے گی ان کے مشن کو ہر حال میں جاری رکھیں گے۔ انہوں نے ہم سے پہلی بار عہد کیا تھا کہ میری جان کوئی معنی نہیں رکھتی ہمیں پاکستان بچانا ہے اس کام میں سب نے میرا ساتھ دینا ہے۔ ہم سب نے ہاتھ اٹھا کر وعدہ کیا۔ اب عوام کو بھی چاہیے کہ وہ پاکستان اور وفاق کو بچانے کے لیے جمہوریت کی بحالی میں اپنا کردار ادا کریں، ووٹ پیپلز پارٹی کو دیں تا کہ ''قاتل لیگ'' کا صفایا کیا جا سکے۔

میری التجا ہے کہ اب میاں نواز شریف کو مکمل سیکورٹی فراہم کی جائے اور عالمی لیڈروں کے قاتلوں کو کڑی سزا دی جائے۔

پیپلز پارٹی پی پی 12 کی جنرل سیکرٹری نصرت سلطانہ نے بھی اپنے تاثرات کا آغاز ایک شعر پڑھ کر کیا۔

یہ بازی خون کی بازی ہے یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے بینظیر نکلے کی تم کتنی بینظیر مارو گے

انہوں نے مزید کہا کہ محترمہ پہلی مسلمان خاتون لیڈر تھی ان کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے وہ خاندانی نواب یعنی کھاتے پیتے گھرانے سے تھیں انہیں پیسوں کا کوئی لالچ نہیں تھا۔

چوہدریوں کا کہنا تھا کہ محترمہ ڈیل کے ذریعے وطن واپس آئیں یہ کیسی ڈیل تھی کہ وہ اس ملک کی خاطر اپنی جان دے دیں آج ہم اپنی قائد سے محروم ہو گئے۔ ہم یتیم ہو گئے۔

اسلام آباد لیڈیز کونسل کی صدر اور سابق صدر شعبہ خواتین ونگ مسلم لیگ (ق) اسلام آباد شازیہ رؤف نے کہا کہ محترمہ کی شہادت پر مخالفین بھی رو رہے ہیں ہر طرف سناٹا ہے جیسے کوئی اپنا

www.bhutto.org

بہت قریبی ہم سے بچھڑ گیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے ساتھ ہی سانحے کیوں ہوتے ہیں؟ انہیں نے کہا کہ عظیم لیڈر کے قاتل کو کڑی سزا ملنی چاہیے، بینظیر بننا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ تو واقعی بینظیر تھیں۔

مسلم لیگ (ن) کی سیکرٹری اطلاعات راولپنڈی زیب النساء نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے ہم پیپلز پارٹی کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترمہ بے نظیر بھٹو کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ محترمہ کے قاتلوں کو فوری گرفتار کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

صدر راولپنڈی پی پی 13 روبینہ شفیق۔ محترمہ کے قتل کی شدید الفاظ میں مذمت کی اور کہا کہ اگر حکومت سیکورٹی فراہم کرتی تو محترمہ کی زندگی بچائی جا سکتی تھی۔ اب معطل چیف جسٹس چوہدری افتخار کی سربراہی میں کمیشن بنایا جائے اور وہ ہی واقعہ کی مکمل تحقیقات کریں۔ محترمہ کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا وہ شائد صدیوں پورا نہ ہو سکے۔

مسلم لیگ (ن) راولپنڈی پی پی گیارہ کی صدر شمیم حیات نے کہا کہ سب سے پہلے تو بی بی کی بہادری کو سلام پیش کرہوں۔ وہ ایک نڈر لیڈر تھیں، دیہاتی خواتین جنہیں سیاست کی تو سمجھ نہیں مگر محترمہ کی شہادت پر وہ صرف اس لیے روئیں کہ محترمہ تھیں تو ایک ماں ان کے بچوں کیا ہوگا۔ ہر آدمی نے واقعہ کی مذمت کی۔

گھریلو خاتون نائلہ فراز نے کہا کہ بے نظیر کی شہادت سے پاکستان کو جو نقصان پہنچا وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا اس سانحہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

فورم کے آخر میں تمام خواتین نے ہاتھ اٹھا کر یہ عہد کیا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے مشن کو مل کر جاری رکھیں گے اور جمہوریت کی بحالی کے لیے کوشاں رہیں گے۔

تمام خواتین نے محترمہ کی روح کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی بھی کی۔

روزنامہ ''اوصاف'' لاہور

5 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

گولی کا راج

جیون خان

گولی چلی دھماکہ ہوا، پھر کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ صدمہ کی شدت سے دل دہل گئے، آنکھوں سے اشک رواں ہوئے جو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے، محرومی کا احساس ہر دل و دماغ میں گھر کر گیا، جس کسی نے جس لمحے بی بی کی شہادت کا سنا اندوہ والم میں ڈوب گیا۔ اسے یوں لگا کہ متاع حیات لٹ گئی۔ حسن وخوبی کے سب استعارے چھن گئے۔ دنیا ویران ہوگئی۔ 27 دسمبر 2007ء کی شام بڑی اُداس تھی۔ قیامت گزر گئی تھی۔ بھونچال آیا تھا جس نے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا۔ شروع میں سکتے کا عالم تھا مگر رات پڑتے ہی غم وغصہ کی لہر ابھری تھی۔ لوگ سڑکوں پر نکل آئے تھے، توڑ پھوڑ شروع ہوئی تھی، ادھر ادھر آگ کے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ تین دن تک زندگی معطل رہی۔ غیض وغضب کا رخ زیادہ تر بینکوں، کارخانوں، کاروں اور سرکار کی حمایتی سیاسی پارٹیوں کے دفاتر کی طرف رہا۔ ریلوے نظام کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ اہل نظر کا خیال تھا کہ آٹھ سالہ ترقی کے ثمرات عوام تک پہنچنے کی بجائے چند شعبوں میں مرکوز ہو گئے تھے۔ دولت وثروت کے یہ جزیرے محروم طبقہ کے لئے نفرت کی علامت بن گئے۔ غم و غصہ کی طوفانی لہر اٹھی، مشتعل لوگوں کی ٹولیاں باہر نکلیں۔ پولیس ان کے سامنے بے بس تھی۔ بپھرے ہوئے نادار نوجوانوں کو میدان صاف ملا تو وہ نفرت کی علامات پر پل پڑے۔ املاک کو نقصان پہنچانے والوں

www.bhutto.org

کے بارے میں کہا گیا کہ وہ کسی سیاسی پارٹی کے باقاعدہ کارکن نہیں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ ان کی جھولی خالی تھی نہ دکان نہ مکان، نہ ڈھنگ کا کاروبار۔ کسی ڈھنگ روٹی کما کھاتے تھے۔ ان کے پاس کھونے کو کچھ نہیں تھا۔ یوں بھی یہ سراپا احتجاج تھے۔ اب جو دیکھا کہ ان کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں تو معاشرہ سے انتقام لینے بے محابا اُبل پڑے۔ یہ سوچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ تاخت وتاراج سے کیا حاصل ہوگا۔ ریل گاڑیوں اور ریلوے اسٹیشن کو نذرِ آتش کرنے سے اشرافیہ کا کیا بگڑے گا۔ جاگیردار، سرمایہ اور حاکم کہاں ریل گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔ یہ تو غریب مسافروں کی سواری ہے۔ اسی لئے پہلے ہی تباہ حال ہے اب اس پر جو آگ برسی تو ہلکان وہ ہزاروں مسافر ہوئے جو بے سروسامانی کے عالم میں غیر آباد جھلسے ہوئے ریلوے سٹیشنوں پر بے یارومددگار پھنس گئے۔

لگتا ہے کہ معاشرہ کے دونوں سرے گل سڑ گئے ہیں، اپنی بناوٹ میں معاشرہ ایک زینے کی مانند ہے جس میں کئی سیڑھیاں ہیں۔ آخری سیڑھی شان وشوکت اور اقتدار کی چھت پر کھلتی ہے۔ پہلی سیڑھی عوام کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں گھری ہوتی ہے۔ عدل اور انصاف پر مبنی معاشرہ ایسا ماحول پیدا کرتا ہے جس میں ہر انسان کیلئے ترقی کے یکساں مواقع موجود ہوتے ہیں۔ ہر فرد اپنی اہلیت اور محنت کے بل بوتے پر آگے بڑھتا ہے۔ استحقاق کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جو جس مقام کا اہل ہے وہ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ ظلم وجبر معاشرتی ترقی کیلئے زہر قاتل ہیں۔ ناانصافی اور عدم مساوات حساس انسانوں کیلئے سوہان روح بن جاتے ہیں۔ غریب والدین کے ہاں پیدا ہونے والے ذہین بچوں پر ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں ان کی خداداد ذہانت انہیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا جواز نہ پا کر وہ بغاوت پر اتر آتے ہیں معاشرتی آداب انہیں وہ آہنی زنجیریں لگتی ہیں جن سے ان کے ساتھ پاؤں جکڑ دیئے گئے۔ اخلاقی اقدار انہیں غالب طبقہ کے مفادات کی ضامن نظر آتی ہیں۔ موقع ملتے ہی وہ اچھے برے کا خیال کئے بغیر ہر اس چیز پر چڑھ دوڑتے ہیں جس کی تذلیل اور بے حرمتی سے مقتدر طبقہ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، انارکی کے عالم میں وہ یوں کھل کھیلتے ہیں کہ خدمت خلق کے بے لوث مراکز تک ان کی دسترس سے محفوظ نہیں رہتے۔

www.bhutto.org

اس احساس محرومیت کے کئی ایک مجنونانہ شواہد کا مشاہدہ ایام سوگ کے دوران ہوا، کئی بار تو غضب ہو گیا، کراچی کی سپر ہائی وے (شاہراہ) پر ایدھی فاؤنڈیشن نے ایک گاؤں آباد کر رکھا ہے جہاں 1500 بے آسرا لوگ رہتے ہیں، ان میں تین سو بچے ہیں جن میں سے اکثر یتیم ہیں۔ بارہ سو کے لگ بھگ ذہنی معذور افراد وہاں مقیم ہیں۔ بی بی کی شہادت کے دوسرے روز جمعہ کی دوپہر کو ڈیڑھ سو مسلح افراد اس گاؤں میں آ گھسے۔ سولہ ایمبولینس گاڑیاں تباہ کر دیں۔ ساز و سامان کو توڑ ڈالا۔ بچوں اور معذوروں تک کو لائق درگزر نہ سمجھا۔ کئی ایک کو بری طرح مارا پیٹا، ہر ضوان ایدھی کا کہنا تھا کہ نہ انہوں نے کوئی اور مطالبہ کیا نہ ہی اپنی شناخت کرائی۔ بے سبب تشدد اور جارحیت کے سوا ان کا کوئی مقصود نہ تھا۔ انسان جوش جنوں میں بھیڑیے بن گئے تھے۔

جہاں ایدھی سنٹر جنہیں دنیا بھر میں احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے محفوظ نہ ہوں وہاں ریل گاڑیوں کے جلائے جانے پر کیا ماتم کیا جائے۔ معاشرے کے دونوں سرے بانجھ پن کا شکار ہو چکے ہیں اصحاب اقتدار اپنے حصار کے اندر قلعہ بند ہیں۔ قلعہ کی فصیلیں سنگین، بلند اور مضبوط ہیں اس کے اندر آسائش آرام اور عشرت کے سارے سامان میسر ہیں سرکاری وسائل کا پہلا مصرف سرکار کی اپنی نشوونما، بناؤ سنگار اور حفاظت ہیں جو جتنا بڑا عہدیدار ہے اتنے ہی شاندار اس کے ٹھاٹھ باٹھ ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جن کے ربن سہن دیکھ کر جدی پشتی شہنشاہ تک دنگ رہ جائیں۔ فصیل سے باہر باجگذار رعایا رہتی ہے جس کے جان و مال کی حفاظت کبھی سرکار کی ذمہ داری ہوا کرتی تھی حکومت انہیں بنیادی سہولتوں کی فراہمی کی ذمہ دار بھی تھی۔ آہستہ آہستہ سرکار ڈھیلی پڑتی گئی۔ اب سرکاری گماشتے طرح طرح کے خراج وصول کرنے ہی رعایا پر نازل ہوتے ہیں اگر کوئی شوریدہ سر قبر سلطانی سزاوار ٹھہرے تو پیادے اس کا ناطقہ یوں بند کر دیتے ہیں کہ ارض وطن اس پر تنگ ہو جاتی ہے۔ پرانے وقتوں کے بادشاہوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے تب بھی عتاب شاہی کے مجرم مست ہاتھیوں اور بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دیئے جاتے تھے۔ اب بھی وہی ہوتا ہے فرق فقط اتنا ہے کہ یہ خدمت اب خونخوار جانور نہیں وفادار انسان بجالاتے ہیں۔

یہ انداز خسروانہ فقط تخت سلطانی تک محدود نہیں ہے چھوٹے بڑے سب گماشتے اپنے

www.bhutto.org

کام میں بہت ہوشیار ہیں ذاتی مفاد میں وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں اوپر سے واضح احکام نہ ہوں اور اپنوں کی طرف سے کوئی مجبوری نہ ہو تو یہ اہلکار عموماً کس سے مس نہیں ہوتے۔ ان کی اسی کرم نوازی کے طفیل ہر طرف انارکی پھیل رہی ہے۔ عوامی سطح پر ریاست کا وجود تک نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے گولی کا راج زور پکڑتا جا رہا ہے بم اور پستول طاقت کا سرچشمہ بن گئے ہیں رعایا خوفزدہ ہے پستول والے البتہ بے سبب مارتے نہیں ان کا مقصد اوٹ مار ہوتا ہے۔ رعایا میں سے جو بھی ان کے ہتھے چڑھتا ہے جان بچانے کیلئے اپنا مال اسباب ان کے حوالے کر دیتا ہے، انارکی کے دم سے یہ عناصر پھل پھول رہے ہیں وہ بستیاں جہاں نادار لوگ بستے ہیں جنگل کے قانون کے حوالے ہو چکی ہیں مقامی سطح پر قانون کی حکمرانی اور بے لوگ انصاف فراہم کئے بغیر گولی کے راج سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ سرکار نے انتظامی اصلاحات کیلئے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن ڈاکٹر عشرت حسین کی سربراہی میں قائم کر رکھا ہے کیا عجب کہ یہ کمیشن چند روز کسی کچی دھونس دھاندلی اور گولی کے راج کا مشاہدہ کرے اور انارکی کی جگہ قانون اور انصاف کی سربلندی کی کوئی راہ نکالے۔ امن اور سلامتی یوں لوٹ آئیں کہ ارض پاک میں بینظیر لوگ ہوں یا فقیر سے گولی سے محفوظ ہیں۔

www.bhutto.org

کیا نہ ممکن ہے.....؟

عرفان صدیقی

اگر پاکستان کی سلامتی، بقاء اور استحکام کا انحصار صرف اس بات پر ہے کہ جیسے بھی ہوں، انتخابات کرا دیئے جائیں تو پھر صدر مشرف کے سامنے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر مسئلہ یہ ہے کہ انتخابات کو معتبر، قابلِ قبول اور قوم و ملک کیلئے مثبت طور پر نتیجہ خیز بنایا جائے تو جناب صدر کے سامنے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان آ کھڑا ہوا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے قتل نے وفاق کے لیے ایک بڑا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو (مرحوم) نے سندھی ہوتے ہوئے سندھی نیشنلزم کو اپنی سیاست کی بنیاد نہیں بنایا۔ انہوں نے سندھو دیش جیسے نعروں کو سختی سے رد کر دیا اور علیحدگی پسند قوم پرستوں کو اُگنے ہی نہ دیا۔ بے نظیر بھٹو نے بھی اپنے باپ کی اس روایت کو برقرار رکھا 1979ء میں بھٹو کی پھانسی کے بعد پنجاب کے خلاف اسی نوع کی نفرت کا طوفان اٹھا جس طرح کا طوفان شیخ مجیب الرحمان نے مشرقی پاکستان میں اُٹھایا تھا۔ بینظیر بھٹو نے اس طوفان کا سہارا نہ لیا اور اپنے آپ کو قومی سیاست کے دھارے میں رکھا۔ بلاشبہ انہیں اس کیلئے خاصی کاوش کرنا پڑی 1997ء کے انتخابات میں بے نظیر بھٹو پنجاب، سرحد اور بلوچستان سے قومی اسمبلی کی ایک

www.bhutto.org

بھی نشست نہ جیت سکیں اور دیہی سندھ تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ اس وقت بھی خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ شاید بے نظیر بھٹو کو اب سندھی نیشنلزم ہی کے سہارے سیاست کرنا پڑے لیکن انہوں نے یہ راستہ نہ چنا۔ ملک سے چلے جانے کے بعد بھی وہ قومی سیاست ہی کے دھارے میں رہیں 2002ء کے انتخابات میں ایک بار پھر ان کی جماعت سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھری اور سب سے زیادہ ووٹ لیے۔ وطن آنے کے بعد بھی انہوں نے وفاق کی سیاست ہی کو اپنایا اور چاروں صوبوں کے دورے کیے۔ یہاں تک کہ ایک شہید وزیراعظم کے نام سے منسوب کیا گیا لیاقت باغ ایک اور سابق وزیراعظم کی قتل گاہ بن گیا۔

بے نظیر بھٹو کے قتل کے ساتھ ہی یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا تھا کہ سندھ کے زخم پھر سے کھل جائیں گے۔ پچھلے دو تین دن سے اخبارات اور ٹیلی ویژن چینلز، نہایت ہی پریشان کن خبریں دے رہے ہیں۔ سندھ کے بھڑے ہوئے جذبات کی حدت اور شدت کناروں سے چھلکتی جا رہی ہے۔ پھر سے وہ نعرے سنائی دینے لگے ہیں جو معدوم ہو چکے تھے۔ سندھ کے لوگوں کو دوسرے بار ایک بھٹو کی لاش وصول کرنا پڑی ہے۔ ان کے کرب کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ سندھ کے لوگوں کو دوسری بار پھوٹ پڑنے والا غیظ و غضب پوری کہانی بیان کر رہا ہے۔ یہ اشتعال محض وعظ و تلقین سے ختم نہیں ہو سکتا۔ جذبات کے الاؤ کا یہ عالم تھا کہ پنجاب، بلوچستان اور سرحد کا کوئی لیڈر محترمہ کی نمازِ جنازہ میں شرکت کیلئے گڑھی خدا بخش نہ جا سکا۔ کسی نے یہ کوشش بھی نہ کی۔ صرف نواز شریف نے اعلان کیا کہ وہ محترمہ کی تدفین میں شرکت کیلئے جا رہے ہیں۔ ایک طیارہ بھی چارٹر کر لیا گیا۔ ساتھ جانے والوں کی فہرست بھی تیار ہو گئی لیکن 28 دسمبر کی صبح آصف علی زرداری نے خود فون کر کے میاں صاحب سے درخواست کی کہ وہ جنازے میں شرکت کیلئے تشریف نہ لائیں۔ آصف زرداری کی دلیل یہ تھی کہ لاڑکانہ میں سیکیورٹی کے انتظامات نہایت ناقص ہیں اور معاملات کسی کے کنٹرول میں نہیں۔ میاں صاحب چارٹر طیارے سے نوڈیرو پہنچے۔ کچھ دوسرے قومی رہنما بھی ساتھ لے گئے۔ یہ یقیناً ایک اچھا قدم ہے۔ میاں صاحب کا انتہائی خطرناک ماحول میں راولپنڈی کے جنرل ہسپتال پہنچ جانا بھی ایک اچھا اقدام تھا۔ بلا تاخیر انتخابات کا بائیکاٹ کر کے بھی انہوں نے ایک بڑی قومی رہنما کے قتل پر بجا ردِعمل کا اظہار کیا ہے۔

ہر فوجی حکمرانی کی طرح صدر پرویز مشرف کا عہد بھی وفاقِ پاکستان کیلئے انتہائی مہلک ثابت ہو رہا ہے۔ صوبہ سرحد پر نظر ڈالیں تو وزیرستان سے سوات تک آگ بھڑک رہی ہے۔ فوجی آپریشن کسی نہ کسی نوع سے جاری ہے۔ نوے ہزار فوج ڈیورنڈ لائن پہ کھڑی ہے اور عوام کے دلوں میں گہری بے چینی کا لاوہ پک رہا ہے۔ بلوچستان میں بھی سیکیورٹی اداروں اور لوگوں کے درمیان جنگ کی سی کیفیت برپا ہے۔ نواب اکبر بگٹی کو جس طرح قتل کیا گیا اور ان کی لاش کے ساتھ جو توہین آمیز سلوک روا رکھا گیا اُسے بلوچ آسانی سے فراموش نہیں کر سکیں گے اور اب سندھ میں بھی آگ بھڑکا دی گئی ہے۔ تینوں چھوٹے صوبوں میں اشتعال اور اُبال کی کیفیت ہے اور بوجہ ان تینوں کی خفگی کا رُخ صدر مشرف یا فوج کی طرف ہے۔ یہ نہایت ہی تشویشناک پہلو ہے۔ یہاں عمومی لیپا پوتی سے کام نہیں چلے گا۔ بینظیر بھٹو کا قتل اتنا بڑا سانحہ ہے کہ اس نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ صدر پرویز مشرف اگر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بے آسانی اس بحران سے بھی گزر جائیں گے اور ان کے اقتدار میں کوئی آنچ نہیں آئے گی تو یہ ان کی بھول ہے۔ ممکن ہے وہ مخصوص ہنر کاری سے کام لیتے ہوئے اپنے اقتدار کو کچھ عرصے کیلئے مزید طول دے لیں لیکن پاکستان بدستور انگاروں پہ لوٹتا رہے گا۔ پاکستانیت پیہم پیچ و تاب کھاتی رہے گی۔

1969ء میں جب اپوزیشن جماعتوں کی تحریک آگے بڑھ رہی تھی تو صدر ایوب خان کو اپنی افتادِ طبع کے برعکس ایک بڑا اقدام کرنا پڑا تھا۔ انہوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ میں آئندہ انتخابات میں صدارتی امیدوار نہیں ہوں۔ اس اعلان نے الاؤ بڑی حد تک ٹھنڈا کر دیا۔ ایوب خان کی جان کی پیاسی جماعتیں بھی ان کی بلائی ہوئی گول میز کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہو گئیں۔ اگرچہ مذاکراتی سلسلہ کسی ٹھوس پیشرفت سے ہمکنار نہ ہوا لیکن جمود ضرور ٹوٹا۔ ایوب خان کا منظر سے ہٹ جانا قوم کیلئے آسودگی کا باعث بنا اور گاڑی آگے چل پڑی۔ اب بھی اگر پرویز مشرف حالات کو سنبھالا دینے کیلئے کوئی اہم قدم اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے انہیں اپنی ذات کے حوالے سے ایک بڑا فیصلہ کرنا ہوگا۔ اگر وہ یہ اعلان کر دیں کہ میں نے اقتدار سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ممکن ہے ساری جماعتیں ان کے ساتھ بیٹھنے اور مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن اگر وہ اپنے آپ کو آئندہ پانچ برس

www.bhutto.org

کیلئے برقرار رکھتے اور ناگریز سمجھتے ہوئے اپوزیشن کو کسی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دینے ہیں تو اتفاق رائے قائم نہیں ہو سکے گا۔ نواز شریف سمیت کئی جماعتیں ان کی دعوت قبول نہیں کریں گی۔ بہترین حل یہ ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے اقتدار سے الگ ہو جائیں اور معاملات آنے والے آئینی ڈھانچے پہ چھوڑ دیں۔ ان کے دائیں بائیں بیٹھے حاشیہ بردار انہیں مشورہ دیں دے کہ وہ آصف علی زرداری سے معاملہ طے کر کے پی پی پی کو انتخابات کے عمل میں رکھیں۔ کچھ سیٹیں پیپلز پارٹی اور کچھ مسلم لیگ (ق) کو دے کر آسانی کے ساتھ ناقوسِ حکمرانی بجاتے رہیں لیکن ایسا کرنا پاکستان کو بحرانوں کی ایک نئی دلدل کی نذر کرنا ہوگا۔

اگر صرف انتخابات ہی مقصود بالذات نہیں ہیں اور اصل مقصد پاکستان کی سلامتی، بقاء اور استحکام ہے تو لیپا پوتی، حیلہ سازی اور تماشابازی سے کام نہیں چلے گا۔ انتخابات کو معتبر، قابلِ قبول اور قوم و ملک کیلئے مثبت طور پر نتیجہ خیز بنانا ہے تو شاید اولین شرط صدر مشرف کی اقتدار سے علیحدگی ہی ہے، کیا یہ ممکن ہے؟

www.bhutto.org

اور زنجیر ٹوٹ گئی

قیوم نظامی

4 اپریل 1979ء کو جب ایک آمر نے ذوالفقار علی بھٹو کو شہید کیا اس وقت میں کوٹ لکھپت جیل لاہور میں قید تھا۔ سیاسی قیدیوں کیلئے یہ غم اذیت ناک تھا کیونکہ جیل کے اندر وہ اپنے غم کو دوسروں کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی رفقاء ان سے اظہار ہمدردی کر سکتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد بیگم نصرت بھٹو اور محترمہ بینظیر بھٹو پی پی پی کے کارکنوں اور حامیوں کیلئے امید کی کرن کے طور پر سیاسی میدان میں موجود تھیں۔ دونوں عظیم خواتین نے نہ صرف اس صدمے کو بہادری سے برداشت کیا بلکہ عوام کو قیادت بھی فراہم کی۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے جنرل ضیاء الحق کی طویل آمریت کا بڑی جرات سے مقابلہ کیا ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں اور پی پی پی کو متحد رکھنے میں کامیاب رہیں۔

محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کی المناک خبر میں نے اس وقت سنی جب میں اپنی بیگم کشور اور بیگم یاسمین رحمٰن کے ساتھ اسلامیہ پارک میں ایک کارنر میٹنگ سے خطاب کرنے کے بعد بسطامی روڈ سمن آباد کی جانب جا رہا تھا راستے میں ٹریفک جام تھی، بیگم یاسمین رحمٰن کو موبائل

www.bhutto.org

فون پر اطلاع ملی کہ محترمہ بینظیر بھٹو لیاقت باغ میں خودکش دھماکے میں شہید ہوگئی ہیں۔ ہم نے گاڑی سے باہر نکل کر چیخ و پکار شروع کر دی سکتے کے عالم میں اپنے گھر واپس پہنچے، موبائل فون اور لینڈ لائن فون کی گھنٹیاں بجتی رہیں، رفقاء اور احباب صدمے اور تعزیت کا اظہار کرتے رہے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت ایک قومی سانحہ ہے جس نے پورے پاکستان کو سکتے میں مبتلا کر دیا ہے۔ پی پی پی کے سیاسی مخالفین نے بھی اس المیے کو محسوس کیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو راولپنڈی میں شہید ہونے والی تیسری قومی سیاستدان ہیں ان سے پہلے لیاقت علی خان اور ذوالفقار علی بھٹو بھی راولپنڈی میں شہید ہوئے یہ تینوں قومی رہنماء پاکستان کے وزیراعظم رہے۔ محترمہ بینظیر بھٹو پاکستان واپسی سے پہلے حکمرانوں کو خبردار کرتی رہیں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے لہٰذا ان کی سکیورٹی کا فول پروف انتظام کیا جائے۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے صدر پرویز مشرف کے نام خفیہ ذاتی خط لکھ کر ان افراد کی نشاندہی کی جو ان کی جان کے دشمن تھے۔ افسوس صدر پرویز مشرف محترمہ بینظیر بھٹو کی جان کی حفاظت نہ کر سکے۔ 18 اکتوبر 2007ء کو کراچی میں محترمہ بینظیر بھٹو پر حملہ ہوا جس میں پارٹی کے 180 غریب کارکن شہید اور 500 زخمی ہوئے۔ محترمہ معجزانہ طور پر محفوظ رہیں، اس حملے کے بعد بھی حکومت نے محترمہ کی حفاظت کیلئے فول پروف انتظامات نہ کئے حالانکہ محترمہ اور ان کے قریبی رفقاء بار بار حکمرانوں کو خدشات سے آگاہ کرتے رہے۔ حکومت کی غفلت، کوتاہی اور بے حسی کی بناء پر بینظیر بھٹو کے دشمن ان کو شہید کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے پاکستان کی سیاست، جمہوریت، معیشت اور سالمیت پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو محفوظ و مامون رکھے اور بھٹو خاندان اور پی پی پی کے کارکنوں کو یہ صدمہ برداشت کرنے کا حوصلہ عطا کرے۔

میں محترمہ بینظیر بھٹو کے کور گروپ کا حصہ بن کر ان کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں اور ان سے مسلسل رابطے میں رہا ہوں۔ اہم ای میل کے ذریعے تبادلہ خیال کرتے رہے۔ میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ محترمہ پاکستان کے ساتھ گہری محبت سے سرشار ہو کر جلاوطنی ختم کر کے پاکستان واپس تشریف لائیں اگر ان کی پہلی ترجیح پاکستان کا اقتدار ہوتا تو وہ 18 اکتوبر

کے سنگین ترین حادثہ کے بعد پاکستان سے باہر چلی جاتیں مگر انہوں نے پاکستان میں رہ کر جدوجہد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان بھر سے 30 لاکھ عوام اپنی قائد کا استقبال کرنے کیلئے کراچی پہنچے۔ محترمہ بینظیر بھٹو عوام سے ہی تقویت حاصل کرتی تھیں عوام کی محبت نے ہی محترمہ کو آمریت کے خلاف جدوجہد کرنے کا حوصلہ دیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو پاکستان کی مقبول ترین لیڈر تھیں وہ واحد سیاستدان تھیں جن کی بصیرت اور دانش مندی کو پوری دنیا میں تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ جمہوریت میں لازوال یقین رکھتی تھیں انہوں نے مخالفت کے باوجود جمہوریت اور مفاہمت کا راستہ اختیار کیا اور ایجی ٹیشن سے گریز کیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے کہا تھا کہ حکمرانوں کی غلط پالیسیوں کے باعث پاکستان دہشتگردوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکا ہے لہٰذا وہ پاکستان کو انتہاء پسندی اور دہشتگردی سے بچانے کیلئے اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار ہیں۔ محترمہ نے حقیقی جمہوریت کی بحالی دہشتگردی کے خاتمے اور عوام کے بنیادی حقوق کیلئے اپنی جان قربان کردی۔

محترمہ بینظیر بھٹو نے لیاقت باغ راولپنڈی میں اپنے خطاب میں کہا ''آپ کا اور میرا ملک خطرے میں ہے، 8 جنوری کو عوام کی فتح کا سورج طلوع ہوگا، اور آمریت کا سورج غروب ہوجائے گا۔ پی پی پی عوام کی جماعت ہے عوام کی بات کرتی ہے اور عوام کے بارے میں سوچتی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کو ایٹم بم دیا میں نے ایٹمی میزائل دیئے پارٹی کے کارکنوں نے آمریت کے دور میں کوڑے کھائے اور جیلیں کاٹیں مسلمان غیرت مند قوم ہیں اور ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت کرتے ہیں۔'' محترمہ بینظیر بھٹو نے بڑی بہادری سے موت کا سامنا کیا وہ بھٹو شہید کی طرح بہادری کی علامت بن گئی ہیں جو تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

محترمہ بینظیر بھٹو سندھ کی واحد بااثر اور مضبوط آواز تھیں جو وفاق کی سیاست کرتی تھیں۔ صدر پرویز مشرف نے اپنی مہم جویانہ پالیسیوں کی وجہ سے وفاق کو انتہائی کمزور کردیا ہے۔ محترمہ بینظیر بھٹو وفاق کو بچانے کی آخری امید تھیں ان کے چاروں صوبوں کے عوام سے رشتے بڑے گہرے تھے۔ ان کو چاروں صوبوں کی زنجیر کہا جاتا تھا۔ محترمہ کی شہادت کے بعد یہ زنجیر ٹوٹ گئی ہے۔ پاکستان کے وفاق کو شدید خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔ پاکستان میں ایسی کوئی

شخصیت موجود نہیں ہے جو عالمی طاقتوں سے مذاکرات کر کے پاکستان کے قومی مفادات کا تحفظ کر سکے۔

محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت پی پی پی کیلئے ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ قیادت شہید ہو چکی ہے، پی پی پی میں ایسی کوئی قدر آور شخصیت موجود نہیں ہے جو محترمہ بینظیر بھٹو کا متبادل بن سکے۔ پی پی پی اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران کا شکار ہو چکی ہے۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ بھٹو دشمن پی پی پی کو تقسیم کیا ہے وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ پارٹی متحد رہے۔ پی پی پی کی قیادت کو سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کرنا ہے اور بھٹو شہید اور بینظیر بھٹو شہید کے کارکنوں نے بھٹو کی شہادت کے بعد حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا وہ باشعور ہیں اور محترمہ کی شہادت کے غم کو بھی صبر اور حوصلے سے برداشت کریں گے اور اس پاکستان کو بچانے کیلئے جدوجہد جاری رکھیں گے جس کیلئے بھٹو خاندان نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آصف علی زرداری، بیگم نصرت بھٹو، بلاول، بختاور، آصفہ اور صنم بھٹو نیز بھٹو خاندان کے دوسرے افراد کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا کرے۔ محترمہ بینظیر بھٹو شہید ہیں وہ باری تعالیٰ کے سایہ عاطفت میں رہیں گی۔ پارٹی کے عظیم کارکن بھٹو اور محترمہ کے مشن کی تکمیل کیلئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

یہ بازی خون کی بازی ہے
یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے بھٹو نکلے گا
تم کتنے بھٹو مارو گے۔

www.bhutto.org

جانشین

حسن نثار

بھٹو صاحب عجلت پسند تھے اس لئے زیادہ عرصہ انتظار نہیں کر سکے۔ اب وہ بہت آسودہ ہوں گے کیونکہ ان کی لاڈلی بچی اپنے شہید بابا کے خوشبودار خون کی لکیر پر چلتے ہوئے ان کے پہلو میں آرام فرما ہے۔ باپ بیٹی مدتوں بعد سرگوشیاں کریں گے اور ضیاالحق سے لے کر بیت اللہ محسود تک اب کوئی انہیں جدا نہیں کر سکے گا۔

زیر زمیں بھی روشنی ہو
مٹی میں چراغ رکھ دیے ہیں

بھٹو صاحب نے ملتے ہی بیٹی کے روشن ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے اس کی ماں کا حال پوچھا ہوگا، ممکن ہے شکوہ بھی کیا ہو کہ اس کو ساتھ کیوں نہیں لے کر آئیں۔ ممکن ہے انہوں نے محترمہ اور مرتضیٰ کے بچوں میں فاصلوں پر بھی دکھ کا اظہار کیا۔ باپ بیٹی دیر تک اس عجیب حقیقت پر بھی ہنستے ہوں گے کہ بھٹو شہید تو متنازعہ شہید تھے جبکہ بینظیر بھٹو غیر متنازعہ شہید قرار پائی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گڑھی خدا بخش میں ان کا آبائی قبرستان اب تک پرانے ''المرتضیٰ'' یا ''70 کلفٹن'' کے صحن میں تبدیل ہو گیا ہو جہاں بھٹو صاحب اپنی بینظیر، اپنے شاہنواز اور مرتضیٰ کے ساتھ مل کر ان زمانوں کی یاد تازہ کر رہے ہوں جب یہ سب جواں سال شہدا اکٹھے ہوتے تھے اور پاکستان پر قربان ہونے والے اس خاندان پر قاتلوں کے خاندان کی نظر بد نہیں پڑی تھی۔

شہید باپ اور شہید بیٹی کے ملن پر ماتم کیسا کہ اب ماتم ان کا مقدر ہے.... اس ذہنیت کا مقدر ہے جو بینظیر بھٹو کو ''سکیورٹی رسک'' اور خود کو حب الوطنی کے چیمپئن سمجھتے کہتے رہے۔ اب ''سکیورٹی رسک'' تو ختم سمجھو لیکن ''ہائی رسک گیم'' شروع ہو چکی ہے، جسے کوئی شک ہو وہ جنرل طارق مجید کے اس تبصرے پر غور کرے کہ بینظیر بھٹو کا قتل پاکستان کے استحکام پر حملہ ہے۔

پاکستان کے کرتوں دھرتوں کیلئے ہی لکھا گیا ہے کہ..... ''لے سانس بھی آہستہ کہ

www.bhutto.org

نازک ہے بہت کام"۔ مخصوص ذہنیت اس انتہائی نازک مرحلہ پر پارٹی میں توڑ پھوڑ اور جوڑ توڑ سے گریز کرے۔ جتنے "پیٹریاٹ" یا "شیر پاؤ گروپ" بننے تھے کافی سمجھو اور دعا مانگو کہ پارٹی بکھرنے سے بچی رہے کہ اگر وفاق کی یہ اکلوتی سیاسی علامت بکھر گئی تو اس کے ساتھ ہی بہت کچھ بکھر جائے گا اور زندگی میں بہت کچھ ایسا ہے جسے طاقت کے بل بوتے پر یکجا اور اکٹھا نہیں رکھا جا سکتا۔

اللہ پاک پیپلز پارٹی کی زخم خوردہ قیادت کو درست اور بروقت فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ قیادت کا خلا اور خلیج بہت ہی خوفناک ہے۔ محترمہ سے آدھے قد و قامت کی شخصیت بھی دور دور تک دکھائی نہیں دیتی اور یہی وہ مقام ہے جہاں افراد اور اداروں کا صحیح مقام و معنی سمجھ آتے ہیں کہ جہاں معاملات اداروں کی بجائے شخصیات کے گرد گھوم رہے ہوں وہاں اندھیرے چھا جاتے ہیں اور کسی کو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ ہوگا کیا؟

پیپلز پارٹی عملاً، جوہراً، خالصتاً بھٹو خاندان کا سیاسی نام ہے اور لوگ کسی "غیر بھٹو" کو قائد کے فائدے کے طور پر قبول نہیں کریں گے اور اگر کرینگے بھی تو یہ نہ مؤثر ہوگا نہ دیرپا۔ بلاول، بختاور اور آصفہ "زرداری" ہیں اور بہت کم عمر بھی.... دوسری طرف فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو جونیئر ہیں جو جنگ تخت نشینی سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ آصف زرداری کی ذاتی سیاسی قربانی کی داستان بھی طویل ہے اور وہ اپنی شہید شریک حیات کا عظیم سیاسی ورثہ خود سنبھال کر کسی مناسب وقت پر اپنے کسی بچے کو منتقل کرنا چاہیں گے تو انجام؟ نتیجہ؟

یہاں مجھے سکندر اعظم کی یاد آتی ہے جو بستر مرگ پر تھا جب کسی نے پوچھا.....

"سکندر! دنیا کی یہ عظیم ترین سلطنت تم کس کے لئے چھوڑ کر جا رہے ہو؟" سکندر نے کچھ دیر سوچا، مسکرایا اور پھر زیر لب کہا۔

"طاقت ور ترین کے لئے"

جانشینی جیسے گھمبیر مسئلہ کا ایک دیرینہ، آزمودہ اور تاریخی حل تو یہ ہے کہ اسے دعویداروں کی طاقت اور ذہانت پر چھوڑ دیا جائے کہ جو بہتر ہوگا وہ خود ہی سنبھال لے گا لیکن اس پراسیس میں شکست و ریخت بہت ہوتی ہے جبکہ پارٹی تو اپنی جگہ موجودہ مضمول پاکستان بھی شاید پارٹی میں

www.bhutto.org

پراگندگی کا متحمل نہ ہو سکے اس لئے ملک اور پارٹی کے بڑوں کو بڑا پن دکھاتے ہوئے دانش وحکمت سے مختلف مراحل گزارنے ہوں گے..... حکومت کیلئے بہتر ہوگا کہ نگرانوں کو چلتا کر کے ''قومی حکومت'' کا ڈول ڈالے اور یہ واقعی ''قومی حکومت'' ہو، کوئی نیا ڈرامہ نہیں اور پیپلز پارٹی کی قیادت کو کیا کرنا چاہیے؟ وہ خود بہتر جانتے ہوں گے لیکن اتنا جان لیں کہ فیصلہ وہی دیرپا رہے گا جو ''جینوئن'' ہوگا۔

آخر پر ایک بچھتاوا کہ محترمہ کیلئے لاہور میں ایک یادگار ڈنر میجر (ر) لکی نے دیا جو میرے بھائیوں جیسے ہیں..... میں نے معذرت کر لی..... پھر عید کے اگلے روز برادرم رحمٰن ملک نے فون کر کے محترمہ کی طرف سے نیک خواہشات کا پیغام پہنچایا تو میں نے بھی جواباً اور رسماً شکریہ ادا کر دیا..... کاش میں اس ڈنر پر گیا اور محترمہ سے مل لیا ہوتا..... کاش میں نے رحمٰن ملک کے ذریعہ پہنچنے والی نیک خواہشات کے جواب میں خود محترمہ کو فون کر کے ان کا شکریہ ادا کیا ہوتا لیکن وہی منیر نیازی والی بات کہ..... ''ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں میں''

لیکن محترمہ نے جلدی کر دی۔

اب حکومت دیر نہ کرے۔

پیپلز پارٹی کی قیادت بھی دیر نہ کرے۔

ملک پہلے ہی بہت ''لیٹ'' ہے۔

5 جنوری 2008ء روزنامہ ''جنگ''

www.bhutto.org

بینظیر کی شہادت۔ اسباب کو مزید نہ الجھایا جائے:

ارشاد احمد حقانی

بینظیر بھٹو کی المناک شہادت کے اسباب اور اس کے ذمہ دار عناصر کے بارے میں کنفیوژن بڑھتا جا رہا ہے۔ صدر مشرف کا کہنا ہے کہ وہ بینظیر بھٹو کے قتل کی حالیہ تحقیقات سے مکمل طور پر مطمئن نہیں ہیں اور اسی لئے سکاٹ لینڈ یارڈ سے تعاون طلب کیا گیا ہے۔ صدر مشرف نے کہا کہ بینظیر بھٹو کے قتل میں وہ خود یا کوئی انٹیلی جنس ایجنسی یا سرکاری ادارہ ملوث نہیں ہے۔ یہ بات انہوں نے گزشتہ روز اپنے ہفتہ وار پروگرام ''ایوان صدر سے'' میں خصوصی طور پر بلائے گئے غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں سے بات چیت کے دوران کہی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر بینظیر کے قتل میں ان کے ملوث ہونے کا ثبوت ملا تو صدر پرویز مشرف نے کہا کہ یہ سوال میری شان کے مطابق نہیں میں کوئی جاگیردار قبائلی نہیں ہوں میں ایک پڑھے لکھے اور مہذب خاندان قتل سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں یقین نہیں رکھتا اور اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ انہوں نے کہا کہ سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے حفاظتی اقدامات میں حکومت نے کوئی کو

www.bhutto.org

تاہی نہیں کی۔ ان کے مطابق مقتول سابق وزیراعظم کو ان کی پسند کا چیف سیکورٹی افسر فراہم کیا گیا۔ صدر مشرف نے کہا کہ جائے وقوعہ کو دھلا کے کے چند گھنٹوں بعد دھو دینا متعلقہ حکام کی نااہلی ہے تاہم اس واقعہ کو کسی طے شدہ منصوبے کا نتیجہ قرار دینا درست نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تا حال بینظیر بھٹو کے قتل کی اصل وجہ سامنے نہیں آئی کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی اور وزارت داخلہ کی جانب سے اس حوالے سے حتمی بیان جاری کرنا درست نہیں تھا۔ صدر مشرف کا کہنا تھا کہ بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات کے حوالے سے سکاٹ لینڈ یارڈ سے تعاون کیا جائے گا۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کے تفتیش کاروں کو ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی اجازت نہیں ہوگی جن کے خلاف بینظیر بھٹو یا کسی نے بھی محض الزام لگائے ہیں۔ تاہم انہوں نے کہا کہ اگر تفتیش کے دوران کسی حکومتی اہلکار یا کسی شخص کے خلاف کوئی ٹھوس شواہد سامنے آئے تو پھر ان سے پوچھ گچھ کی اجازت دی جائے گی۔

ادھر عالمی تھنک ٹینک انٹرنیشنل کرائسز گروپ نے پاک فوج سے صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کو مستعفی ہونے پر مجبور کرنے کا مطالبہ ہے۔ برطانوی خبر رساں ادارے کے مطابق بریسلز میں تھنک ٹینک انٹرنیشنل کرائسز گروپ نے بینظیر بھٹو کی شہادت پر پاکستان کی خراب صورتحال پر اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ صدر مشرف جنہوں نے صدارت کی دوسری مدت کیلئے حلف اٹھانے سے قبل گزشتہ نومبر میں آرمی چیف کا عہدہ چھوڑا تھا اپنی صدارت کو بچانے کیلئے انہوں نے ایسی پارلیمنٹ سے انتخاب کرایا جو اپنی مدت کے اختتام پر تھی۔ اس کے بعد صدر مشرف نے ایمرجنسی نافذ کردی اور سپریم کورٹ کے ججز برطرف کردیے اور پھر ایمرجنسی اٹھادی گئی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگر صدر مشرف رضاکارانہ طور پر مستعفی نہیں ہوتے ہیں تو یہ ملٹری اسٹیبلشمنٹ کے مفاد میں ہے کہ وہ اپنے سابق چیف کی حمایت سے اپنے آپ کو دور کردے تاکہ وہ عوامی تنقید سے بچ سکے۔ آئی سی جی نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا ہے کہ خاص طور پر امریکہ کو جنرل اشفاق پرویز کیانی کی قیادت میں فوجی قیادت کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ فوج قومی مصالحت کی خاطر صدر مشرف پر مستعفی ہونے کے لئے دباؤ ڈالے۔ آئی سی جی کا جس کا امریکی کانگریس کے اندر بھی کافی اثر و رسوخ ہے۔ موقف ہے کہ یہ خدشات کہ مشرف کے مستعفی ہونے

www.bhutto.org

سے امن عامہ کی صورتحال بگڑ سکتی ہے بے بنیاد ہیں۔ صدر مشرف کی حمایت جاری رکھنے سے مغربی ممالک نہ صرف پاکستانیوں کے دل و دماغ کو جیتنے کی جنگ ہار سکتے ہیں بلکہ سولہ کروڑ عوام کے اس ملک کو پرتشدد تنازعے میں الجھا سکتا ہے جس سے صرف انتہا پسندوں کو ہی فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس تنظیم کا مطالبہ ہے کہ سینٹ چیئرمین محمد میاں سومرو بطور نگران صدر کا چارج سنبھالیں اور سیاسی جماعتوں سے مشاورت کے بعد عام انتخابات کی نگرانی کیلئے ایک عبوری حکومت تشکیل دیں۔ انتخابی کمیشن کی تشکیل نو اور منتخب سویلین نمائندوں کو انتقال اقتدار کے مطالبات بھی کئے ہیں۔ رپورٹ کے ساتھ آئی سی جی کے ایشیا پروگرام کے ڈائریکٹر رابرٹ ٹمپلر نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ شدت پسندی کو روکنے اور پاکستان میں استحکام کیلئے جمہوریت ایک غیر متبول جنرل سے زیادہ ضروری ہے۔ انٹرنیشنل کرائسز گروپ نے کہا کہ صدر پرویز مشرف اب پاکستان میں استحکام کا عنصر نہیں رہے ان کے آئندہ بھی اقتدار میں رہنے سے پاکستان کی صورتحال مزید خراب ہوگی اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گا جس سے صرف انتہا پسندوں کو ہی فائدہ پہنچے گا۔ بینظیر بھٹو کے قتل کے بعد پاکستان کے بارے میں جاری ہونے والی ایک تازہ رپورٹ میں آئی سی جی نے مزید کہا کہ پاکستان کو پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بینظیر بھٹو کے قتل کے بعد امن وامان کی خراب صورتحال کا سامنا ہے جس سے نمٹنے کا واحد راستہ ایک جمہوری طور پر منتخب سویلین حکومت کا قیام ہے۔ انہوں نے کہا کہ اب امریکہ کو اعتراف کرنا چاہیے کہ صدر مشرف ایک سنگین قسم کی لائبلٹی بن چکے ہیں۔ گروپ کے سینئر نائب صدر مارک نائیڈر نے رپورٹ میں کہا کہ بینظیر بھٹو کے قتل نے فوج کی حمایت یافتہ مشرف حکومت اور پاکستان کی اعتدال پسند اکثریت کے درمیان لکیریں بالکل واضح کر دی ہیں جن کو پاکستان میں ایک حقیقی پارلیمانی جمہوریت کو فروغ دیئے بغیر نہیں مٹایا جا سکتا۔ گروپ نے الیکشن 18 فروری تک ملتوی کرنے کے فیصلے سے اتفاق کیا ہے تاہم کہا ہے کہ اس اضافی مدت کے دوران ایسے اقدامات کئے جائیں جن سے انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ بنایا جا سکے۔ آئی سی جی نے مزید کہا ہے کہ صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے استعفیٰ کے ساتھ ساتھ پاکستانی آئین اپنی مکمل شکل میں اور ایمرجنسی کے بعد نومبر میں ہٹائے گئے سپریم کورٹ کے ججوں کو بھی بحال کیا جانا چاہیے۔

www.bhutto.org

ادھر بی بی سی نے ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ بینظیر بھٹو کی شہادت کا غم ابھی کم نہیں ہوا، ان کی قبر کی مٹی ابھی تک گیلی ہے صحیح طور پر شروع ہی نہیں ہو سکیں۔ ان کی شہادت کے مسئلے کو دبانے کیلئے ان کے سوگ میں اور احتجاج کے باعث توڑ پھوڑ اور جلائے جانے اور لوٹ مار کے واقعات کی طرف توجہ مبذول کرلی گئی ہے اور یہ کوشش کی جارہی ہے کہ توڑ پھوڑ اور آگ لگانے کے واقعات کو اہمیت دیکر بینظیر بھٹو کی شہادت کے واقعہ کو دبا دیا جائے۔ بی بی سی کے مطابق ایسا شاید جان بوجھ کر کیا جارہا ہے اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو پھر 18 فروری کو ہونے والے عام انتخابات کا بھی خدا ہی حافظ ہے اور اس روز پر تشدد واقعات کو شاید کوئی نہ روک۔ سکے بی بی سی کے مطابق اب جو بیان بازی شروع ہوئی ہے اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے مخالفین اور مخالف سیاسی جماعتیں محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کی گتھی کو سلجھانے کی بجائے پیپلز پارٹی کو ان کی شہادت کے بعد ہونے والے پر تشدد ہنگاموں میں ہونے والے نقصانات کا ذمہ دار ٹھہرایا جانے لگا ہے اور یہ کوشش جان بوجھ سرکاری طور پر کی جارہی ہے۔ اس میں سندھ کے نگران وزیراعلیٰ، پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ پرویز الٰہی اور چودھری شجاعت پیش پیش ہیں جبکہ اس مہم میں خود صدر جنرل پرویز مشرف بھی گزشتہ روز قوم سے خطاب کے ذریعہ شریک ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک کھرب کے لگ بھگ نقصان پہنچایا گیا ہے۔

5 جنوری 2008 روزنامہ "جنگ"

www.bhutto.org

شہید جمہوریت

نسیم زہرا

ایسی منحوس گھڑی تھی کہ پر رونق چہروں پر غم کی لہر دوڑ گئی۔ ایسے لگا کہ چھت سر پر گر پڑی ہو۔ لوگ بے یقینی کا شکار ہو گئے، مرد و زن کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چند منٹ پہلے محترمہ بینظیر بھٹو کے زخمی ہونے کی خبر آئی مگر بعد کی خبر نے ہر ذی روح کو غمزدہ کر دیا۔ جمہوریت کو ایک نیا صدمہ سہنا پڑا۔ 28 سال پہلے اُن کے والد کی پھانسی دی گئی ضیاء آمریت 11 سال تک ملکی افق پر سیاہ تاریکی بن کر چھائی رہی۔ قوم نہ جان سکی کہ کیوں فوجی آمریت میں ایک قومی رہنماء کا جوڈیشل مرڈر کروایا گیا۔ روتے چیختے چلاتے اس بدقسمت ملک کے ہر عمر کے عوام کو شاید کبھی بینظیر بھٹو کے عزیز یہ نہ بتائیں کہ کئی سال پہلے اُن کی بہن صنم بھٹو نے ملک چھوڑنے سے قبل کہا تھا کہ وہ بہن بھائیوں کی تدفین کے لئے وطن آتی رہا کریں گی۔

عہد اقتدار میں نواز شریف کی طرح محترمہ سے بھی کئی غلطیاں ہوئیں۔ اُن کی کچھ ذاتی کمزوریاں تھیں مگر اس کے باوجود اُن کی شخصیت میں ایک کشش تھی، وہ ذہین اور باحوصلہ تھیں۔ اسٹیبلشمنٹ کی طے کردہ حدود سے مسلم دنیا کی پہلی وزیراعظم کبھی آگے نہ جا سکی۔ ملک کے تاریخ دانوں نے اُن کے دور کی اُن سیاسی محاذ آرائیوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے جو اسٹیبلشمنٹ، نواز شریف اور بینظیر بھٹو کے درمیان رہیں اور جن کے منفی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ دوسرے دور کا تذکرہ

www.bhutto.org

بھی کیا گیا ہے۔ نواز شریف کی طرح کچھ کامیابیاں بینظیر بھٹو کے حصے میں بھی آئیں اور دونوں سے سنگین غلطیاں بھی ہوئیں۔ پروپیگنڈا مشینری کے ساتھ اسٹیبلشمنٹ کی بدروح ہمیشہ منتخب حکمرانوں کے اعصاب پر چھائی رہی۔ غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر جبکہ کامیابیوں کو معمولی جگہ ملی۔ آئینی کردار اسٹیبلشمنٹ کی طے کردہ حدود میں رہ کر ادا کرنے کا موقع ملا۔

والد کی طرح کچھ شخصی خامیوں کے باوجود آج ہر سیاستدان اور تجزیہ نگار تسلیم کرتا ہے کہ کمزور آئینی اداروں اور طاقت ور کلاشنکوف کلچر میں جمہوری حکمرانوں سے غلطیاں ہونا بعید از قیاس نہیں۔ احتساب سے بالا طاقت ور حلقوں میں جہاں ہر بیوروکریٹ اور جنرل اربوں کی جائیداد کا مالک ہے صرف اور صرف منتخب حکمرانوں پر کرپشن کا الزام لگانا اور انہیں احتساب کی چکی میں ڈالنا عجیب دکھائی دیتا ہے۔ بینظیر اور نواز شریف کے گرد منڈلانے والے جنرلوں اور بیوروکریٹوں سے کم لالچی اور خود غرض نہ تھے۔ مشکل موقعوں پر وہ صرف معاملات طے کرنے میں آگے آگے رہے اور کسی قسم کی قربانی سے گریز کیا۔ بینظیر بھٹو کی شخصیت کا ہی کرشمہ ہے کہ بے پناہ الزامات کے باوجود اُن کا ووٹ بنک قائم رہا۔ اسٹیبلشمنٹ پوری طاقت کے باوجود اُن کے ووٹ بنک کو نہ توڑ سکی۔ ان رکاوٹوں میں بینظیر بھٹو اپنا سیاسی مقام برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں۔ 18 اکتوبر کی وطن واپسی سے اُن کی سیاسی جدوجہد کا دوبارہ سے آغاز ہوا۔ امریکی آشیر باد اور مفاہمت کے نتیجے میں واپسی ممکن ہوئی۔ اقتدار کے ڈھانچے پر فوجی اور امریکی اثرات سے وہ اچھی طرح آگاہ تھیں۔ غیر مقبول حکومت کو سہارا دینے کیلئے مشرف کو اُن کی ضرورت تھی۔ متنازعہ صدارتی انتخاب بھی اُن کیلئے مسئلہ بنا ہوا تھا۔ ایسا ملک جہاں احتساب کا مطلب سیاسی مخالفین کو ہراساں کرنا ہے مشرف نے اُن کے خلاف مقدمات واپس لے لئے۔ امریکی کردار کی اہمیت وہ اپنے والد سے نہ سیکھ سکیں۔ انہیں اہمیت کا ادراک تھا مگر امریکہ کی نظر میں وہ اعتدال پسند رہنماء تھیں جو القاعدہ اور انتہا پسندی کے خلاف جنگ میں اُن کی مددگار ثابت ہو سکتی تھیں۔

بینظیر بھٹو کی عوامی سیاست اسٹیبلشمنٹ کی سیاست سے میل نہیں کھاتی اور یہ ملک کی سیاسی روایت بن چکی ہے۔ حالیہ عوامی رابطوں میں اُن کی تمام تر توجہ اُن مسائل پر رہی جو پاکستان کے بنیادی مسائل ہیں۔ آخری 70 روزہ زندگی میں بڑی جرات، استقامت اور یقین

www.bhutto.org

کے ساتھ اُس مسائل کا ذکر کرتی رہیں جو ملک کے بنیادی مسائل ہیں۔ بلوچستان آپریشن، فوج کی بیرکوں میں واپسی، افراط زر، مذہبی عدم رواداری اور انتہا پسندی جو ملک کی جڑوں کو چاٹ رہی ہے، اسٹیبلشمنٹ کی سیاست میں مداخلت اور کنگز پارٹی کا اکثر انہوں نے ذکر کیا۔ آئین کی بالادستی کو یقینی بنانے کا عہد کیا، مضبوط دفاع کے علاوہ انتخابی دھاندلی کے خدشات کے ذکر کو اُنہوں نے بار ہا کہا کہ ن لیگ اور پی پی پی ہی دو عوامی جماعتیں ہیں۔

لیاقت باغ میں اپنے آخری خطاب میں اُنہوں نے کہا کہ ملک سنگین خطرات سے دوچار ہے۔ موجودہ حکومت ان خطرات سے نمٹ نہیں سکتی۔ سب کو مل کر اس کا دفاع کرنا ہے۔ امریکی فوجی مداخلت کے ذکر پر اُنہوں نے کہا "یہ ملک ہمارا ہے، اس کا دفاع ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ کسی غیر ملکی طاقت کو مداخلت کی ضرورت نہیں۔ سوات، دیر اور قبائلی علاقوں میں پاکستان کا جھنڈا اُتارنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ قیام پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظم نے ایسا عوام کے طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے ممکن بنایا۔ آج بلوچستان اور قبائلی عوام مشکل کا شکار ہیں اور ہمیں اُن کی مدد کرنی ہے"۔

بینظیر بھٹو پر اس لئے یقین ہے کہ وہ حقیقی عوامی تھیں۔ اگر صرف کرپٹ ہوتیں تو وہ واپس نہ آتیں، دولت کی اُن کے پاس کوئی کمی نہیں، وہ جانتی تھی کہ اُن کی جان کو سنگین خطرہ ہے۔ 18 اکتوبر کے بعد اس میں شک بھی نہ رہا، مگر انہوں نے جدوجہد جاری رکھی اور آخری دم تک میدان میں رہیں۔

پاکستان میں چند مضبوط اداروں اور کمزور آئینی ڈھانچے کے باوجود ہیرو اور ولن پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہیروز میں خامیاں ہوسکتی ہیں، ڈاکٹر قدیر اس کی مثال ہیں۔ شخصی خامیوں کے باوجود وہ ہیرو ہی رہیں گے۔ وہ فوجی آمر ولن رہیں گے جنہوں نے شخصی مفاد اور ذاتی اقتدار کیلئے اداروں کو نہ صرف تباہ کیا بلکہ فروعی اختلافات کو بھی فروغ دیا۔ فوجی آمر ضیاء الحق کے تیار کردہ پیچیدہ سیاسی جال میں بینظیر کامیابی سے اپنی سیاسی حکمت عملی پر عمل درآمد نہ کرواسکیں بلکہ جمہوری عمل بھی بندشوں کا شکار رہا۔ دو دفعہ محترمہ اپوزیشن رہنماء بنیں، متنازعہ شریک زندگی، اپوزیشن کے باہمی اختلافات، وفاداریاں بدلنے والے پنجابی دوست، سیاسی انکل جو ہمیشہ تنقید کرتے رہے،

www.bhutto.org

ان رکاوٹوں کے باوجود استقامت اور حوصلہ اُن کی شخصیت میں نمایاں رہا۔ 28 سالہ سیاسی کیریئر میں وہ بمشکل پانچ سال اقتدار میں رہیں۔ آغاز والد کے تابوت سے کیا، دو بھائیوں کا قتل دیکھا، ایک کے قتل کا الزام لگا۔ دوسرے الفاظ میں ذاتی دُکھ اُن کا مقدر بنے رہے۔ ان دکھوں کے باوجود اُنہوں نے سیاسی جدوجہد جاری رکھی۔ ان دکھوں نے اُن کی شخصیت کو تلخ نہ بنایا۔ اُن کی نظر میں بہترین انتقام صرف اور صرف جمہوری عمل کے ذریعے ہی لیا جاسکتا ہے۔ 30 دسمبر کو بلاول نے بھی اُن کے الفاظ دہرائے۔ جیل، بیوہ والدہ، جلاوطنی، خاندان سے دوری کے باوجود اُن کی جمہوری جدوجہد جاری رہی۔ ذاتی کمزوریوں کے باوجود اُنہوں نے عوام کے دلوں میں جگہ بنائی، اقتدار سے دور مگر عوام کے دلوں کے قریب تھیں۔ کروڑوں غریب پاکستانیوں مرد و زن، بوڑھے جوان، بھٹہ مزدور سے لے کر غریب کسان تک ہر جمہوریت پسند شہری کی وہ نہ صرف رہنما تھیں بلکہ اُن کیلئے اُمید کی کرن تھیں۔

اُن کی شخصیت کا ہی کرشمہ تھا کہ اُن کی شخصی خامیوں کو نظرانداز کیا جاتا۔ شخصی کرشمے کو کسی دلیل اور منطق کے ساتھ ختم نہیں کیا جاسکتا۔ ملک کے محروم طبقے کسی دلیل کو خاطر میں کبھی نہیں لاتے۔ رہنماء کی ظاہری شان و شوکت اُنہیں بددل نہیں کرتی، وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے رہنماء کو کن تکلیفوں سے گزرنا پڑا۔ ہر نئی مشکل ہر نئی تکلیف رہنماء کے شخصی کرشمے میں اضافہ کرتی ہے۔

بینظیر بھٹو اپنے پیچھے جمہوری جدوجہد کی روایت بھی چھوڑ گئی ہیں۔ اُن کی زندگی کے آخری 70 روز ملک کی سیاسی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے۔ ہر خطرے سے بے نیاز وہ سیاسی جدوجہد میں مصروف رہیں، عوام سے رابطے میں رہیں۔ اسٹیبلشمنٹ جیسا کھیوں کے بغیر امریکی سرپرستی بھی اُن کیلئے بے معنی ہو چکی تھی۔ سیاسی سٹیج پر ہر قربانی کیلئے تیار رہیں۔ اُن کی واپسی خالصتاً وطن کے لئے تھی اسلئے انہیں شہید جمہوریت کہا جاسکتا ہے۔ وہ جرات اور استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہیں۔ پاکستان میں ہمیشہ جمہوری جدوجہد کی علامت رہیں گی۔

اپنی آخری تقریروں میں اُنہوں نے کہا کہ وہ عوام کے دلوں میں مقام بنانا چاہتی

www.bhutto.org

تھیں۔ اُنہوں نے توقع سے بڑھ کر عوام کے دلوں میں جگہ پائی۔ بزرگ خواتین بچے اُن قاتلوں کو اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے اُن کی جان لی۔ میری دوست شیریں مزاری اُن سے اختلافات کے باوجود اُن کی جدائی کے درد کا ذکر کرتی ہیں۔ سب اختلافات کرنے والے بھی رنجیدہ ہیں۔

بینظیر بھٹو کی ناگہانی موت نے لوگوں کی سوچ بدل کر رکھ دی ہے۔ لاکھوں دلوں پر اُن کا راج تھا۔ جمہوریت کی جدوجہد کرنے والوں کیلئے وہ مشعل راہ ہیں۔ پاکستان کے غیر جمہوری نظام کے خلاف وہ جدوجہد کی علامت بن چکی ہیں۔ وکلاء تحریک کے اُن سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے مگر وہ بھی اُن کے جمہوری اقدار کیلئے جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ماضی میں اُن کے حریف نواز شریف نے محترمہ کو اپنی عزیز بہن قرار دیتے ہوئے جمہوری اقدار کیلئے اُن کی جدوجہد کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

آج بینظیر بھٹو ہم میں نہیں، لاڑکانہ کے آبائی قبرستان میں ابدی نیند سو رہی ہیں۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ کراچی سے خیبر تک کے عوام اُن کے استقبال کیلئے 18 اکتوبر کو کراچی آئے۔ آج کراچی سے خیبر تک قاتلوں کے علاوہ ہر شخص اُن کے غم میں آبدیدہ ہے۔

ہر پاکستانی اُنہیں سلام پیش کرتا ہے، اُن کی شہادت پر آبدیدہ ہے۔ آئینی جمہوریت کے عظیم کاز کیلئے اُنہوں نے جان دی اسی سے پاکستان کا استحکام وابستہ ہے۔

5 جنوری 2008ء روزنامہ "جنگ"

www.bhutto.org

"میری بہن بینظیر کو زندگی سے بہت پیار ہے"

عائشہ اختر

محترمہ بینظیر بھٹو اپنی زندگی میں ایک متنازعہ ہستی رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز اپنے والد کے ورثے سے کیا تھا لیکن بعد میں خود کو ایک ذہین، ہوشیار اور کبھی ہار نہ ماننے والی سیاسی شخصیت کی حیثیت سے اپنا مقام بنایا اور عالمگیر شہرت حاصل کی۔ ان کے بارے میں مختلف آراء ظاہر کی جاتی ہیں مگر ان کی چھوٹی ہمشیرہ صنم بھٹو نے کچھ ماہ قبل ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کیلئے یہ تاثرات پیش خدمت ہیں۔

"قدیم تہذیب کی سرزمین میں جنم لینے والے مشرق کی بیٹی کی فہم وفراست کسی شک وشبہ سے بالا ہے جو کہ برصغیر کی عورت کا ایک بھرپور عکس بھی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ برصغیر کی عورت ذہین بھی ہوتی ہے وفادار بھی جذباتی بھی اور بہادر بھی۔ مضبوط بھی اور مشکلات کا سامنا کرنے والی بھی۔ یہ تمام اوصاف میری بہن بینظیر بھٹو میں بہ درجہ اتم موجود ہیں"۔ ایک بھارتی جریدے کو دیئے گئے انٹرویو میں صنم بھٹو نے اپنی بڑی ہمشیرہ کی زندگی کے کچھ نئے اور دلچسپ پہلو آشکار کیے۔ "قدیم تہذیب میں پیدا ہونے والی بینظیر بھٹو جدید تصورات رکھتی ہیں اور بجا طور پر سیاست کا مستقبل کہلاتے کی حقدار ہیں۔"

"بینظیر بھٹو نے گھر کے سب سے بڑے بچے کی حیثیت سے ہمارے عظیم والد کی سیاسی سرگرمیوں میں اوائل عمری سے ہی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی اور جب خود وہ سیاست کے

پرخار میدان میں عملی طور پر اتریں اور ایک کٹھن سفر طے کرتے ہوئے دو بار وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئیں جو کہ ایک طویل داستان ہے اور جس کے پیچھے بینظیر کی انتھک محنت اور اس کا سیاست کیلئے جذبہ عبادت سے کم نہ تھا۔ اس تمام عرصہ میں اس نے سیاست کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ وہ پاکستان کیلئے کچھ ایسا کرنے کی خواہاں تھی کہ جس سے ہمارا ملک باوقار اور ترقی یافتہ ممالک کی طرف میں کھڑا ہو سکتے۔

صنم بھٹو آگے چل کر اپنے انٹرویو میں کہتی ہیں ''بینظیر بھٹو کے اندر سیاست کیلئے جانثاری کے ساتھ اپنوں کیلئے بے پناہ محبت ہے اس کی شخصیت کو مزید پرکشش بنا دیتی ہے۔ وہ ایک وفا شعاری بیوی بھی ثابت ہوئی جو اپنے بچوں کی اچھی پرورش اعلیٰ تعلیم اور بہترین اخلاق اقدار کیلئے کوشاں رہی''۔

صنم بھٹو کہتی ہیں ''بینظیر کے متعلق یہ جان کر بہت سوں کو حیرت ہوگی کہ جاگیردارانہ پس منظر رکھنے والی آکسفورڈ یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ اور عیش وعشرت میں زندگی کا ایک بڑا حصہ بسر کرنے والی یہ عورت بے حد منکسر مزاج ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اس کی طبیعت میں کتنی سادگی ہے۔ بڑی بڑی فائلوں میں بڑا وقت گزارنے اور سیاسی معاملات میں الجھے رہنے کے باوجود امور خانہ داری سے کبھی غافل نہیں ہوئی۔ اس نے ایک اعتدال پسند زندگی گزاری اس کیلئے جتنی اہم سیاست رہی اتنا اہم اس کا کنبہ بھی تھا اور ہے۔ میری بہن نے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ کئی سیاسی مدوجزر کا سامنا کیا۔ بڑے بڑے سیاسی اور جذباتی طوفانوں سے گزری مگر اس کی اعتدال پسندی اس کی خود اعتمادی اور اس کی ذہانت نے اسے ہر آزمائش میں سے کامیابی سے گزارا۔ اور اسے کہیں متزلزل نہیں ہونے دیا۔''

''ایسی ملازمت پیشہ عورتیں جنہیں گھرداری بھی سنبھالنی ہوتی ہیں اور کمانا بھی ہوتا ہے۔ میرے مشاہدے کے مطابق وہ کینہ پرور اور حاسد ہو جاتی ہیں۔ شاید ان پر کام کا زیادہ دباؤ ہوتا ہے یا دفتری ماحول میں پیدا ہونے والی سازشیں انہیں ایسا بنا دیتی ہیں۔ مگر بینظیر بھٹو ایسی خرابیوں سے قطعی لاتعلق رہتے ہوئے اپنی زندگی میں مصروف رہیں۔ کیونکہ اس کی دلچسپیاں مختلف تھیں۔ انہیں دن بدن بدلتے حالات اور تیزی سے ابھرتے عالمی حالات سے ہر وقت

باخبر رہنا ہوتا تھا۔ اس لئے ان کا بیشتر وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔ میری ہمشیرہ نظم وضبط اور اخلاق واقدار کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتی ہیں اور یہی صفات وہ اپنے بچوں میں بھی دیکھنے کی خواہش کرتی ہیں۔"

صنم بھٹو کے مطابق بینظیر ہمیشہ ایک اچھی اور وفادار دوست ثابت ہوئی ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کیلئے ہمیشہ آگے آئی ہیں اور سماجی زندگی میں لوگوں کے ساتھ اچھے تعلقات اور دوسروں کی مدد پر یقین رکھتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔

"بے شمار اوصاف اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ چونکہ بینظیر بھٹو ایک انسان ہیں چنانچہ انہیں شدید غصہ بھی آتا ہے مگر صرف اس وقت جب وہ کچھ غلط ہوتا ہوا دیکھتی ہیں مگر اپنے کسی برے رویے پر وہ جلد نادم بھی ہو جاتی ہیں۔ غصے یا مایوسی کی کیفیت اس پر بہت عارضی ہوتی ہے۔ جلد ہی وہ خود کو سنبھال لیتی ہے۔

بینظیر بھٹو کی ایک خاص عادت کے بارے میں صنم بھٹو کہتی ہیں کہ وہ کسی کیلئے دل میں میل یا بغض نہیں رکھتیں اور نہ ہی ان میں بدلہ لینے کی عادت بد پائی جاتی ہے۔ وہ درگزر کرنا اور معاف کر دینا پسند کرتی ہے۔ بینظیر بھٹو کا نظریہ ہے کہ زندگی صرف ایک ہی ملتی ہے چنانچہ اسے اپنے ضمیر کے مطابق بسر کرنا چاہیے۔

صنم بھٹو کہتی ہیں کہ بینظیر سیاسی جدوجہد اور سیاسی کامیابیوں اور ناکامیوں کے حوالے سے ایک خاص شخصیت ضرور ہیں لیکن وہ کئی حوالوں سے ایک عام عورت بھی ہے اس لئے انہیں کم وبیش عام لوگوں سے مسائل بھی دوچار رہتے ہیں۔ مثلاً وہ خوش خوراک ہیں۔ انہیں چاکلیٹ اور کھٹ میٹھے کھانے مثلاً کڑھی اور مرچ والے بینگن بہت پسند ہیں۔ ایسی چیزیں وہ زیادہ ہی کھا جاتی ہیں مگر وہ باقاعدگی سے ورزش نہیں کر پاتیں کیونکہ ان کی بے پناہ مصروفیات انہیں ورزش کیلئے وقت ہی نہیں دیتی۔ گو کہ انہیں اپنی صحت کی فکر بھی رہتی ہے اس لئے فرصت ملے تو قدرتی طریقہ علاج سے متعلق کتابیں کا مطالعہ کرتی ہیں اور یہ نسخے آزماتی بھی ہیں۔

"میری بہن تحفے تحائف دینے کے معاملے میں کافی دریادل واقع ہوئی ہیں مگر ان

www.bhutto.org

کیلئے تحفہ خریدنا ایک مشکل کام ہے۔ وہ ان تحائف کو تھوڑا عرصہ استعمال کرنے کے بعد کسی نہ کسی کو دے دیتی ہیں۔ چنانچہ کتابیں گھڑیاں، پرفیومز اور کپڑے وہ اکثر بانٹ دیا کرتی ہیں۔''

اپنے انٹرویو کے آخر میں صنم کہتی ہے ''بینظیر زندگی سے محبت کرتی ہیں انہیں زندگی کے تمام شیڈز پسند ہیں۔ انہیں تپتی یا کھلی دھوپ بھی پسند ہے اور سائے بھی اچھے لگتے ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ قہقہے اور آنسو زندگی کے جزو لازم ہیں۔ جب بھی وہ بلندی پر ہوتی ہیں تو پستی کی طرف آنے کے بارے میں فکر مند رہتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جب ان کی زندگی پر ناکامیوں کے بادل چھائے ہوں تو وہ ان کے چھٹنے کا انتظار کرنے کی بجائے ان سے نکلنے کی جدوجہد کرتی ہیں اور اکثر کامیاب ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ میں انہیں ایک ذہین و فطین عورت کہتی ہوں۔''

انصاف میگزین

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

"بینظیر کو محافظ دینے کے بدلے اسرائیل کو تسلیم کرنے کا وعدہ کیا گیا"

صفی علی اعظمی

اسرائیلی خبر رساں اداروں نے اس خبر کی تصدیق کی ہے کہ پاکستان میں قاتلانہ حملے میں ہلاک کر دی جانے والی سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی حفاظت کیلئے موساد کے مسلح ایجنٹوں کی تعینات کرنے کی استدعا اسرائیل سے کی گئی تھی لیکن اسرائیل کے اعلیٰ حکام نے بینظیر بھٹو کی حفاظت کیلئے مسلح ایجنٹ تعینات کرنے کی درخواست صرف اس لئے مسترد کر دی تھی کہ اسرائیل پاکستان، بھارت اور قریبی ممالک میں اپنی سیکورٹی فورسز یا نجی کمپنیوں کو تعینات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسرائیلی خبر رساں ادارے "Arutz sheva" نے اپنی ایک تصدیق ای میل میں کہا ہے کہ اسے اس امر کی اطلاع ہے کہ اسرائیلی سیکورٹی ادارے "شن بیت" (یہ اسرائیلی انٹیلی جنس موساد کا برادر ادارہ ہے جو اندرون اور بیرون ملک اپنی خدمات فراہم کرتا ہے) کو بینظیر بھٹو کو پاکستان آمد پر سیکورٹی دینے کی استدعا موصول ہوئی تھی۔ اسرائیلی نیوز نیٹ ورک نے اپنی ایک خبر میں بھی اس کی تصدیق کی ہے اور بتایا ہے کہ بینظیر بھٹو کو سیکورٹی فراہم کرنے کی درخواست ابتدائی طور پر اسرائیل کے اعلیٰ حکام نے روکی تھی۔ اسرائیل ذرائع کا کہنا تھا کہ بینظیر بھٹو شن بیت اور موساد سے قبل اپنی سیکورٹی کیلئے امریکن آئی اے اور برطانوی انٹیلی جنس، اسکاٹ لینڈ یارڈ سے بھی اپیل کر چکی تھیں لیکن بعض وجوہات اور مناسب ردعمل نہ ملنے کے سبب انہوں نے شن بیت،

موساد سے سیکورٹی فراہم کرنے کی اپیل کی۔ اسرائیلی ذرائع کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کو روڈ سائیڈ بم ناکارہ بنانے یا خودکش حملہ روکنے والے الیکٹرونک جامنگ ڈیوائسز فراہم نہیں کی گئی تھیں۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ بینظیر بھٹو کی سیکورٹی کیلئے دی جانے والی درخواست کو بیک جنبش قلم مسترد کرنے کے بجائے اس پر وزارت خارجہ اور موساد کے اعلیٰ حکام کی میٹنگ میں بھی غور وخوض کیا گیا تھا۔ اولین طور پر موساد اس بات پر راضی ہوگئی تھی کہ وہ پاکستانی سابق وزیراعظم کو سیکورٹی فراہم کرے گی لیکن بعدازاں اعلیٰ حکومتی افسران کی حفاظت پر اس درخواست کو رد کر دیا گیا کیونکہ اسرائیلی صدر وزیراعظم کو پاکستان میں اسرائیلی سیکورٹی گارڈز بھیجنے پر سخت تحفظات تھے۔

ادھر اسرائیلی خبر رساں ادارے Arutz Sheva کے صحافی حنالیوی جولیان کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کی طرف سے امریکہ، برطانیہ اور پھر اسرائیل سے تحفظ کیلئے کی جانے والی درخواستوں کو بتدریج رد کر دیا گیا تھا جس کا نتیجہ ان کی ہلاکت کی صورت نکلا ہے۔ حنالیوی جولیان نے اسرائیل اخبار "Maarive" عبرانی زبان میں شائع ہوتا ہے کی اس رپورٹ کی تصدیق کی جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ بینظیر بھٹو کی حفاظت کیلئے اسرائیلی انٹیلی جنس ادارے سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ اپنے مسلح گارڈز کو معقول مشاہرے پر بینظیر کی حفاظت کیلئے مامور کریں۔ اسرائیلی انٹیلی جنس اور ''موساد'' نے دنیا کے کئی سربراہانِ مملکت کو حفاظتی گارڈز فراہم کئے ہوئے ہیں جو انٹیلی جنس ایجنسیوں کی معلومات سے استفادہ کر کے اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ حنا جولیان نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ کئی اسرائیلی سیکورٹی' انٹیلی جنس کمپنیاں بھی کئی سربراہان مملکت کو بھاری معاوضے کی ادائیگی پر سیکورٹی فراہم کرتی ہیں۔

اسرائیلی خبر رساں اداروں نے کہا ہے کہ جمعرات کی شام بینظیر بھٹو کے قتل کی اطلاع ملتے ہی اسرائیلی صدر اور وزیراعظم سمیت دیگر اہم شخصیات نے دلی دکھ کا اظہار کیا۔ ایہود اولمرٹ نے کہا کہ بینظیر بھٹو کا قتل افسوسناک ہے۔ انہوں نے کہا کہ بینظیر بھٹو اسرائیل کے ساتھ مسلم دنیا کے تعلقات قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ اقوام متحدہ میں تعینات اسرائیلی سفیر ڈان گلرمین نے بھی بینظیر بھٹو کی موت پر اظہار افسوس کیا اور انہیں کرشماتی شخصیات بتایا۔ ڈان گلرمین نے اس امر کی بھی تصدیق کی کہ بینظیر بھٹو شمعون پیریز اور ان (ڈان گلرمین) سے رابطے میں تھیں۔ بحوالہ:

(gttp:/www.israelnationalnews.com)دادھر صف اول کے اسرائیلی میڈیا' اسرائیل ٹوڈے' یروشلم پوسٹ' حارث اور وائے نیٹ نے کہا ہے کہ پاکستان میں جمعرات کی شام قاتلانہ حملے میں ہلاک کی جانے والی بینظیر بھٹو کی حفاظت کیلئے اسرائیلی انٹیلی جنس ٹن بیت' موساد کو درخواست دی گئی تھی جس پر واضح طور پر انکار کر دیا گیا تھا کیونکہ اسرائیلی اعلیٰ حکام کے خیال میں موساد کے ایجنٹوں کی پاکستان میں تعیناتی اسرائیل کے خلاف قضیہ کھڑا کر سکتی ہیں۔

یروشلم میں تعینات اسرائیلی خبر رساں ادارے وائی نیٹ کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کے قتل سے چند ہفتوں پہلے کی بات ہے جب ان کی فیملی کے ایک اہم فرد نے ایک اہم اسرائیلی سفارت کار کو ٹیلیفون کیا اور بتایا کہ ان کی طرف سے امریکی' برطانوی اور دیگر اہم بین الاقوامی اداروں سے بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کی اپیلیں اب تک رنگ نہیں لائی ہیں اس لئے آپ سے استدعا کی جاتی ہے اور اس ضمن میں اسرائیل مدد گار ہے۔ مذکورہ فرد نے اپنی فون کال میں اسرائیلی سفارتکار سے یہ بھی کہا کہ پاکستانی انتظامیہ نے بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کے حوالے سے کافی مشکلات پیدا کی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ انہیں امریکی اور برطانوی اداروں نے بھی اس حوالے سے کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ ان تمام دروازوں پر دستک دینے کے بعد ہم آپ (اسرائیلیوں) سے مدد طلب کر رہے ہیں اس لئے آپ محترمہ بینظیر بھٹو کی حفاظت کیلئے پیشہ ور اسرائیلی حفاظتی گارڈز تعینات کریں۔

اسرائیلی ذرائع ابلاغ کا کہنا ہے کہ حفاظتی معاملات سے پریشان بینظیر بھٹو کے سامنے یہ واحد نکتہ تھا کہ جس کے سبب وہ اسرائیلی سکیورٹی قبول کرنے پر آمادہ ہوئیں۔ اسرائیلی خفیہ ذرائع نے بتایا ہے کہ بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کیلئے جانے والی درخواست کو فوری طور پر رد نہیں کیا گیا بلکہ اسے اسرائیلی کابینہ کے اجلاس میں پھر وزارت خارجہ کے اجلاس میں' پھر موساد کے اجلاس میں اور آخر میں اسرائیلی جوائنٹ سکیورٹی سروسز (GSS) کے اجلاس میں پیش کیا گیا۔ بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کے حوالے سے اسرائیلی وزارت خارجہ کی درخواست پر تمام فورمز پر غور کیا گیا۔

اسرائیلی وزارت دفاع اور پھر موساد کے اجلاس میں پاکستان میں اسرائیلی پیشہ ور

حفاظتی گارڈز بھیجنے کی تجویز کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا۔ اجلاس میں کہا گیا کہ پاکستان میں صرف ان گارڈز کو بھیجا جائے گا جو پرائیویٹ اسرائیلی کمپنیوں میں تعینات ہیں اور سابقہ طور پر وہ سکیورٹی اسٹیبلشمنٹ، جی ایس ایس یا موساد سے منسلک رہ چکے ہیں۔

اسرائیلی ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ بینظیر بھٹو کی سکیورٹی کے حوالے سے اسرائیلی وزارتوں میں کئی میٹنگز ہوئی تھیں جبکہ معاملات کو حتمی شکل دینے کیلئے اسرائیلی وزیر خارجہ زپی لیونی اور محترمہ بینظیر بھٹو کے بیچ نیویارک میں ایک اہم میٹنگ طے شدہ تھی لیکن بینظیر بھٹو کے سخت ترین شیڈول کے سبب یہ میٹنگ منعقد نہیں ہو پائی۔ اس میٹنگ کو چند دنوں بعد تک کیلئے ملتوی کر دیا گیا جبکہ نئی میٹنگ کیلئے مقام اور تاریخ کا تعین بھی کر لیا گیا۔ نئی میٹنگ اسرائیلی اعلیٰ افسران اور بینظیر کی سکیورٹی کے معاملات طے کرنے والے افسران کے بیچ یورپ کے کسی ملک میں طے پائی جہاں بینظیر کی سکیورٹی کے معاملات طے پائے تھے اور یہیں باضابطہ درخواست کی جانی تھی لیکن بینظیر بھٹو کی 18 اکتوبر کو پاکستان آمد کے بعد یہ میٹنگ کبھی نہ ہو پائی اور بالآخر بینظیر بھٹو سفر آخرت پر روانہ کر دی گئیں۔

اسرائیل ٹوڈے کا اپنی رپورٹ میں کہنا تھا کہ اسرائیلی حکام سے سکیورٹی طلب کرتے ہوئے متعلقہ فرد نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اسرائیل بینظیر بھٹو کو سکیورٹی فراہم کر دیتا ہے تو پھر پیپلز پارٹی اس امر پر غور کرے گی کہ وہ برسر اقتدار آ کر پاکستان اور اسرائیل کے بیچ سفارتی تعلقات قائم کرنے کی کوششیں کرے۔ اسرائیل Today کا کہنا تھا کہ باوجود اسرائیلی حکومت کے انکار کے اسرائیلی وزارت خارجہ اور موساد کے حکام آخری لمحات تک اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ بینظیر بھٹو کو انٹیلی جنس معلومات اور حفاظتی گارڈز فراہم کیے جائیں لیکن اسرائیلی حکومت نے آخری لمحات میں تجویز مسترد کر دی۔

انصاف میگزین

6 جنوری 2008ء

کس کے ہاتھ پر اپنا لہو تلاش کروں؟

معظم رضا تبسم

بینظیر بھٹو کی وطن واپسی جس سیاسی اضطراب کے حالات میں ہوئی انہیں اپنے قتل ہونے کا اتنا یقین تھا کہ اپنی آٹھ سالہ جلاوطنی کے خاتمہ کر کے وطن واپسی کیلئے روانگی سے قبل پریس کانفرنس سے لیکر لیاقت باغ جلسہ گاہ کے باہر دہشت گردوں کا نشانہ بننے سے چند لمحے قبل تک وہ مسلسل پوری قوم کو بار بار بتاتی رہیں کہ ان کی جان کو خطرہ ہے بینظیر بھٹو کی وطن واپسی امریکہ اور برطانیہ کے ذریعے پرویز مشرف سے سیاسی سمجھوتے کے بعد ہوئی تھی اور صدر پرویز مشرف کی طرف سے بینظیر بھٹو کو مکمل سکیورٹی فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا مگر جیسے ہی بینظیر بھٹو جلاوطنی ختم کر کے شاہراہ قائد کراچی پہنچی تو چند گھنٹوں بعد ان کی استقبالیہ ریلی میں دھماکے ہوئے جس میں بینظیر بھٹو تو محفوظ رہیں مگر سینکڑوں افراد جاں بحق و زخمی ہوئے۔ اس حملے کا الزام حکومت نے انتہا پسندوں پر عائد کیا اور ان دھماکوں کو خودکش حملے کا نتیجہ قرار دیا جبکہ پیپلز پارٹی نے اس وقت بھی ان دھماکوں کو خودکش حملے تسلیم کرنے سے انکار کیا اور یہ بات سامنے آئی تھی کہ بینظیر بھٹو کے حفاظتی انتظامات ناقص تھے۔ ان کی گاڑی میں لگے جیمرز کام نہیں کر رہے تھے جبکہ ان کے استقبالیہ جلوس کے راستوں میں درختوں اور عمارتوں پر کسی سکیورٹی اہلکار کو تعینات نہیں کیا گیا۔

www.bhutto.org

دوسری طرف بیت اللہ محسود نے اس حملے میں ملوث یا بینظیر بھٹو کے حوالے سے کسی منصوبہ سازی کی تردید کردی تھی۔

سانحہ کراچی کے وقت اچانک کارساز کے علاقے میں سٹریٹ لائٹس گل کردی گئیں تھیں اور جیسے ہی دونوں دھماکے ہوگئے سٹریٹ لائٹس روشن ہوگئیں تاہم بینظیر بھٹو نے اس سانحہ میں بچے کے جسم سے بم باندھ کر انہیں مارنے کی سازش کا انکشاف کیا تھا۔ تاہم حکومت اور پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بینظیر بھٹو کے سکیورٹی ایڈوائزر رحمان ملک کے درمیان مسلسل رابطے رہے کہ انہیں سکیورٹی کے حوالے سے شکایات ہیں سانحہ لیاقت باغ سے قبل بھی پیپلز پارٹی کے ترجمان نے حکومت کی طرف سے سکیورٹی کیلئے فراہم کئے گئے جیمرز ناقص قرار دیئے تھے جبکہ لیاقت باغ سانحہ سے قبل پیپلز پارٹی کے ایک رہنما اور انتظامیہ کے افسران میں اسی مسئلہ پر تکرار بھی ہوئی تھی۔

بینظیر بھٹو 27 دسمبر کو جلسہ سے خطاب کے بعد اسلام آباد واپسی کیلئے پارک سے نکلیں تو باہر کھڑی عوام کے ہجوم نے انہیں روک لیا محترمہ بینظیر بھٹو کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر سینیٹر صفدر عباسی جبکہ پچھلی نشست پر ناہید خان اور مخدوم امین فہیم بیٹھے تھے۔ عوام کے نعروں سے محترمہ بینظیر بھٹو جذبات سے ملغوب ہوئیں تو انہوں نے گاڑی کی چھت سے باہر نکل کر کارکنوں کو ہاتھ ہلایا اسی دوران فائرنگ ہوئی اور گولیاں ان کی گردن سر اور چھاتی پر آلگیں جس سے زخمی ہوکر بینظیر بھٹو گاڑی میں گرگئیں اور پھر چند لمحوں بعد ایک خوفناک دھماکہ ہوا بینظیر بھٹو کی گاڑی بھی اس دھماکے سے متاثر ہوئی اور اسکے پچھلے ٹائر پنکچر ہوگئے تاہم گاڑی اس حالت میں مری روڈ پر روانہ ہوئی اور کچھ دور جاکر رک گئی محترمہ بینظیر بھٹو کو زخمی حالت میں پیچھے آنے والی پیپلز پارٹی سیکرٹری اطلاعات شیری رحمان کی گاڑی میں منتقل کر کے ہنگامی طور پر راولپنڈی جنرل ہسپتال پہنچایا گیا جہاں ڈاکٹر انکی جان بچانے کی کوشش کرتے رہے مگر ناکام رہے اور شام چھ بجکر 16 منٹ پر ڈاکٹروں نے محترمہ بینظیر بھٹو کے جاں بحق ہونے کا غمناک مژدہ سنایا۔

بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد حکومت انکی موت کو خودکش حملے میں بم کا ٹکڑا لگنے اور پھر روف لیور کی سر میں ضرب کو موت کی وجہ قرار دیتے رہے جبکہ بینظیر بھٹو کو ہسپتال پہنچانے والی پیپلز پارٹی کی سیکرٹری اطلاعات شہری رحمان کا کہنا تھا کہ بینظیر بھٹو کے سر میں دو گولیاں لگیں تھیں اور

ان کے سر کے پچھلے حصہ میں بہت بڑا سوراخ تھا۔ دوسری طرف ڈاکٹروں کی جاری رپورٹ میں کہا گیا کہ جب بینظیر بھٹو کو ہسپتال لایا گیا تو ان کے سر سے خون اور پچھلے حصے میں ہونے والے سوراخ سے دماغ کا مواد بھی خارج ہو رہا تھا۔

حکومت ترجمان بریگیڈئر جاوید اقبال چیمہ نے واقعہ کے 12 گھنٹے کے اندر ہی ذمہ داری طالبان رہنما بیت اللہ محسود پر ڈال دی تاہم پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے حکومت پر واضح کیا کہ طالبان کے قابل اعتماد ذرائع نے ان سے رابطہ کر کے بینظیر بھٹو کے خلاف کسی قسم کے حملے میں ملوث ہونے کی تردید کر دی مگر صدر پرویز مشرف اور حکومت مسلسل بیت اللہ محسود کو حملہ میں ملوث قرار دینے پر مصر ہیں۔ جبکہ امریکی انٹیلی جنس ماہرین نے اپنی تجزیاتی رپورٹ میں اعلیٰ شخصیت کے حامل سابق کمانڈوز کے سنائپر فائر سے محترمہ بینظیر بھٹو کا قتل کیے جانے کی رائے دی۔ ان امریکی ماہرین کے مطابق بینظیر بھٹو کے قتل میں انکے سیاسی مخالفین ملوث ہو سکتے ہیں جنہوں نے سابق کمانڈوز کے ذریعے انہیں سنائپر گن کے ذریعے 5 فائر کر کے قتل کیا' جبکہ روسی انٹیلی جنس نے بھی ایسی ہی تجزیاتی رپورٹ دی جس میں کہا گیا تھا کہ فائرنگ کے علاوہ دو دھماکے بھی سانحہ کے وقت ہوئے تھے۔ تاہم انتظامیہ نے سانحہ کے فوری بعد جائے وقوعہ کو پانی سے دھو دیا جبکہ بینظیر بھٹو کا پوسٹ مارٹم کرائے بغیر میت راتوں رات نوڈیرو پہنچادی گئی۔ تاہم حکومت کا موقف رہا کہ آصف علی زرداری کی درخواست پر بینظیر بھٹو کے احترام میں پوسٹ مارٹم نہیں کرایا گیا۔ مگر بینظیر بھٹو کو طبی امداد دینے والے ڈاکٹر اور حکومت کی بلاتحقیقات تسلسل کے ساتھ ہر روز نئی دلیلوں نے معاملہ کو مشکوک بنا دیا۔ سانحہ کے بعد تین روز تک حکومتی ترجمان تسلسل کے ساتھ بین الاقوامی ماہرین سے تحقیقات کرانے کے امکان کو رد کرتے رہے تاہم بینظیر بھٹو کی شہادت پر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تشویش اور ردعمل سامنے آنے پر صدر پرویز مشرف کو برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن نے اسکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کی مدد فراہم کرنے کی آفر کی جسے صدر پرویز مشرف نے قبول کر لیا۔ یاد رہے کہ محترمہ بینظیر بھٹو کی وطن واپسی کیلئے صدر مشرف سے مفاہمت کرانے والوں میں برطانیہ اور امریکہ متحرک رہے اور امریکہ نے بینظیر بھٹو کے قتل کو اندرونی معاملہ قرار دیتے ہوئے اپنے امریکی سینیٹرز اور ڈیموکریٹک صدارتی امیدوار ہیلری کلنٹن سمیت عالمی تنظیموں اور پیپلز پارٹی کی اقوام متحدہ کے ذریعے تحقیقات کرانے کے

مطالبے کی حمایت کرنے سے گریز کیا البتہ امریکہ صدر بش نے پرویز مشرف کو اپنا اتحادی قرار دیتے ہوئے ان کی حمایت برقرار رکھنے کا عندیہ ضرور دیا اور ان برطانوی ماہرین کی تحقیقات میں شمولیت کو خوش آئند قرار دیا جن کے ہاتھ پاکستان پہنچنے سے قبل ہی باندھے جا چکے ہیں اور صدر پرویز مشرف قوم سے خطاب میں تحقیقات سے قبل ہی بیت اللہ محسود کو محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کا ذمہ دار قرار دے چکے ہیں۔ جبکہ پاکستان کے عوام انکے حقوق کیلئے مقتدر قوتوں سے لڑنے کا حوصلہ رکھنے والی قائد سے محروم ہو چکی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما بابر اعوان کا کہنا ہے کہ پوری قوم جانتی ہے کہ بینظیر بھٹو کی شہادت کا فائدہ اس کو ہوا ہے جو کہتا تھا کہ محترمہ بینظیر بھٹو کو پاکستان واپس نہیں آنے دوں گا ان کا راستہ روکوں گا، صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کی پریس کانفرنس جھوٹ کا پلندہ تھی اس کا مقصد یتیم لیگ کو سیاسی سہارا دینا تھا اس قسم کے اعلانات کو عوام اعلان جنگ سمجھیں گے، محترمہ کی شہادت کے حوالے سے کسی نے فوج کو ذمہ دار قرار نہیں دیا صدر پرویز مشرف اور حکومت خود جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اقوام متحدہ کے سامنے پیش کریں پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری مالیات بابر اعوان نے کہا کہ پاکستان پیپلز پارٹی راولپنڈی جنرل ہسپتال کے ڈاکٹروں کی میڈیکل رپورٹ کے حوالے سے اقوام متحدہ سے رجوع کرے گی فوج محترمہ کے قتل میں شریک نہیں جبکہ کسی نے فوج کو ذمہ دار قرار نہیں دیا، سکاٹ لینڈ یارڈ پولیس لیاقت علی خان کے کیس کی تفتیش کیلئے آئے تھے مشرف حکومت کسی ڈھیلی تفتیش سے یہ بات کہلانا چاہتے ہیں کہ ثبوت نہیں ہے۔ محترمہ کے قتل کی تفتیش اقوام متحدہ کے کمیشن کے ذریعے ہوگی، پنجاب کے ڈاکٹروں نے ایک میڈیکل رپورٹ بنائی ہے جس کے مطابق زخم کھلا تھا اور کھوپڑی ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے سانس بند ہوگئی تھی۔ رپورٹ میں کسی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ گولی کا زخم نہیں ہے رپورٹ میں لیور کا ذکر نہیں، سرکار کی طرف سے کرائے گئے ایکسرے کے مطابق 2 5 سینٹی میٹر کا زخم تھا، زخم انڈہ نما ہے ایکسرے کے مطابق 2 سے 3 چھوٹے نظر نہ آنے والے لیزر کے نشان ہیں اس کے بعد کسی قبر کشائی اور پوسٹ مارٹم کی ضرورت نہیں رہتی۔ ڈاکٹر بابر اعوان نے محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد ڈاکٹروں کی جانب سے بنائی جانے والی رپورٹ کو جھوٹ اور فریب پر مبنی قرار دیتے ہوئے الزام لگایا ہے کہ یہ رپورٹ پنجاب حکومت کے ایماء پر بنائی گئی ہے۔

www.bhutto.org

بینظیر بھٹو شہید کی موت کو پر اسرار بنا دیئے جانے کے بارے میں اس بات کو بے کار اور عجیب قرار دیا جا رہا ہے کہ پاکستان کی حکومت نے اس موقع پر برطانیہ کے سراغ رساں ادارے سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کو بلایا ہے جب پہلے ہی اس واقعے کو آٹھ روز سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ بینظیر بھٹو کا پوسٹ مارٹم نہیں کیا گیا ان کے سر پر بندھا ہوا وہ سکارف ہی غائب کر دیا گیا جس پر مبینہ طور پر گولیوں کے نشانات ہو سکتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے اور واقعاتی ثبوت ضائع کئے جا چکے ہیں اسی صورت میں برطانوی ماہرین صرف سرکاری طور پر تیار کی جانے والی رپورٹوں اور دستاویزات تک محدود رہیں گے یا پھر انہیں محض اخباری رپوٹوں پر انحصار کرنا پڑے گا۔ برطانوی ماہرین پاکستان میں جا کر آزادانہ کام نہیں کر سکیں گے۔ انہیں مجبوری کے طور پر پاکستانی سرکاری ماہرین کی رہنمائی میں کام کرنا پڑے گا۔ اخبار کے مطابق سکاٹ لینڈ یارڈ کے ایک ذریعے نے نام نہ بتانے کی شرط پر کہا ہے کہ برطانیہ سے چند ماہرین کی جو ٹیم جمعہ کے روز اسلام آباد پہنچی ہے اسے بھیجے جانے سے پہلے اس واقعہ کے بارے میں رکی بریفنگ بھی نہیں دی گئی ایک اعلیٰ پولیس افسر نے ڈاکٹروں کو بینظیر بھٹو کا پوسٹ مارٹم کرنے سے روک دیا تھا۔ فورنیرک (Forenic) تحقیقات کیلئے جائے وقوعہ کو اسی حالت میں رکھنا ضروری ہو گیا جس حالت میں وہاں کوئی واقعہ ہوا ہو۔ وہاں پر موجود خون اور قدموں اور ہاتھوں وغیرہ کے نشانات تحقیقات میں بہت اہم ثابت ہوتے ہیں۔ خون پر قدموں کے نشانات وہاں تک آنے والوں کے راستے سمت کی نشاندہی کرتے ہیں ان کے قدموں کے نشانات سے ان کے جوتوں اور قد وغیرہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے مگر یہ سارے نشانات بینظیر بھٹو پر حملہ ہونے کے فوری بعد مٹا دیئے گئے۔ یہ حرکت صرف اس وقت کی جاتی ہے جب کسی خاص مقصد کیلئے ایسا ضروری سمجھا جائے تاکہ قاتلوں کی نشاندہی مشکل ہو جائے۔ موقع واردات سے جو چند چیزیں قبضہ میں لی گئیں وہ بھی سرکاری اہلکاروں کے پاس جو اوپر سے ملنے والی ہدایات کے تابع ہیں۔ تاہم محترمہ بینظیر بھٹو کے سکیورٹی ایڈوائزر رحمان ملک نے کہا ہے کہ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم کو اگر ضرورت پڑی تو محترمہ بینظیر بھٹو کا پوسٹ مارٹم کرایا جا سکتا ہے وہ دس سال تک محترمہ بینظیر بھٹو کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں جس طرح وہ بینظیر بھٹو کا سکیورٹی ایڈوائزر تھے اب اسی طرح آصف علی زرداری اور بلاول بھٹو کے بھی سکیورٹی ایڈوائزر ان کا کام حکومت اور محترمہ بینظیر بھٹو کے درمیان

www.bhutto.org

سکیورٹی معاملات کے بارے میں مشاورت تھی۔ رحمان ملک کا کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کی جان کو لاحق خطرات اور ناقص سکیورٹی انتظامات کے بارے میں حکومت کو ہر تیسرے دن آگاہ کیا جاتا رہا لیکن حکومت نے کوئی قدم نہیں اٹھایا، بینظیر بھٹو دو مرتبہ پاکستان کی وزیر اعظم رہ چکی تھیں ان کو شوکت عزیز اور چوہدری شجاعت حسین جیسی سکیورٹی فراہم کی جانی چاہیے تھی۔ وہ بینظیر بھٹو کے سکیورٹی چیف یا سکیورٹی گارڈ نہیں بلکہ محض سکیورٹی ایڈوائزر تھے۔ بینظیر بھٹو کے چیف آف سکیورٹی ایس ایس پی امتیاز تھے۔ حکومت کی طرف سے دی جانے والی سکیورٹی اور پولیس کے ساتھ کوآرڈینیشن ایس ایس پی امتیاز ہی کرتے تھے جبکہ وہ خود حکومت کی طرف سے مزید سپورٹ لینے کی کوشش کرتے تھے۔ رحمٰن ملک نے کہا کہ 18 اکتوبر کے بعد ہر تیسرے دن میں حکومت سے مزید حفاظتی آلات کا مطالبہ کرتے رہے، بم جیمرز خراب تھے اور گاڑیوں کی فراہمی کیلئے درخواست کرتا رہا جو سب کچھ میڈیا کے سامنے لایا جاتا رہا۔ انہوں نے کہا کہ سانحہ لیاقت باغ سے 24 گھنٹے قبل بھی میں نے حکومت کو تحریری درخواست دی تھی کہ جیمرز اور سکیورٹی ٹھیک نہیں ہے اور بینظیر بھٹو کو خطرہ لاحق ہے۔ خودکش حملے کی دھمکی بھی دی گئی ہے لہٰذا انہیں چوہدری شجاعت حسین اور شوکت عزیز جیسی سکیورٹی فراہم کی جائے لیکن حکومت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پیپلز پارٹی کے پاس ہتھیار، بلٹ پروف گاڑیاں یا ایسی کوئی فورس نہیں تھی جو کہ بینظیر بھٹو کے اردگرد حفاظتی حصار بنا سکے یا لوگوں کی جامع تلاشی لے سکے۔ انہوں نے کہا کہ لیاقت باغ میں سکیورٹی کے انتظامات انتہائی ناقص تھے جس کی ذمہ دار حکومت ہے۔

سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کی آمد کے بعد اسلام آباد میں برطانوی ہائی کمیشن کے ترجمان ایڈورن لیڈ سے کا کہنا ہے کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کی تحقیقاتی ٹیم قابل افسران پر مشتمل ہے تاہم یہ ٹیم بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات میں صرف پاکستانی حکام کی معاونت کریگی یہ ٹیم اپنے طور پر تحقیقات نہیں کریگی۔ ادھر سکاٹ لینڈ یارڈ کے شعبہ انسداد دہشت گردی کے وفد نے پاکستان آمد اور تحقیقاتی اداروں سے بریفنگ کے بعد اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ وفد نے پولیس لائن میں موجود محترمہ بینظیر بھٹو کی گاڑی کا جائزہ لیا اس کی تصاویر بنائیں اور مختلف زاویوں سے گاڑی کی ڈرائنگ بنائیں تحقیقاتی ٹیم نے گاڑی کے دائیں جانب پچھلے ٹائر کے بارے میں معلومات بھی حاصل کیں اور گاڑی کے اندر سے سن روف کے کھلنے و بند ہونے کے سسٹم کو چیک کیا۔ اس موقع

پر ایڈیشنل آئی جی پنجاب انہیں مسلسل بریفنگ دینے کے علاوہ سوالات کا جواب دیتے رہے گاڑی کے معائنے کے بعد ٹیم نے ویڈیو فلم کی مدد سے جائے وقوعہ کا جائزہ لیا اور اسکی تصویر کشی کی جائے وقوعہ کے مقام پر انہوں نے گاڑی کے زاویے، فائرنگ کے مقام، بم دھماکے، پولیس اہلکاروں کی ڈیوٹی کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ سانحہ کے بعد گاڑی کے نکلنے اور سکیورٹی پلان کے بارے میں متعدد سوالات کئے۔ ٹیم نے لیاقت ہال کی جانب پارکنگ اور گاڑیوں کی لوکیشن معلوم کی۔ جبکہ محترمہ کی گاڑی سے آگے اور ساتھ و پیچھے چلنے والی گاڑیوں کا ریکارڈ بھی طلب کیا۔ بتایا جاتا ہے کہ پوسٹمارٹم رپورٹ مانگے جانے پر جب انہیں بتایا گیا کہ پوسٹمارٹم محترمہ کے خاوند زرداری کے کہنے پر نہیں کروایا گیا تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا جائے وقوعہ سے ملنے والے شواہد بارے کئے گئے سوال کے جواب میں جب غیر ملکی ٹیم کو پتہ چلا کہ جائے وقوعہ کو واقعے کے گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد دھودیا گیا تو ٹیم ممبران دیر تک حیرانگی سے ایک دوسرے اور پاکستانی سکواڈ کو دیکھتے رہے۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم نے جو اپنے ساتھ جدید ترین تحقیقی آلات وسامان لے کر آئی ہے۔ اسکی مدد سے انہوں نے ایف آئی اے کے دفتر میں سانحے کی کاپی بھی کی۔ تحقیقاتی ٹیم نے سنٹرل ہسپتال کا بھی دورہ کیا اور میڈیکل رپورٹ کے علاوہ متعلقہ ڈاکٹروں اور دیگر عملے سے معلومات حاصل کی۔ نگران وزیر داخلہ لیفٹیننٹ جنرل (ر) حامد نواز کا کہنا ہے کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کے ماہرین کی ٹیم اس وقت تک پاکستان میں رہے گی جب تک اس مقدمہ کی تحقیقات مکمل نہیں ہو جاتیں انہوں نے کہا کہ بیرونی ماہرین کی یہ ٹیم اس واقعہ کی تفتیش کرنے والی پاکستانی ٹیم کو تکنیکی معاونت فراہم کرے گی۔ پولیس نے وہاں سے ضروری شواہد حاصل کر لئے تھے اور اس کے بعد اس جگہ کو دھونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تاہم حکومت اور پیپلز پارٹی کے بیانات اور تحقیقات میں جس امر کو نظر انداز کیا جا رہا ہے وہ بینظیر بھٹو کا اپنے لائیسٹ مارک سیگل کو ای میل پیغام ہے جس میں انہوں نے اپنے قتل کے ذمہ دار کا تعین خود کر دیا تھا!!!۔

انٹرنیشنل ایڈیشن روزنامہ اوصاف

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

بی بی نے میری گود میں آخری سانس لی

سعید جان بلوچ

پیپلز پارٹی کی سربراہ عالم اسلام کی پہلی منتخب وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو کو 27 دسمبر کا سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی راولپنڈی کے تاریخی لیاقت باغ میں بدبخت دہشت گردوں نے ایک گھناؤنی سازش کے تحت شہید کر دیا۔ 28 دسمبر کا سورج غروب ہونے سے قبل جہاں محترمہ بینظیر بھٹو کو لاکھوں سوگواروں کی آہوں اور سسکیوں میں سپرد خاک کر دیا گیا وہاں پر چاروں صوبوں کو متحد رکھنے کی آخری امید کو بھی دفن کر دیا گیا۔

خبریں گروپ آف نیوز پیپرز کے چیف ایگزیکٹو ضیاء شاہد اور ایڈیٹر امتنان شاہد کی جانب سے محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے مزار پر حاضری اور پیپلز پارٹی کے نو منتخب شریک چیئرمین آصف علی زرداری اور بھٹو فیملی سے اظہار تعزیت کیلئے جب صحافی کراچی اور اندرون سندھ ہونے والی تاراج کی شدید ہنگامہ آرائی کے دوران سنسان کراچی کی شاہراہ فیصل سے لے کر نوڈیرو اور لاڑکانہ تک فضا سوگوار نظر آئی۔ ہر طرف سوگ کا ماحول یہ بتا رہا تھا کہ ایک عظیم سانحہ رونما ہوا ہے۔

2008ء کے پہلے سورج کی روشنی میں جب ہم گڑھی خدابخش میں اپنے شہید والد ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں ابدی نیند سونے والی کروڑوں غریب پاکستانیوں کی محبوب ترین لیڈر

www.bhutto.org

محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے مزار پر پہنچے تو وہاں کی فضا اس طرح سوگوار اور غمگین تھی۔

بوڑھے، جوان، خواتین اور بچے سب اشکبار آنکھوں سے محترمہ شہید کی آخری آرام گاہ کی طرف جاتے ہوئے نظر آئے۔

چند دن قبل منوں مٹی کے نیچے دفن کی جانے والی بینظیر بھٹو شہید کی قبر منوں پھولوں تلے تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کو مٹی میں نہیں بلکہ پھولوں تلے دفن کیا گیا ہو۔

محترم ضیاء شاہد اور امتنان شاہد کی طرف سے محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے مزار پر پھولوں کی چادر چڑھاتے ہوئے وہاں پر موجود ہزاروں افراد کی طرح ''خبریں'' کے سینئر کارکن وحید جمال کی آنکھیں بھی صبر کا دامن چھوڑتے ہوئے اشکبار تھیں۔

محترمہ بینظیر بھٹو شہید کی قبر پر لوگ لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے، خواتین سینہ کوبی کر رہی تھیں۔ غم کا سمندر اپنے سینے میں لئے سینکڑوں خواتین نوحہ خوانی کرتے ہوئے ماتم کر رہی تھیں۔

گڑھی خدا بخش سے جب ہم بینظیر بھٹو شہید کی نوڈیرو میں رہائش گاہ بھٹو ہاؤس پہنچے تو وہاں پر ہزاروں افراد پنڈال اور باہر تعزیت کیلئے موجود تھے۔ محترمہ بینظیر بھٹو شہید کے بیٹے اور پیپلز پارٹی کے نئے چیئرمین بلاول بھٹو زرداری اپنی بہنوں بختاور اور آصفہ کے ہمراہ دوبئی روانہ ہو گئے تھے۔

محترمہ شہید کے شوہر آصف علی زرداری بھٹو ہاؤس میں موجود اہم شخصیات اور مختلف سیاسی رہنماؤں سے تعزیت وصول کر رہے تھے جبکہ باہر پنڈال میں بھی ہزاروں لوگ تعزیت کرنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ بھٹو ہاؤس میں سیکیورٹی فرائض انجام دینے لیاری کے نوجوان سے معلوم کیا کہ وہ راولپنڈی میں محترمہ شہید کی حفاظت کیلئے کیوں نہیں گئے تو انہوں نے بتایا کہ 23 دسمبر 2007ء کو لاڑکانہ سے شروع ہونے والے انتخابی جلسوں کے دوران جب ہم رحیم یار خان میں تھے وہاں پر پنجاب میں محترمہ شہید کی حفاظت کرنے والے پارٹی کارکنوں نے کہا کہ آپ چلے جائیں ہم اپنی جان دے کر بھی محترمہ کی حفاظت کریں گے، اس نوجوان نے روتے ہوئے بتایا کہ کراچی میں 18 اکتوبر کو ہم نے اپنی جانیں دے کر محترمہ کو بچایا لیکن راولپنڈی میں جانثاران بینظیر بھٹو اپنی جان دے کر بھی محترمہ کی جان کی حفاظت نہیں کر سکے۔

جب ہم بھٹو ہاؤس کے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں پر ایک دن قبل پارٹی کے

نئے چیئرمین کا انتخاب کرنے کیلئے پیپلز پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کا اجلاس ہوا تھا یہاں پر بلوچستان کے سابق ارکان اسمبلی کا وفد تعزیت کرنے کیلئے انتظار کر رہا تھا جبکہ آصف علی زرداری دوسرے کمرے میں اہم شخصیات سے تعزیت وصول کر رہے تھے وہ اچانک اس کمرے میں داخل ہوئے تعزیت وصول کرنے کے بعد حمت جنید کے ساتھ انہوں نے بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) کے رہنماؤں کا شکریہ ادا کیا بلکہ ان سے ملک کو متحد کرنے کیلئے جمہوری قوتوں کو متحد کرنے کے حوالے سے تجاویز بھی دینے کی درخواست کی۔

جب وہ دوسرے کمرے میں گئے تو محترمہ بینظیر بھٹو شہید کی سیاسی زندگی کی سب سے قریبی ساتھی ناہید خان اشکبار آنکھوں سے کمرے میں داخل ہوئیں جب وہ میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھیں تو میں نے ان سے پوچھا کہ وہ محترمہ شہید کے ساتھ لینڈ کروزر کے کس طرف سے بیٹھ ساتھ نکلی تھیں اس دن کیوں نہیں تھیں؟ تو انہوں نے روتے ہوئے بتایا کہ راولپنڈی میں جس بدبخت لینڈ کروزر میں ہم سوار تھے وہ ہماری دیگر گاڑیوں کے مقابلے میں چھوٹی تھی اس میں صرف ایک ہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا یہ گاڑی ہمارے ساتھ پشاور میں بھی تھی۔

میں نے محترمہ سے کہا تھا کہ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آپ سر باہر نہ نکالیں میں نے ان کو بہت روکا لیکن انہوں نے کہا کہ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ میری حفاظت کرے گا یہ بتاتے ہوئے ان کی آنکھوں سے اشک نہیں رک رہے تھے وہ کہہ رہی تھیں کہ جب محترمہ میری گود میں گریں تو میری چیخ نکل گئی انہوں نے میری گود میں آخری سانس لی۔ میرے سینے میں ان کی ساری زندگی کے راز ہیں جو ان کے دفن ہوتے ہی ہمیشہ کیلئے دفن ہو گئے ہیں۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے آغا سراج درانی نے کہا کہ آپ کو آصف صاحب نے اندر بلایا ہے جس پر میں اور وحید جمال جب کمرے میں گئے تو جس صوفے پر ہم بیٹھے تھے وہاں ہمارے قریب محترمہ شہید کے معتمد خاص رحمان ملک بھی آ کر بیٹھ گئے۔ پھر جیسے آصف زرداری اس صوفے پر بیٹھے جس پر کبھی ذوالفقار علی بھٹو شہید اور عظیم لیڈر محترمہ بینظیر بھٹو شہید بیٹھا کرتے تھے تو رحمان ملک نے آصف زرداری کو بتایا کہ خبریں اخبار کا وفد ضیا شاہد اور امتنان شاہد کی طرف آپ سے محترمہ شہید کی المناک شہادت پر تعزیت کرنے آیا ہے جس پر آصف زرداری نے وحید جمال کو اپنے قریب بلایا

www.bhutto.org

اور تعزیت وصول کرنے کے ساتھ ساتھ شکریہ ادا کیا۔ وحید جمال نے آصف علی زرداری کو بتایا کہ ضیاء شاہد صاحب خود آنا چاہتے تھے مگر مصروفیات کے باعث آ نہیں سکے جس پر آصف علی زرداری نے بھی کہا کہ میری چند ماہ قبل ضیاء شاہد سے فون پر بات ہوئی تھی اللہ ان کے ادارے کو مزید ترقی دے۔ جب ہم نوڈیرو لاڑکانہ کے بھٹو ہاؤس سے روانہ ہونے لگے تو رات ہو چکی تھی اس کے باوجود سینکڑوں لوگ تعزیت کرنے کیلئے موجود تھے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کو ایک ہفتہ گذر جانے بلکہ تمام زندگی اس بات کا یقین نہیں آئے گا کہ کروڑوں غریب لوگوں اور چاروں صوبوں کی زنجیر، وفاق کی علامت اور استحکام کی آخری امید ''بینظیر بھٹو اب اس دنیا میں نہیں رہیں''۔

خبریں سنڈے اسپیشل
6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

طالبان کی ہوم لینڈ پر قدم!

سلیم غیاث

بینظیر بھٹو کا آخری دورہ پشاور اس لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا جاتا تھا کہ ایک ایسے وقت انہوں نے پشاور کا دورہ کیا جب اس سرزمین سے تعلق رکھنے والے سابق 2 وفاقی وزراء آفتاب احمد خان شیر پاؤ اور انجینئر امیر مقام آزادی سے اپنے گھروں کا رخ نہیں کر سکتے تھے۔ دوسری جانب انہیں القاعدہ اور طالبان کا خوف دلا کر انتخابی مہم میں حصہ لینے سے باز رکھنے کی بار بار کوشش کی جاتی رہی تاہم وہ آئیں اور نا صرف آئیں بلکہ شیرنی کی طرح گھومتی پھرتی رہیں۔ اس دورے میں وہ اے این پی کے رہبر تحریک اور بزرگ سیاستدان خان عبدالولی خان مرحوم کی دعا کیلئے ولی باغ چارسدہ گئی جہاں انہوں نے مرحوم کی اہلیہ اور اے این پی کی سابق صوبائی صدر بیگم نسیم ولی خان سے ان کے شوہر کے انتقال پر تعزیت کی انہوں نے وہاں نماز بھی ادا کی۔ اس سے پہلے وہ پشاور میں شب گزار چکی تھیں۔

دورے کی ایک خاص بات ان کی پریس سے بات چیت تھی۔ پریس ٹاک کا وقت 3 بجے سہ پہر دیا گیا تھا۔ تاہم سکیورٹی انتظامات کے باعث وہ صبح ساڑھے 9 بجے ہی صحافیوں سے مل کر روانہ ہو گئیں۔ ان کا سکیورٹی شیڈول انتہائی سخت تھا۔ بہرحال اس دورے کے باعث

www.bhutto.org

پیپلز پارٹی کی قیادت کا سیاسی امیج (Image) کافی بہتر ہوا۔ ملکی، غیر ملکی میڈیا نے ان کے اس دورے کو کافی تشہیر دی۔ یہ کہا گیا کہ طالبان کے Home land میں انہوں نے قدم رکھ کر بڑی جرات کا مظاہرہ کیا ہے اور بلاشبہ ایسا ہی تھا۔ اپنے دورے میں وہ پارٹی کے لیڈر اور امیدوار برائے قومی اسمبلی ارباب عالمگیر کے گھر بھی گئیں جہاں انہوں نے ان سے ان کے والد اور سابق وزیر اعلیٰ ارباب محمد جہانگیر کے انتقال پر بھی تعزیت کی۔ وہ پیپلز پارٹی کے ممتاز رہنما سید قمر عباس مرحوم کی رہائش گاہ بھی پہنچیں جنہیں گزشتہ مئی میں نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے قتل کر دیا تھا۔

دوسری مرتبہ وہ پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم کے سلسلے میں سرحد کے دورے پر آئیں تو پشاور اور مردان میں انہوں نے کھلے جلسوں سے خطاب کیا۔ وہ پشاور میں سابق وزیر حاجی خیان کے بھانجے اور پی پی رہنما کے انتقال پر تعزیت کیلئے ان کے گھر بھی گئیں۔ دورے کی ایک اہم بات سابق وزیر داخلہ اور پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما میجر (ر) نصیر اللہ بابر کی بی بی (بینظیر بھٹو) سے ملاقات اور ان کے پروگراموں میں شرکت تھی وہ دراصل کچھ عرصے سے صدر پرویز مشرف کے ساتھ بی بی کی ڈیل کے حوالے سے قیادت سے ناراض تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے اس پارٹی کی سیاست سے کنارہ کشی کا بھی اعلان کر دیا تھا لیکن یہ ڈیل کامیاب نہ ہوئی اور میجر (ر) نصیر اللہ بابر اپنا غم وغصہ سمیٹنے کے بعد احتجاج ختم کر کے دوبارہ واپس آ گئے۔

اپنے جلسوں میں محترمہ بینظیر بھٹو شہید نے پارٹی اور عوام کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے واضح کہا کہ وہ عوام کو تنہا نہیں چھوڑیں گی۔ تیسری بار وہ 26 دسمبر کو آخری بار پشاور کے دورے پر تشریف لائی' کون جانتا تھا کہ یہ ان کا آخری قدم ہے۔ اس کے بعد پشاور کے عوام اپنی اس محبوب لیڈر کا چہرہ دیکھ نہ سکیں گے۔ اس جلسے میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اپیل کی کہ وہ انتہا پسندوں کو مسترد کر کے پیپلز پارٹی کو کامیاب بنائیں۔ کیونکہ پی پی پی اقتدار میں آنے کے بعد سرحد اور قبائلی علاقوں کو ترقی دے گی۔

انہوں نے اس موقع پر میاں نواز شریف سے اپنے اختلافات کے حوالے سے یہ بھی واضح کیا کہ اب یہ اختلافات ماضی کا حصہ بن چکے ہیں اور جمہوریت کی بحالی کیلئے مل کر ساتھ

چلیں گے۔ انہیں ادھر ادھر سے جو دھمکیاں مل رہی تھیں وہ انہیں خوفزدہ کرنے کیلئے کافی تھیں لیکن اپنی شہادت سے ایک روز قبل اس جلسے میں انہوں نے دشمنوں کو للکارتے ہوئے کہا کہ وہ دھمکیوں سے ڈرنے والی نہیں ہیں۔ ایٹمی طاقت سے زیادہ طاقت عوام کی ہے اور جلسے نے ثابت کر دیا ہے کہ پی پی پی عوام کی پارٹی ہے۔

اس موقع پر محترمہ بینظیر بھٹو نے دہشت گردی اور ملک کو درپیش بحرانوں کا ذکر کرتے ہوئے جمہوریت کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ اپنے خطاب کے دوران انہوں نے کہا کہ انہیں عوام سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ہر ممکن خوف دلانے کی سازش جارہی تھی۔ ارباب نیاز سٹیڈیم سے پہلے ان کے جلسے کیلئے جناح پارک پشاور منتخب کیا گیا تھا لیکن اچانک یہ مقام تبدیل کر کے ارباب نیاز سٹیڈیم کر دیا گیا۔ بعدازاں بتایا گیا کہ مقام کی تبدیلی سکیورٹی کے باعث عمل میں لائی گئی ہے۔ بہرحال اسی روز صبح پونے 6 بجے شہر میں ایک کیبل نیٹ ورک کا دفتر بم سے اڑا دیا گیا جبکہ محترمہ بینظیر بھٹو کے خطاب سے چند گھنٹے قبل ارباب نیاز سٹیڈیم کے عقب میں بم کا ایک زوردار دھماکہ ہوا۔

اس سے قبل چارسدہ میں عید قربان کے پہلے روز مسجد میں سابق وزیر داخلہ آفتاب احمد خان شیر پاؤ پر خودکش حملہ ہو چکا تھا جس میں وہ تو معجزانہ طور پر بچ گئے۔ تاہم ان کے صاحبزادے مصطفیٰ شیر پاؤ شدید زخمی ہوئے جبکہ 56 سے زائد افراد اس میں شہید ہو گئے۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے اس موقع پر چارسدہ خودکش دھماکے کا ذکر کر کے اپنے سیاسی تدبر کا ثبوت دیا۔ اس جلسے کے دوران ان کے جلسے سے ایک 15 سالہ مبینہ تخریب کار رحیم الاسلام بھی گرفتار ہوا۔ ایجنسیوں کے مطابق اس کے پاس دھماکہ خیز بارودی مواد بھی برآمد ہوا۔ بہرحال خفیہ ایجنسیاں اسے پکڑ کر لے گئیں اور بعدازاں اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ اس کے پاس صرف پٹاخے تھے' سچ تو یہ ہے کہ اس جلسے میں انہوں نے اپنے اس عزم کا اعادہ کیا کہ وہ پختونوں کو ترقی یافتہ اور خوشحالی دیکھنا چاہتی ہیں۔

اس جلسے میں سکیورٹی کے سخت انتظامات اور شہر میں بم دھماکوں کی وجہ سے خوف وہراس کی فضا کے باعث شرکاء کی تعداد کم تھی جو ایک لازمی بات تھی۔ بہت کم لوگ اس میں شریک ہوئے کیونکہ ہر سو طرح طرح کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کم تعداد پر

محترمہ بینظیر بھٹو پارٹی کے صوبائی لیڈروں سے ناراض بھی ہو وہ کوشش کے باوجود جلسے کو اس قدر ''بھاری'' کیوں نہ بنا سکے۔ تاہم اس کے اگلے روز 27 دسمبر کو لیاقت باغ کے جلسے نے اس حوالے سے خدشات اور افواہوں کو کس قدر ہیچ ثابت کر دیا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے البتہ پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کے قریبی حلقے دعویٰ کرتے ہیں کہ محترمہ بینظیر بھٹو نے اپنی شہادت سے صرف ایک روز قبل اپنے دورہ پشاور کے اختتام پر سرحد پولیس کی جانب سے بہترین حفاظتی انتظامات اور حکمت عملی پر نہ صرف اظہار اطمینان کیا تھا بلکہ دورے کے اختتام پر انک پل پر سرحد پولیس کا خصوصی طور پر شکریہ بھی ادا کیا۔ یاد رہے کہ وہ جلسہ گاہ سے واپس ہوئیں تو باچا خان چوک سے خیبر روڈ تک محترمہ بینظیر بھٹو نے گاڑی کا سن روف کھول کر کارکنوں کے نعروں کا ہاتھ ہلا ہلا کر جواب دیا۔ یوں جیسے وہ پشاور کے عوام سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بچھڑنے کو الوداع کہہ کر ہمیشہ کیلئے رخصت ہو رہی ہوں۔

رہے نام اللہ کا

اللہ باقی سب کافی

محترمہ بینظیر بھٹو کے جلسہ لیاقت باغ میں پیپلز پارٹی کے رہنما بشیر خان تنگی بھی جاں بحق ہوئے جو ان کی خواہش پر پشاور کے جلسے کے بعد راولپنڈی کے جلسے میں شریک ہوئے۔ بشیر خان تنگی بہرہ مند تنگی کے بھائی تھے جو ماضی میں زرداری رہائی کمیٹی کے مرکزی چیئرمین رہے اور اب پی پی پی میڈیا سیل کے انچارج تھے۔ بی بی (محترمہ بینظیر بھٹو) کی شہادت کا الزام پہلے القاعدہ اور پھر طالبان کمانڈر بیت اللہ محسود پر عائد کیا گیا۔ وزارت داخلہ نے اس حوالے سے ثبوت کے طور پر ٹیپ بھی پیش کی۔ تاہم بیت اللہ محسود کی جانب سے اس کی تردید سامنے آئی۔ سرحد کے عوام آج بھی اس دلدوز واقعہ پر افسردہ، رنجیدہ اور ملال ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ بقول شخصے ''زندگی روٹھ گئی ہو جیسے''۔

خبریں سنڈے اسپیشل

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

قاتلانہ حملے کے چند خفیہ گوشے

اعجاز احمد بٹ

بینظیر بھٹو پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی تفتیش کے حوالے سے ابھی بہت سے ایسے سوالات ہیں جن کے جواب متعلقہ تفتیشی ٹیموں کو حاصل کرنے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کی وجہ سے بہت سے ایسے پہلو بھی اب عوام الناس کے سامنے آرہے ہیں جن کو چھپا کر بعض قوتیں اصل حقائق لوگوں سے عشروں مخفی رکھتی تھیں۔ موبائل فونوں کی ریکارڈنگ اور کئی چینلز کی مووی کیمروں کی وجہ سے عراق، افغانستان، لبنان اور اب پاکستان میں ہونے والے بعض بم دھماکوں کی براہ راست کوریج نے سکیورٹی کے فرائض سرانجام دینے والے اداروں کی غفلت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

بینظیر بھٹو پر ہونے والے قاتلانہ حملے کے موقع پر موبائل فونوں کے ذریعے ہونے والی ریکارڈنگ نے بھی کئی اہم پہلو عیاں کئے ہیں۔ اس اہم سانحہ کے بارے میں مختلف پولیس افسران، بم ڈسپوزل سکواڈ میں خدمات سرانجام دینے والے اہل کاروں اور انسداد دہشت گردی سیل لاہور کے سابق انچارج سے اہم نکات کے بارے میں ہم نے دریافت کیا ہے۔

ماہرین کے مطابق بینظیر بھٹو کے قتل کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے سب سے زیادہ اہمیت ٹائم فریم کو دی ہے۔ اس واقعہ کی منصوبہ بندی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بینظیر بھٹو کو جاں

www.bhutto.org

بحث کرنے کیلئے تین مراحل رکھے گئے تھے۔ پہلے ٹائم فریم پر بات ہو جائے۔ بینظیر کی سکیورٹی کرنے والے ادارے اور اہل کار اس روز صبح سے ہی سکیورٹی کے انتظامات میں مصروف تھے۔ بینظیر بھٹو نے کس راستے سے جلسہ گاہ میں داخل ہونا ہے۔ انہیں رش سے بچا کر کس طرح سٹیج پر پہنچانا ہے۔ اس طرح کے بنیادی نکات پر سکیورٹی اہل کار توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے۔ جبکہ ملزموں نے جلسے کے بعد کا وقت دھماکے کیلئے منتخب کر رکھا تھا۔ جب بینظیر بھٹو جلسہ گاہ کے مین دروازے سے باہر نکل گئیں تو اپنی منزل کی طرف جانے کیلئے انہیں لیاقت روڈ سے گزرنا تھا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ملزموں نے اپنا ٹارگٹ پہلے سے بنا رکھا تھا۔ وہاں سکیورٹی کے انتظامات بھی جلسہ گاہ کی طرح سخت نہیں تھے۔ ملزم اس جگہ کی پہلے سے ریکی کر چکے ہوں گے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خودکش حملہ آور اور ماہر نشانہ باز اس روڈ پر پہلے سے موجود تھے لیکن انہیں یہ کیسے یقین تھا کہ بینظیر بھٹو اس روڈ پر آنے کے بعد بلٹ پروف گاڑی سے سر باہر نکالیں گی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حملے کی منصوبہ بندی کرنے والوں کے کسی ساتھی یا ساتھیوں نے مجمع کو پرجوش کرنے کیلئے بینظیر بھٹو کے حق میں نعرے لگائے ہوں۔ (جئے بھٹو ایک ایسا نعرہ ہے جس کی وجہ سے پیپلز پارٹی کے ورکروں میں فوری طور پر کرنٹ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے) ایک اہم بات یہ ہے کہ بینظیر بھٹو جلسہ ختم کرنے کے بعد ہر بار بلٹ پروف گاڑی سے باہر نہیں آتی تھیں۔ بینظیر بھٹو جب جلسہ گاہ کے گیٹ سے باہر نکلی تھیں تو خلاف معمول ان کی پارٹی کے دوسرے اہم افراد کی گاڑیوں کا قافلہ تھوڑا پیچھے رہ گیا تھا۔ پولیس کی بھی بہت کم نفری ان کی گاڑی کے ساتھ موجود تھی۔

اب آتے ہیں بینظیر بھٹو پر قاتلانہ حملہ کرنے والے ملزموں کی طرف، یہ بات مختلف ویڈیو ریکارڈنگز سے ثابت ہو چکی ہے کہ بینظیر بھٹو پر فائرنگ کرنے والا چوبیس پچیس سال کا نوجوان تھا۔ ماہرین کے مطابق اس نوجوان کی باڈی لینگویج بہت سی باتوں کا پتہ دیتی ہے۔ اب ایسے کئی چشم دید افراد کے بیانات سامنے آ چکے ہیں جو ماضی میں خودکش حملہ آوروں کو آخری وقت میں کسی ٹارگٹ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ خودکش حملہ آور جب چار سے آٹھ کلو بارود اندرونی تہوں میں چھپانے والی جیکٹ پہنتا ہے تو اس کی موومنٹ آزادانہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے جسم کو ایک خاص زاویئے میں سیدھا رکھ کر تھوڑا سا اکڑ کر چلتا ہے۔ زیادہ تر خودکش حملہ آور اپنی

اس موومنٹ کو چھپانے کیلئے کوئی چادر ڈھانپ لیتے ہیں یا پھر بڑے سائز کی جیکٹ زیب تن کر لیتے ہیں۔ بینظیر بھٹو پر فائرنگ کرنے والا نوجوان کلین شیو تھا، اس نے ڈارک کلر کا پینٹ کوٹ اور ٹائی پہن رکھی تھی اور نیچے سفید شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس نے کوٹ کے بٹن کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ موبائل فون کی ویڈیو میں وہ آزادانہ حرکت کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں بینظیر بھٹو کی گاڑی کے قریب پہنچ گیا تھا۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے خودکش بم والی جیکٹ پہن رکھی تھی تو اسے کوٹ بٹن بند رکھنے چاہیے تھے۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ جب بینظیر بھٹو پر گولیاں چلا رہا تھا اس نے کالے رنگ کے شیشوں والی عینک پہن رکھی تھی۔ مغرب کی اذان سے تھوڑی دیر قبل ڈارک شیشوں والی عینک پہننے سے اس کی نظر تیز نہیں ہوگی بلکہ یہ عینک کسی خاص شخصیت یا دوسرے ساتھیوں کیلئے علامت تھی کہ اس مجمع میں سے وہ ڈارک پینٹ کوٹ اور کالے شیشوں والے اپنے ساتھی کو آسانی سے پہچان سکیں۔ وہ ایک ماہر شوٹر تھا۔ یہ اس دہشت گردی کے منصوبے کا پہلا حصہ تھا شاید اس شوٹر کو معلوم تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے آنے والا ایک شخص جس کی عمر 35 سال سے زائد معلوم ہو رہی تھی وہ اس منصوبے کے دوسرے مرحلے کی تکمیل کرنے والا ہے۔ اس سفید چادر میں چھپے ہوئے شخص کا چہرہ موبائل فون ویڈیو میں تھوڑا سا نظر آتا ہے۔ وہ خودکش حملہ آور کے بھیس پر بھی پورا اترتا تھا۔ اس کی نقل و حرکت بھی سست تھی۔ جب تین فائر ہو گئے تو ایک دم خودکش حملہ آور نے بم دھماکہ کر دیا۔ یہاں ایک اور اہم بات سامنے آئی ہے کہ خودکش حملہ آور کا جو سر میڈیا کے سامنے رکھا گیا ہے۔ جس کی تصویر ایک کروڑ روپے انعام کے ساتھ لگائی گئی ہے وہ اس چادر پوش کا سر نہیں ہے وہ تو فائرنگ کرنے والے نوجوان کا سر ہے پھر اس چادر پوش کا سر کہاں گیا؟ اسے میڈیا کے سامنے کیوں پیش نہیں کیا گیا؟ ان سوالوں کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق یہ بھی ممکن ہے کہ ان دو مراحل کے بعد دہشت گردوں نے کوئی تیسرا مرحلہ بھی رکھا ہو۔ اگر ان کی پہلی دو کوششوں میں بینظیر بھٹو بچ جاتیں تو وہ بھگدڑ کے دوران کوئی تیسرا حملہ بھی کر دیتے لیکن جب منصوبہ سازوں کو یقین ہو گیا کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا ہے تو انہوں نے تیسرے مرحلے پر عملدرآمد کی بجائے فرار کا راستہ اختیار کیا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ماہر شوٹر نے دوربین گن یا لیزر گن سے دور سے فائر کیا ہو اور اس کی تصویر کسی بھی موبائل ویڈیو میں نہ

www.bhutto.org

آئی ہو اور ہو سکتا ہے وہ ملزم اب بھی زندہ ہو۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کا حملہ کرنا دو افراد کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ خودکش جیکٹ کو پہنانے کے بعد فیوز اور کنکشن کو جوڑنے کیلئے کسی ماہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے ماہر کو دھماکہ خیز مواد اور ضروری لوازمات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کی مکمل تربیت دی جاتی ہے۔ ان ماہرین کو خودکش حملوں میں ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ وہ ''بکرے'' کو تیار کر کے روانہ کرتا ہے اور خود منظر سے غائب ہو جاتا ہے۔

اب اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ بینظیر بھٹو کے ساتھ ان کے آخری وقت میں ہوا کیا تھا۔ بینظیر بھٹو جب بم پروف گاڑی کے سن روف سے باہر نکلیں تو ان کا سر اور دونوں ہاتھ کندھوں تک گاڑی سے باہر تھے۔ بینظیر بھٹو گاڑی کی سیٹ پر کھڑی تھیں۔ آخری وقت میں بننے والی ویڈیو سے واضح ہے کہ ان کی گاڑی کے پیچھے دو گارڈز لٹکے ہوئے تھے۔ ان میں جو بائیں طرف والا گارڈ تھا اس سے تھوڑے فاصلے پر بائیں طرف سے ہی ماہر شوٹر اور سفید چادر والا خودکش حملہ آور گاڑی کی طرف بڑھتے نظر آتے ہیں۔ بم پروف گاڑی کی تصاویر سے بھی ثابت ہو گیا ہے کہ اس گاڑی کے بائیں طرف نیچے سے لے کر شیشوں تک سینکڑوں بم کے ٹکڑوں اور خون کے دھبوں کے نشانات ہیں۔ گاڑی کے دائیں طرف ایسا ایک بھی نشان نظر نہیں آیا۔ یہاں ایک اہم نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ بینظیر بھٹو کو دفنائے جانے کے فوری بعد وزارت خارجہ کے ترجمان نے بیان دیا کہ بینظیر بھٹو گولی لگنے سے اور نہ ہی دھماکے کا ٹکڑا لگنے سے جاں بحق ہوئی ہیں بلکہ وہ گاڑی کا لیور دائیں کنپٹی پر لگنے کی وجہ سے جاں بحق ہوئی ہیں۔ جب وہ یہ بیان دے رہے تھے اس وقت تک خودکش حملہ آور کے بارے میں موبائل ویڈیو سامنے نہیں آئی تھی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے دائیں طرف کے زخم کا ذکر اور لیور والی کہانی سنا کر کیا ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر لیور لگا بھی تھا تو وہ فائرنگ اور بم دھماکہ ہونے کے ری ایکشن میں لگا تھا۔ اس طرح سکیورٹی ایجنسیوں کی غفلت تو عیاں ہے کہ ان کی موجودگی میں فائرنگ اور خودکش حملہ ہو گیا۔ بم دھماکے کے کرائم سین کو اڑھائی گھنٹے بعد ہی دھلوا دینے کے احکامات دینے والوں کے بارے میں تو صدر مشرف بھی اپنے انٹرویو میں ذکر کر چکے ہیں کہ غلط اقدام تھا۔ بینظیر بھٹو گاڑی کے سن روف کے درمیان کھڑی تھیں۔ ان کے دائیں طرف سن روف کا گیپ صرف ایک فٹ کے قریب

تھا ہم دھماکے سے ہوا کا دباؤ جس قدر بھی زوردار دھکے سے لگے۔ اس سے اتنا بڑا زخم لگنا ممکن نہیں تھا۔ اگر وہ پندرہ بیس فٹ دور سے آ کر لیور سے ٹکراتی تو پھر ممکن ہو سکتا تھا۔

قانون کے مطابق کسی بھی قتل کے اصل اسباب جاننے کیلئے یعنی Cause of death کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جائے پوسٹ مارٹم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ بینظیر بھٹو کا صرف بیرونی پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ عموی طور پر پولیس ٹریفک حادثات میں جاں بحق ہونے والوں کا بیرونی پوسٹ مارٹم کرواتی ہے تاکہ موت کا سبب بننے والی کسی واضح چوٹ کا ذکر کر کے کسی کو داخل دفتر کیا جا سکے۔ تاہم قتل کے مقدمات میں ملزموں تک پہنچنے اور مقتول کے قتل کے اصل اسباب جاننے کیلئے اندرونی پوسٹ مارٹم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اندرونی پوسٹ مارٹم میں کھوپڑی، سینے اور پیٹ کو چیر الگا کر اندرونی اعضا کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس طرح ظاہری چوٹ کے علاوہ اندرونی اسباب کا بھی پتہ چل جاتا ہے کہ موت کیسے واقع ہوئی۔ جب کسی شخص کی موت کسی آلہ قتل سے ہوئی ہو تو پھر فرنزک سائنس کی مدد سے آلہ قتل کی شناخت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ آلہ قتل کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم شارپ ویپن کی ہے جن میں چاقو، خنجر، چھری تلوار اور تیز دھار آلہ اور کلہاڑی کی طرز کے ہتھیار شامل ہیں۔ دوسری قسم بلنٹ ویپن کی ہے جن سے ضرب لگائی جا سکے۔ ان میں لکڑی کا ڈنڈا، پتھر، اینٹ، کسی بڑی گن کا دستہ وغیرہ شامل ہیں۔ تیسری قسم Firearms کی ہے۔ فائر آرمز سے لگنے والے زخموں کی بھی مزید دو قسمیں ہیں۔ یعنی شارٹ گن اور پمپ ایکشن کی طرح کی گن جن سے چھرے نکلتے ہوں۔ ان سے زخمی شخص کو کئی جگہ زخم لگتے ہیں۔ دوسری قسم بلٹ گن یعنی ایسے ہتھیاروں کی ہیں جن سے ایک ایک کر کے گولیاں نکلتی ہیں ان میں ریوالور، پسٹل، موزر، کلاشنکوف وغیرہ شامل ہے۔

ماہرین نے کہا ہے کہ بینظیر بھٹو کو میگزین والے موزر سے نشانہ بنایا گیا ہے اس قسم کے موزر عموی طور پر 30 اور 32 بور کے ہوتے ہیں (بور کا سائز دراصل کسی ہتھیار کی نالی کے سائز کو ظاہر کرتا ہے)۔ لاہور پولیس کو جو موزر دیئے گئے ہیں وہ 38 بور کے ہیں۔ 30 اور 32 بور کے موزر سے اگر کسی شخص کو تین سے پانچ میٹر کی قربت سے فائر کیا جائے تو گولی جس طرف سے لگتی ہے (انٹری پوائنٹ) اسی طرف صرف 2 سے اڑھائی سینٹی میٹر یا اس سے بھی چھوٹا سوراخ ہوتا

www.bhutto.org

ہے تاہم جس طرف سے گولی باہر نکلتی ہے (ایگزٹ پوائنٹ) اس طرف پانچ سینٹی میٹر یا اس سے بھی بڑا سوراخ ہوتا ہے۔ 32 بور کے موذر سے ایک میٹر کے فاصلے سے فائرنگ کی جائے تو ایگزٹ پوائنٹ پر سینٹی میٹر کا زخم ہوسکتا ہے۔ اب اس ماہرانہ رائے کا بینظیر بھٹو کے بیرونی پوسٹ مارٹم کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں سب سے پہلے اس بات کی ابتداء میں لکھ دیا گیا ہے کہ 27 دسمبر کی شام پانچ بجکر 35 منٹ پر جب بینظیر بھٹو کو زخمی حالت میں راولپنڈی کے جنرل ہسپتال میں لایا گیا تھا اس وقت ایم ایس ڈاکٹر حبیب احمد خان ہسپتال میں تھے۔ بینظیر بھٹو کی سانس اور دل کی دھڑکن بند تھی۔ دونوں آنکھوں کی پتلیاں مکمل طور پر کھلی (Dialated) تھیں (جو کہ موت کی ایک علامت سمجھی جاتی ہے) اور ٹارچ لائٹ مارنے سے بھی وہ چمک نہیں رہی تھیں۔ ڈاکٹروں نے بیرونی مساج کرنے اور ایک انجیکشن لگا کر بھی ان کے دل کی دھڑکن چلانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ پروفیسر مصدق خان کے آنے پر آپریشن تھیٹر میں بینظیر بھٹو کے سینے کو کھول کر دل کو ڈاکٹروں نے ہاتھ میں لے کر اس کو مساج کر کے حرکت دینے کی کوشش بھی کی لیکن تمام کوششیں بے سود رہیں۔ اس پوری رپورٹ میں ایک بھی جگہ یہ نہیں لکھا کہ بینظیر بھٹو ہسپتال پہنچنے کے بعد چند ساعتوں کے لئے بھی حرکت میں آئیں یا ان کے دل نے کام شروع کیا۔

اس رپورٹ میں واضح لکھا ہے کہ بینظیر بھٹو کے سر کے دائیں طرف 3+5 سینٹی اس زخم کے گرد کوئی سیاہ دھبہ نہیں (ایک میٹر تک کے فاصلے سے فائر لگے تو بارود کی وجہ سے زخم کے اردگرد سیاہ حلقہ پڑ جاتا ہے) اس رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ بینظیر بھٹو کے سر کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی اور دماغ کا کچھ حصہ زخم سے باہر کی جانب نکلا ہوتا تھا۔ کہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ بینظیر بھٹو کے سر کی دائیں طرف اور سامنے سے تو ایکسرے کرائے لیکن بائیں طرف سے ایکسرے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر بائیں طرف سے بھی ایکسرے کرالیا جاتا تو شاید گولی کا انٹری پوائنٹ (جو غالباً 2 سینٹی میٹر یا اس سے بھی چھوٹا ہوگا اور بالوں کے اندر گم ہوگا) وہ بھی ایکسرے میں آجاتا اور یوں گولی لگنے کا واضح ثبوت مل جاتا۔

وقوعہ کے پہلے روز شیری رحمٰن کا یہ بیان بھی شائع ہوا تھا کہ بینظیر بھٹو کی گردن پر بھی

گولی لگی تھی اور ان کو پولیس افسر نے بتایا ہے کہ انہوں نے کئی ایسے واقعات دیکھے ہیں جن میں مقتول کو دماغ میں گولی ماری گئی تو ہسپتال لے جاتے ہوئے اس کے گلے سے ایسی آوازیں برآمد ہوئی تھیں جیسے اسے سانس لینے میں بہت زیادہ دشواری ہو رہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جب دماغ میں گولی لگتی ہے تو زخمی کے کانوں اور گلے سے خون بہنا شروع ہو جاتا ہے۔

موذر کے بارے میں ایک پولیس افسر نے بتایا کہ جو ماہر نشانہ باز ہوتے ہیں وہ دس گولیوں والے میگزین میں نو گولیاں ڈالتے ہیں تاکہ موذر کا سپرنگ خراب نہ ہو بینظیر بھٹو پر فائرنگ کرنے والے دہشت گرد نے تین فائر کئے تھے۔ ممکن ہے اس موذر میں ابھی باقی گولیاں موجود ہوں۔ بم دھماکے کے باوجود موذر درست حالت میں جائے وقوعہ پر موجود ہوگا۔ اس موذر کا جائزہ لینے سے بھی کئی سوالات کے جواب مل جائیں گے۔

بینظیر بھٹو کا قاتل کون ہے؟ اس بارے میں کئی بم دھماکوں کے ملزموں کو گرفتار کرنے اور ان کی تفتیش کرنے والے ایک افسر نے بہت دلچسپ معلومات دیں۔ انہوں نے کہا ''بم دھماکے تو بہت سے افراد دولت کی لالچ میں کرتے ہیں لیکن خودکش بم دھماکوں کے بارے میں، میں نے جتنے بھی افراد کی تفتیش کی ہے ان کے پیچھے مجھے ''جنت فیکٹر'' ہی نظر آیا ہے۔ ملک دشمن عناصر ہوں یا غیر ملکی ایجنٹ وہ خاص منصوبہ بندی سے خودکش حملہ آور تک پہنچتے ہیں۔ سب سے پہلے کسی ایجنٹ کو رقم فراہم کی جاتی ہے۔ وہ کسی تاجر کو رقم فراہم کرتا ہے۔ وہ تاجر اپنا حصہ وصول کر کے رقم کسی مذہبی جنونی تک پہنچاتا ہے۔ وہ مذہبی جنونی اپنے پیروکاروں میں سے کسی شدت پسند کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اسے جنت کی بشارت دیکر خودکش حملے کیلئے تیار کرتا ہے۔ اب تک جتنے بھی خودکش حملے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک بھی حملہ آور کے بارے میں ثابت نہیں ہو سکا کہ اس نے رقم کے لالچ میں یہ اقدام کیا ہے۔ وہ ہمیشہ انتہائی سطح پر برین واشنگ کے بعد جنت کی تلاش میں خودکش حملہ کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے اور اسے ہم ''جنت فیکٹر'' کہتے ہیں۔ بینظیر بھٹو پر خودکش حملہ کرنے والے کے پیچھے بھی یہی کہانی ہوگی''۔

12 جنوری 2008 روزنامہ جنگ

www.bhutto.org

بینظیر سیاست دان

محمود الحسن

''بینظیر پاک و ہند کی تاریخ میں بینظیر ہی بن جائے گی'' یہ الفاظ بھٹو صاحب کے ہیں جو انہوں نے تیس برس قبل جیل کی کوٹھری میں کہے تھے۔ بھٹو صاحب نے جب یہ بات کی اس وقت تو نا جانے ان کے ذہن میں کیا بات ہوگی لیکن ستائیس دسمبر کو بینظیر نے شہید ہو کر اپنے مرحوم والد کے کہے کو سچ کر دکھایا۔ بھٹو صاحب کے ان الفاظ کا ذکر کرنل (ر) رفیع الدین نے اپنی کتاب ''بھٹو کے آخری 323 دن'' میں کیا ہے۔ اس موقع پر اپنی لاڈلی بیٹی کے بارے میں کرنل رفیع سے بھٹو صاحب نے جو باتیں کیں ان کو مکمل طور پر نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ کرنل رفیع الدین لکھتے ہیں:

''بھٹو صاحب پاکستان، عام سیاسیات، ملکی و غیر ملکی حالات اور اپنے کیس وغیرہ کے متعلق تو کافی بات چیت کرتے رہتے تھے مگر انہوں نے اپنی فیملی کے متعلق بہت کم گفتگو کی۔ البتہ جب بھی مس بینظیر کا کسی طرح ذکر ہوا تو انہوں نے ہمیشہ ان کے متعلق ایک خاص قدر شناسی کے پیرائے میں بات چیت کی۔ وہ عموماً کہا کرتے تھے کرنل رفیع! میں رہوں یا نہ رہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی میرے مشن کو ہر حال میں پورا کرے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے حد صفات سے نوازا ہے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی نہیں بلکہ بے حد تیز فہم، روشن دماغ اور ذی عقل بھی ہے۔ وہ جب کہا کرتے تھے کہ بینظیر سیاست کو سمجھنے کی مجھ سے زیادہ صلاحیت و قابلیت رکھتی ہے

www.bhutto.org

تو میرے دماغ میں یہ سوال اٹھتا تھا کہ وہ تو ابھی تک طالب علمی کے زمانے میں ہے۔ اسے ابھی تک سیاست سے کوئی واسطہ نہیں پڑا اور نہ ہی عملی زندگی کا کوئی تجربہ ہے تو بھٹو صاحب کی یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہوا کرتی تھی۔ بہر حال میں ہمیشہ ایک باپ کے خیالات اس کی ہونہار بیٹی کے متعلق کچھ شکوک کے ساتھ سنتا رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے، میں رہوں یا نہ رہوں، میری بیٹی پاکستان کے غریب عوام کو ان کی منزل مقصود تک کامیابی کے ساتھ لے جائے گی۔ وہ مس بینظیر کے دل اور دماغ کی صلاحیتوں کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ بینظیر پاک و ہند کی تاریخ میں بینظیر ہی بن جائے گی"۔

بینظیر بھٹو کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد کی رائے کو اپنے عمل سے درست ثابت کیا ہے۔ بھٹو کو ضیاء دور میں گرفتار کیا گیا تو بینظیر نے اپنی والدہ کے ہمراہ جدوجہد جاری رکھی۔ ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد الیکشن کروانے کا اعلان کیا اور ممکن ہے کہ شروع میں ان کا ارادہ بھی ہو کہ الیکشن کروائے جائیں لیکن بینظیر جس طرح اپنے باپ کا مشن لیکر گھر سے نکلی اور جس طرح لوگوں نے ان کیلئے دیدہ دل فرش راہ کئے، اس سے ضیاء الحق خوفزدہ ہو گئے اور انکے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ انتخابات کی صورت میں پیپلز پارٹی ہی اکثریت حاصل کرے گی۔ اس لئے وہ الیکشن ملتوی کرنے کا اعلان کرتے رہے اور پھر اس سے منکر ہو گئے۔ بھٹو پھانسی کے بعد جسمانی طور پر تو منظر عام سے ہٹ گئے لیکن ان کی یادیں آج بھی اپنے چاہنے والوں کے ذہنوں میں جاگزیں ہیں۔ بینظیر بھٹو اپنے باپ کی وفات کے بعد کارزار سیاست میں پوری طرح سرگرم عمل ہوئیں اور جس طریق انہوں نے ضیاء کی آمریت کو للکارا اور اس کا مقابلہ کیا وہ بے مثل تھا۔ 1985ء میں اپنے بھائی شاہنواز کی موت کے بعد والدہ کی سخت مخالفت کے باوجود میت کے ساتھ پاکستان آنے کے فیصلے سے ان کی بلند حوصلگی کا پتہ چلتا ہے۔ ضیاء الحق نے اپنے دور اقتدار میں پیپلز پارٹی کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ان کی کوششیں بارآور ثابت نہ ہو سکی۔ 1986ء میں جب بینظیر بھٹو جلاوطنی ختم کر کے لاہور پہنچی تو عوام نے اپنے محبوب لیڈر کی بیٹی کا والہانہ استقبال کیا۔ 1988ء میں جنرل ضیاء کی موت کے بعد ملک میں عام الیکشن ہوئے تو اس میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی اور بینظیر بھٹو کو عالم اسلام کی

www.bhutto.org

پہلی خاتون وزیر اعظم بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ بینظیر بھٹو کو اقتدار میں آنے کا موقع تو ملا لیکن اس وقت کی اسٹیبلشمینٹ ان کو کلی طور پر اقتدار سونپنے پر آمادہ نہ تھی لہٰذا انہیں کچھ شرائط کے ساتھ اقتدار ملا۔ بقول شخصے پیپلز پارٹی کو حکومت تو دی گئی لیکن اقتدار منتقل نہیں کیا گیا۔ غالباً سیاست کے عملی تقاضوں کے تحت وہ ادھورے اقتدار کے حصول پر بھی رضامند ہو گئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ پارٹی کارکنوں اور پاکستانی عوام کو ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران بے شمار عذابوں سے گزرنا پڑا، اس لئے اب انہیں کسی طور آسانیاں فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلی حکومت 20 ماہ کے مختصر عرصے کے بعد ہی ختم کر دی گئی۔ 1993ء میں انہیں دوبارہ حکومت بنانے کا موقع ملا لیکن یہ حکومت بھی اپنی مدت پوری کرنے میں ناکام رہی اور اس کو پارٹی کے منتخب کردہ صدر فاروق لغاری نے برطرف کر دیا۔ اس دور میں مرتضیٰ بھٹو کی المناک موت کا سانحہ پیش آیا۔ دونوں مرتبہ بینظیر کی حکومت کو کرپشن اور اقربا پروری ایسے الزامات کے تحت برطرف کیا گیا۔ حالات سے بعد ازاں ثابت ہوا کہ ان کی حکومت برطرف کرنے والے اصحاب کے پیش نظر کچھ اور ہی مقاصد تھے۔

غلام اسحاق خان نے حکومت برطرف کرنے کے بعد آصف زرداری کو نگران کابینہ میں شامل کر کے اپنے اقدام کی عملاً نفی کر دی۔ دوسری مرتبہ فاروق لغاری نے ان کی حکومت ختم کی۔ لغاری صاحب کا دعویٰ تھا کہ ان کا یہ اقدام اصولوں پر مبنی ہے، ملک کو لوٹا جا رہا تھا اور ملک کی حالت اتنی خراب ہے کہ حکومت ختم کئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ فاروق لغاری نے پیپلز پارٹی سے علیحدگی کے بعد ملت پارٹی بنائی جو پذیرائی حاصل نہ کر سکی۔ وہ بعد میں ق لیگ میں شامل ہو گئے اور ایک ''باوردی صدر'' کے زیر سایہ حکومت میں برابر کے شریک رہے۔ 1998ء میں نواز شریف کی حکومت میں بینظیر نے جلاوطنی اختیار کر لی۔ 2003ء کے الیکشن میں ان کی پارٹی نے ان کی غیر موجودگی میں الیکشن میں حصہ لیا اور ملک بھر میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے۔

بینظیر کی داستان حیات کلفتوں اور مصیبتوں سے عبارت رہی۔ جوانی میں باپ کی پھانسی کا غم دیکھا، ضیاء دور میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، دو مرتبہ جلاوطنی کا عذاب سہا۔ ایک بھائی فرانس میں مردہ پایا گیا، دوسرے کو ان کے دورِ حکومت میں خون سے نہلا دیا گیا۔ خاوند

www.bhutto.org

آٹھ سال جیل میں رہا۔ ماں اپنے خاوند اور دو جوان بیٹوں کا غم سینے سے لگائے زندہ لاش بن چکی ہیں۔ ان کی زندگی مسلسل جدوجہد کی علامت تھی۔ 18 اکتوبر 2007ء کو جب وہ آٹھ برس کے بعد جلاوطنی ختم کر کے کراچی واپس لوٹی تو ان کے جلوس پر خودکش حملہ ہوا جس میں وہ بال بال بچ گئیں، مگر ان کی پارٹی کے ڈیڑھ سو سے زائد ارکان لقمہ اجل بن گئے۔ اس کے بعد یہ کہا گیا کہ شائد وہ اپنی سرگرمیاں محدود کر دیں، لیکن انہوں نے اپنی مہم جاری رکھی۔ آخر کار 27 دسمبر 2007ء کو ایک خودکش حملے کا نشانہ بن گئیں۔ بینظیر اور ان کے والد نے تمام عمر وفاق کی سیاست کی اور خود کو صوبائی عصبیت اور علاقائی سیاست کے تنگنائے تک محدود نہ رکھا۔ باپ بیٹی دونوں کے سیاسی کیریئر میں ایسے مواقع آئے جب وہ سندھ کارڈ کے استعمال کی طرف جا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسی راہ اختیار کرنے سے گریز کیا۔ بینظیر کے بہیمانہ قتل کے بعد بھی ان خدشات نے جنم لیا تھا کہ شائد اب پیپلز پارٹی کیلئے وفاق کی سیاست کرنا ممکن نہ رہے لیکن یہ بات قابل تحسین ہے کہ پیپلز پارٹی کی نئی قیادت نے وفاق کی سیاست کو ہی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لاریب بینظیر بھٹو کی شہادت سے ملک کو جو گہرا گھاؤ لگا ہے اسے مندمل ہونے میں بہت وقت درکار ہوگا۔ اس موقع پر بعض عناصر کی جانب سے اس سانحہ کو کسی خاص صوبہ اور علاقہ سے منسلک کرنے کی کوشش مناسب نہیں۔ محترمہ کی موت پورے ملک کا دکھ ہے اور کوئی پاکستانی خواہ ان کی پالیسیوں کا کتنا ہی مخالف کیوں نہ رہا ہوں، ایسا نہیں ہوگا جس نے ان کی موت کو درد دل سے محسوس نہ کیا ہو۔ پورا ملک ان کے مرنے پر دل گرفتہ ہے۔ موت سے کس کو رستگاری ہے، لیکن بعض اموات ایسی ہوتی ہیں جن کے اثرات ہمہ گیر اور متنوع ہوتے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے لیڈروں کو اس صورتحال میں قدم پھونک پھونک کر رکھنے اور متفقہ طور پر ایسا لائحہ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے جسے عوام کی تائید حاصل ہو۔

سنڈے ایکسپریس

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

جو تاریک راہوں میں مارے گئے!

عبیداللہ عابد

سابق امریکی صدر جمی کارٹر نے ایک موقع پر کہا تھا ''سیاست کا سب سے زیادہ ناخوشگوار تقاضا ناہمواریوں سے بھرے معاشرے میں عدل کا قیام ہوتا ہے''۔ معاشرے ہر چیز کے بغیر زندہ رہ لیتے ہیں لیکن عدل اور انصاف کے بغیر معاشرہ زندہ رہ جائے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس نظریے کی سچائی کا اعلان پاکستان کی تاریخ بھی بانگ دہل کرتی ہے۔ مثلاً پاکستان میں ہونے والے پہلے سیاسی قتل کی تحقیقات ہو جائیں' اصل مجرم انصاف کے کٹہرے میں کھڑے کر دیے جاتے' ظلم کرنے والے ہاتھ پہلے روز ہی کٹ جاتے تو ایک بڑے اور پراسرار مقتل کی طرف دروازہ کھلتا' اس طرف جانے والی پگڈنڈی پکی سڑک میں تبدیل نہ ہوتی۔

جتنے پراسرار سیاسی قتل پاکستان میں ہوئے' شاید ہی دنیا کے کسی دوسرے ملک میں ہوئے ہوں۔ پہلا سیاسی قتل بھی ایک وزیراعظم لیاقت علی خان کا تھا اور تادم تحریر آخری قتل بھی ایک ایسی شخصیت کا تھا جو دوبار وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہی یعنی پیپلز پارٹی کی سربراہ محترمہ بینظیر بھٹو۔ پہلا قتل بھی لیاقت باغ میں ہوا اور آخری قتل بھی اسی پارک کے قریب ہوا۔

نواب زادہ لیاقت علی خان:

لیاقت علی خان 16 اکتوبر 1995ء کو لیاقت باغ میں اس حال میں قتل ہوئے کہ کہا

www.bhutto.org

جا رہا تھا کہ وہ کوئی اہم اعلان کرنے والے ہیں۔ ان سے صرف 15 گز دور کھڑے ایک شخص سید اکبر نے دو فائر کئے جو سیدھے لیاقت علی خان کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ قاتل کو موقع پر موجود پولیس افسران نے ہلاک کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا سید اکبر کو گرفتار کر کے اصل محرکات کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا تھا؟ قاتل سید اکبر ایک افغان تھا اور ایبٹ آباد میں نظر بند تھا۔ وہ ایک بے روزگار اور غریب آدمی تھا۔ حکومت پاکستان نے گزر اوقات کیلئے اس کا ماہانہ گزارہ الاؤنس مقرر کیا ہوا تھا۔

لیاقت علی خان کیوں قتل ہوئے؟ اس کے بارے میں قوم آج تک بے خبر ہے۔ جس پولیس افسر نے ان کے قتل کی تحقیق کی تھی' وہ تحقیقاتی رپورٹ سمیت ایک فضائی حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ کا کہنا تھا کہ لیاقت علی خان نے قتل سے دو روز پہلے انہیں (دولتانہ) کو کراچی بلا کر بتایا تھا کہ وہ سردار عبدالرب نشتر کو نائب وزیر اعظم اور حسین شہید سہروردی کو بھی اپنی کابینہ میں لینے والے ہیں' اور غلام محمد کو وزارت سے نکال رہے ہیں جس کے بارے میں انھوں (لیاقت علی خان) نے کہا تھا کہ وہ جسمانی طور پر بالکل کام کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ 14 اکتوبر کا دن تھا اور 16 اکتوبر کو وہ مجھے بحیثیت وزیر اعلیٰ کچھ بتائے بغیر راولپنڈی جلسے سے خطاب کرنے چلے گئے''۔

اقتدار کی غلام گردشوں میں بھی عجب کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ اس کھیل میں کسی کی جان لینا بھی ایک چال ہی سمجھی جاتی ہے۔ اس فعل پر شرمندگی صرف انسانوں کو ہوتی ہے جبکہ آدم خور بلائیں کبھی شرمندہ نہیں ہوتیں۔

ڈاکٹر خان:

مغربی پاکستان کے پہلے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب لاہور میں ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ 12 مئی 1958ء کا دن تھا۔ ڈاکٹر خان سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے بڑے بھائی تھے۔ سرحدی گاندھی اپنے بھائی کے سیاسی نظریات سے متفق نہیں تھے۔ ڈاکٹر خان نے سیاسی جدوجہد کیلئے ری پبلکن پارٹی تشکیل دی تھی جبکہ سرحدی گاندھی سرخپوش تحریک کے سربراہ تھے۔ ڈاکٹر خان کا قاتل ریونیو کا ایک سابق اہلکار بتایا جاتا ہے۔ یہ قاتل کون تھا؟ اس نے کیوں ڈاکٹر

www.bhutto.org

خان کا قتل کیا؟ یہ چیزیں اب تک صیغہ راز میں ہیں۔ اب تک ان کا جواب تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ کیوں؟ یہ بھی جواب طلب سوال ہے۔

حسین شہید سہروردی:

پاکستان کے پراسرار سیاسی مقتولوں میں ایک اضافہ ملک کے پانچویں وزیر اعظم حسین شہید سہروردی تھے۔ ان کا تعلق مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) سے تھا۔ قیام پاکستان کی تحریک کے آخری دنوں میں انھیں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا غیر معمولی قرب حاصل رہا تھا۔ وہ پاکستانی تاریخ کے پہلے سب سے زیادہ مقبول سیاست دان قرار دیے جاتے ہیں۔ انھوں نے 1949ء میں عوامی لیگ کی بنیاد رکھی تھی جو دنوں میں پاکستان کی مقبول ترین پارٹی بن گئی۔ بالخصوص 1954ء کے عام انتخابات میں اس جماعت نے مشرقی پاکستان میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

حسین شہید سہروردی 1956ء میں وزیر اعظم بن گئے۔ اپنے دور حکومت میں امداد اور گرانٹس کے ذریعے انھوں نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین معاشی عدم مساوات ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ان کی یہ کوششیں مغربی پاکستان کے بعض حکام کیلئے پسندیدہ نہیں تھیں۔ ان حکام نے سہروردی کے خلاف مشکلات میں اس قدر زیادہ اضافہ کر دیا کہ وہ استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

ایوب خان کی صورت میں فوج برسر اقتدار آئی تو حسین شہید سہروردی پر بھی پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے۔ جس کے بعد وہ لبنان چلے گئے جہاں 5 دسمبر 1963ء کو ان کا ''انتقال'' ہو گیا۔ سرکاری طور پر ان کی موت کی وجہ حرکت قلب بند ہونا قرار دی گئی۔ تاہم بعض ذرائع کہتے ہیں کہ انھیں زہر دیا گیا تھا۔ کیا یہ بات درست تھی؟ ایوب حکومت کو کم از کم اس کی تحقیقات ضرور کروانی چاہیے تھیں لیکن اس نے ایسا نہ کیا۔ جب ان کی میت ڈھاکہ پہنچی تو ایک بہت بڑے ہجوم نے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ ڈھاکہ کی تاریخ میں شاید ہی اس قدر بڑا جنازہ ہوا ہو۔

صدر ایوب خان کے انتہائی قابل اعتماد ساتھی اور سابق وفاقی وزیر عبدالمنعم خان

www.bhutto.org

13 اکتوبر 1971ء کو ڈھاکہ میں دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ وہ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاست دانوں میں سے اہم ترین تھے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد مسلم لیگ کی مرکزی کونسل میں رکن منتخب ہوئے۔ 1954ء تک آئین ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ جون 1962ء سے اکتوبر 1962ء تک مرکزی وزیر صحت رہے۔ 28 اکتوبر 1962ء کو مشرقی پاکستان کے گورنر بنا دیئے گئے۔

ڈاکٹر نذیر احمد:

1970ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی کے ٹکٹ پر جیتنے والے واحد رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر نذیر احمد کو 8 جون 1972ء کو راجن پور میں ان کے کلینک پر قتل کر دیا گیا تھا۔ وہ جماعت اسلامی کے اولین دور کے ارکان میں سے تھے۔ ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے دنوں میں انھوں نے اپنے گھر کا سارا سامان وفاعی فنڈ میں دے دیا۔ وہ بھٹو صاحب کے شدید ترین ناقد تھے۔ مغربی جریدے ''ٹائم'' کے مطابق بھٹو نے ایک بار اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ڈاکٹر نذیر احمد کی تقریروں نے ان کی نیند حرام کر دی ہے۔

خواجہ محمد رفیق:

لاہور شہر سے تعلق رکھنے والے معروف سیاست دان خواجہ محمد رفیق کو 20 دسمبر 1972ء کو لاہور ہی میں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت وہ امرتسر میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے تاہم آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی وہ پاکستان آ گئے۔ 1951ء میں میاں افتخار الدین کی ''آزاد پاکستان پارٹی'' میں شامل ہوئے تاہم 1957ء میں انھوں نے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ 1970ء کے انتخابات میں وہ پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی کے امیدوار تھے تاہم کامیاب نہ ہو سکے۔ بھٹو دور میں انھوں نے ''پاکستان اتحاد پارٹی'' کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی تاہم چند ماہ بعد ہی وہ قتل کر دیئے گئے۔

عبدالصمد اچکزئی:

بلوچستان کے اچکزئی قبیلے سے تعلق رکھنے والے قوم پرست رہنما عبدالصمد اچکزئی

www.bhutto.org

2 دسمبر 1973ء کو ایک بم حملے کا نشانہ بن گئے۔ وہ اپنے قبیلے کے پہلے فرد تھے جس نے سیاست میں قدم رکھا۔ انگریز دور میں ان پر کئی مرتبہ بغاوت کے مقدمات قائم ہوئے۔ پاکستان قائم ہوا تو وہ ون یونٹ کے قیام کی مخالفت میں جدوجہد کرتے رہے۔ پھر عوامی نیشنل پارٹی میں شریک ہوگئے۔ ایوب دور میں وہ 10 برس تک جیل میں قید رہے۔ رہائی کے بعد وہ ولی خان سے اختلافات کی بنیاد پر علیحدہ ہوگئے اور اپنی الگ جماعت ''پختون خواہ نیشنل عوامی پارٹی'' بنالی۔ 1973ء میں وزیراعظم بھٹو نے نیپ کی حکومت برطرف کی تو انھوں نے اس اقدام کی حمایت کی تھی۔

نواب محمد احمد خان قصوری:

تحریک استقلال کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات نواب محمد احمد خان قصوری 11 نومبر 1974ء کو لاہور کے علاقے شادمان میں قتل کردیے گئے۔ وہ اپنی کار میں سوار تھے کہ خود کار ہتھیاروں سے مسلح افراد نے ان کی گاڑی پر اندھا دھند فائرنگ کردی۔ وہ بھٹو حکومت کے شدید ناقد تھے۔ جنرل ضیاء الحق برسراقتدار آئے تو لاہور ہائی کورٹ میں سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے ساتھیوں کو نواب قصوری کے مقدمہ قتل میں نامزد کیا گیا۔ عدالت نے ملزمان کو پھانسی کی سزا سنادی۔ جس پر بعدازاں عمل درآمد بھی ہوا۔

حیات محمد خان شیرپاؤ:

صوبہ سرحد کے سابق وزیراعلیٰ حیات محمد خان شیرپاؤ 8 فروری 1975ء کو پشاور یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کی ایک تقریب میں ہونے والے بم دھماکے سے ہلاک ہوگئے۔ صدارتی انتخابات میں ایوب خان کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کرنے والے حیات شیرپاؤ پاکستان پیپلز پارٹی کے اولین ارکان میں سے تھے۔ بھٹو نے انھیں پی پی صوبہ سرحد کا صدر مقرر کیا۔ 1970ء کے عام انتخابات میں وہ سرحد اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ مرکز میں پی پی کی حکومت بننے کے بعد وہ سرحد کے گورنر بن گئے۔ بعدازاں انھیں مرکزی کابینہ میں شامل کرلیا گیا تاہم 1974ء میں وہ صوبائی کابینہ کے سینئر وزیر اور پھر وزیراعلیٰ بن گئے۔

www.bhutto.org

ان کے قتل کا واقعہ نیشنل عوامی پارٹی پر پابندی عائد کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن گیا۔ اس جماعت کے تمام بڑے رہنما اور ارکان اسمبلی جن میں ولی خان' ارباب سکندر خان خلیل' ہاشم غلزئی' جنرل جیلانی' امیر زادہ خان' سردار عطاء اللہ مینگل' غوث بخش بزنجو' نواب خیر بخش مری اور ڈاکٹر عبدالحئی بلوچ شامل تھے' گرفتار کر لئے گئے۔ جنرل ضیاء الحق بھٹو کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آئے تو یہ رہنما رہا ہو گئے۔

فاضل راہو:

عوامی نیشنل پارٹی کے مرکزی نائب صدر اور سندھی قوم پرست رہنما فاضل راہو 17 جنوری 1987ء کو نامعلوم افراد کے ہاتھوں اپنے گاؤں گولارچی میں قتل ہو گئے۔ وہ سندھی دانش ور اور سیاست دان رسول بخش پلیجو کے انتہائی معتمد ساتھی تھے۔ قومی سیاست کے منظر نامے پر وہ اس وقت مشہور ہوئے جب انھوں نے جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے خلاف سرگرم کردار ادا کیا۔ فوجی آمریت کے خلاف انتہائی سخت لب و لہجے میں تقاریر کرنے کے ''جرم'' میں ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلا جہاں انھیں تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر:

جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مرکزی رہنما علامہ احسان الٰہی ظہیر 23 مارچ 1987ء کو لاہور کے علاقے قلعہ لچھمن سنگھ میں ایک جلسے سے خطاب کے دوران بم دھماکے کے نتیجے میں شدید زخمی ہو گئے۔ وہ لاہور ہی کے ایک ہسپتال میں لے جائے گئے۔ بعد ازاں سعودی عرب کی حکومت انہیں بغرض علاج اپنے ہاں لے گئی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے۔ وہ مسلک اہل حدیث کے سب سے سرگرم رہنما تھے۔ انہوں نے پاکستان میں قرآن و سنت کے احیاء تحریک ختم نبوت اور تحریک نظام مصطفیٰ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ 1977ء میں بھٹو حکومت کے خلاف تحریک میں وہ بھیس بدل بدل کر مختلف جلسہ ہائے عام سے خلاف کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے اور پولیس انھیں گرفتار کرنے کے خواب ہی دیکھتی رہتی تھی۔ بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد انھوں نے جنرل ضیاء الحق کے آمرانہ دور کی شدید مخالفت کی۔

www.bhutto.org

غوث بخش رئیسانی:

بلوچ قبیلے رئیسانی کے سردار غوث بخش رئیسانی 26 مئی 1987ء کو کوئٹہ جاتے ہوئے قتل کر دیئے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے پانچ محافظ بھی ہلاک ہو گئے۔ تحریک پاکستان میں سردار رئیسانی نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ وہ بلوچستان کی پاکستان میں شمولیت کے زبردست خواہاں تھے۔ 1956ء میں مغربی پاکستان (ون یونٹ) اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1970ء میں بلوچستان اسمبلی کا انتخاب جیتا۔ 1971ء میں پاکستان پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ 29 دسمبر 1971ء سے 2 اپریل 1972ء میں وفاقی کابینہ میں شامل ہوئے اور وزیر خوراک کی حیثیت سے دو سال تک فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1977ء کے انتخابات میں بھی وہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ بھٹو کا تختہ الٹا تو سردار رئیسانی بھی چند روز تک نظر بند رہے۔

علامہ عارف حسین الحسینی:

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے رہنما علامہ عارف حسین الحسینی 5 اگست 1988ء کو پشاور میں قتل کر دیئے گئے۔ وہ پاکستان میں شیعہ مسلمانوں کے سب سے اہم رہنما تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے پاکستان میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو۔ عراق میں انھوں نے صدر صدام حسین کی حکومت کے خلاف تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا جس پر انھیں عراق بدر کر دیا گیا۔ ایران میں رضا شاہ پہلوی کے خلاف تحریک میں بھی وہ پیش پیش تھے۔ وہ پشاور کے علاقہ سردار گڑھی میں فجر کی نماز پڑھنے کی غرض سے مسجد جا رہے تھے کہ کسی نامعلوم قاتل کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

جنرل فضل حق:

صوبہ سرحد کے سابق گورنر لیفٹیننٹ جنرل فضل حق بھی تاریک راہوں کا شکار ہو گئے۔ وہ 11 اکتوبر 1977ء سے 12 دسمبر 1985ء تک صوبائی گورنر رہے۔ وہ 1991ء میں قتل کیے گئے۔ سابق صدر جنرل ضیاء الحق کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے۔ مارشل لاء عائد ہونے کے بعد ہی وہ صوبہ سرحد کے گورنر بنا دیئے گئے۔ ان دنوں وہ کور کمانڈر تھے۔ وہ اس عہدے پر 1985ء تک رہے۔ انھوں نے اپنی گورنری میں انتہائی سخت اقدامات کیے اور صوبے

www.bhutto.org

کی اقتصادی ترقی پر زیادہ توجہ دی۔ کہا جاتا ہے کہ منشیات کے بڑھتے ہوئے کاروبار میں ان کا نام بھی شامل تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انھوں نے اپنا ایک مضبوط سیاسی حلقہ بنانے کی کوشش بھی کی۔ جونیجو حکومت کی برطرفی کے بعد جنرل ضیاء نے انھیں اپنی کابینہ میں شامل کیا۔ اگرچہ فضل حق کے قتل کو فرقہ وارانہ رنگ دیا جاتا ہے لیکن بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ اصل حقیقت ابھی تک سامنے نہیں آسکی۔

عظیم احمد طارق:

مہاجر قومی موومنٹ کے چیئرمین عظیم احمد طارق ایک دیانت دار سیاست دان تصور کئے جاتے تھے۔ ایم کیو ایم کے سربراہ الطاف حسین کے ابتدائی ساتھیوں میں سے تھے۔ وہ نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے۔ وہ تشدد آمیز پالیسیوں کے حامی نہیں تھے۔

حکیم محمد سعید:

سابق گورنر سندھ اور پاکستان کے ایک معروف ادویہ ساز ادارے "ہمدرد" کے منتظم حکیم محمد سعید 17 اکتوبر 1998ء کو کراچی میں قتل کردیئے گئے۔ وہ صرف ایک حکیم ہی نہیں تھے بلکہ مصنف، سیاح، موجد، سائنس دان اور صنعت کار بھی تھے۔ وہ بنیادی طور پر ایک غیر سیاسی زندگی کو پسند کرتے تھے تاہم اس وقت کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے مجبور کرنے پر کچھ عرصہ کے لئے گورنر سندھ کی حیثیت سے ذمہ داریاں بھی ادا کرتے رہے۔

پاکستان سنی تحریک کی قیادت:

پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں تیزی سے اپنا اثر ورسوخ بڑھانے والی تنظیم سنی تحریک کے سربراہ سلیم رضا قادری 18 مئی 2001ء کو کراچی میں قتل کردیئے گئے۔ وہ رشید آباد میں واقع نوری مسجد کی طرف جارہے تھے کہ نامعلوم افراد نے راستے ہی میں ان کی گاڑی پر تین اطراف سے شدید فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں وہ موقع ہی پر ہلاک ہوگئے۔ سنی تحریک ایک مذہبی تنظیم ہی نہیں ہے بلکہ کراچی کی سطح پر انتخابات میں بھی حصہ لیتی رہی ہے۔ تحریک کے ذرائع اپنے قائد کے قتل کی ذمہ داری ایم کیو ایم پر عائد کرتے ہیں۔ 11 اپریل 2006ء کو

www.bhutto.org

سنی تنظیم نے کراچی کی مشہور جلسہ گاہ نشتر پارک میں عید میلاد النبی کا پروگرام منعقد کیا جس کے دوران ایک زوردار بم دھماکے کے نتیجے میں تحریک کی ساری قیادت ہلاک ہوگئی۔ اس میں مولانا عباس قادری' مولانا افتخار بھٹی' مولانا اکرم قادری' حافظ محمد طارق اور حنیف بلوچ بھی شامل تھے۔ حکومت نے اس واقعے کو خودکش حملہ قرار دے کر فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی۔

مولانا اعظم طارق:

قومی اسمبلی کے رکن اور ملت اسلامیہ پاکستان کے سربراہ مولانا اعظم طارق 4 اکتوبر 2003ء کو اسلام آباد کے نزدیک مسلح افراد کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ان کی جماعت پہلے سپاہ صحابہؓ پاکستان کے نام سے کام کرتی رہی تاہم مشرف حکومت نے جنوری 2002ء میں اس تنظیم کو کالعدم قرار دے دیا تھا جس کے بعد تنظیم کے افراد ''ملت اسلامیہ پاکستان'' کے نام سے کام کرنے لگے۔ اس تنظیم کی سب سے زیادہ مخالفت شیعہ جماعت ''اسلامی تحریک'' (سابقہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان) سے تھی۔ دونوں جماعتوں کے بیسیوں رہنما اور کارکنان اس لڑائی کا شکار ہوئے۔ مولانا اعظم طارق کے قتل کے بعد قومی اسمبلی کے ایک رکن امان اللہ سیال کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

عمر اصغر خان:

تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ر) اصغر خان کے بیٹے اور سابق وفاقی وزیر عمر اصغر خان 25 جون 2002ء کو کراچی میں ہلاک ہوگئے۔ تاثر یہی دیا جاتا ہے کہ انھوں نے خود کشی کی تھی تاہم بعض اہم ذرائع یہ موقف درست تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عمر اصغر خان کو کمال مہارت سے پھانسی دی گئی تھی۔

مولانا حسن جان:

جمعیت علمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ) کے رہنما اور 2002ء کے عام انتخابات میں بلند پایہ سیاست دان مرحوم خان عبدالولی خان کو شکست دے کر قومی اسمبلی میں پہنچنے والے مولانا حسن جان کو ستمبر 2007ء میں پشاور میں گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ

www.bhutto.org

پاکستان میں خودکش حملوں کے مخالف تھے اور اس حوالے سے ایک فتویٰ بھی جاری کر چکے تھے۔

صدیق خان کانجو:

پاکستان مسلم لیگ کے رہنما اور ملک کے سابق وزیر خارجہ صدیق خان کانجو کو ملتان میں 2001ء میں قتل کر دیا گیا۔ 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں وہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور وزارت زراعت میں سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 1988ء میں حکومت کی برطرفی کے بعد نگران حکومت میں انھیں وزیر تعلیم بنایا گیا۔ 1990ء میں اسلامی جمہوری اتحاد نے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی تو نواز شریف حکومت میں صدیق خان کانجو وزیر خارجہ کی ذمہ داریاں ادا کرنے لگے۔ اس دور میں انھوں نے اپنے آبائی شہر لودھراں کو تحصیل کا درجہ دلوایا۔ البتہ وزیر خارجہ کی حیثیت سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں زیادہ مصروف رہے جس کی وجہ سے اپنے حلقے کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے جس کی سزا انھیں 1993ء کے انتخابات میں شکست کی صورت میں ملی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا زیادہ وقت حلقے ہی میں گزارنا شروع کر دیا۔ 1997ء کے انتخابات میں نواز شریف کی قیادت میں مسلم لیگ نے دو تہائی اکثریت سے کامیابی حاصل کی تو صدیق کانجو ایک بار پھر امور خارجہ کے وزیر کی حیثیت سے کابینہ کا حصہ بنے۔ ملکی تاریخ میں ذوالفقار علی بھٹو کے بعد صدیق خان کانجو کو اعزاز حاصل ہوا کہ وہ کسی سویلین حکومت میں چھ برس تک وزیر خارجہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

نواز شریف حکومت کے خلاف 1999ء کے فوجی انقلاب کے بعد صدیق کانجو نے مسلم لیگ (ق) میں شمولیت اختیار کر لی۔ 28 جولائی 2001ء کو کہروڑ پکا کے دورے کے دوران انھیں چار افراد نے گولیوں کا نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں وہ موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ جہاں انھیں قتل کیا گیا' یہ وہی جگہ تھی جہاں سے انھوں نے 1977ء میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے پہلی تقریر کی تھی۔

نواب محمد اکبر بگٹی:

بلوچستان کے سابق گورنر اور وزیر اعلیٰ' جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ نواب اکبر شہباز

www.bhutto.org

خان بگٹی 26 اگست 2006ء کو صوبہ بلوچستان کے علاقے کوہلو میں فورسز کے ایک حملے میں مارے گئے۔ وہ پاکستان کے 13 ویں گورنر تھے اور 15 فروری 1973ء سے یکم جنوری 1974ء تک اس منصب پر براجمان رہے۔ اسی طرح وہ صوبے کے پانچویں وزیراعلیٰ بھی تھے۔ اس منصب پر وہ 4 فروری 1989ء سے 6 اگست 1990 تک فائز رہے۔ بینظیر بھٹو کی پہلی حکومت کی برطرفی کے ساتھ ہی اکبر بگٹی کی صوبائی حکومت ختم کر دی گئی۔

فورسز کے خلاف مزاحمت کرنے والی تنظیموں کے خلاف فوجی آپریشن شروع ہو جانے کے بعد اکبر بگٹی روپوش ہو گئے۔ کوہلو میں آپریشن کے دوران بمباری سے وہ غار تباہ ہو گیا جس میں وہ چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف اور صدر جنرل مشرف نے شروع میں اس آپریشن کی کامیابی کو پاکستان کی کامیابی قرار دیتے ہوئے پاکستان کی سیکرٹ سروس کو مبارکباد دی تھی۔

غلام حیدر وائیں:

صوبہ پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ اور مسلم لیگ (ن) کے رہنما غلام حیدر وائیں 20 اکتوبر 1993ء کو اپنے ہی حلقے میں مسلح افراد کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ غلام حیدر وائیں 8 نومبر 1990ء کو وزیراعلیٰ بنے اور اس منصب پر 25 اپریل 1993ء تک فائز رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آبائی علاقے میں سیاسی مخالفین کا نشانہ بنے۔

ان چند نمایاں شخصیات کے علاوہ سیاست دانوں اور سیاسی کارکنوں کی ایک بڑی تعداد تاریک راہوں میں ماری گئی۔ ان کا تعلق مختلف سیاسی جماعتوں سے تھا۔ کراچی میں اسلم مجاہد، خالد بن ولید، منور سہروردی اور پشاور میں قمر عباس، لاہور میں جاوید اشرف کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ کیا یہ قتل مختلف سیاسی جماعتوں کی باہمی دشمنی کا نتیجہ تھے؟ اگر قتل کے ہر واقعے کی مختلف کڑیوں کو جوڑا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس ملک میں کوئی ایسی خون پینے والی بلا ضرور موجود ہے جس کی پیاس آج تک نہیں بجھ سکی۔ ان حالات میں نوشتہ دیوار یہی ہے کہ جب تک ہم اس بلا کا کھوج نہیں لگائیں گے، یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔

www.bhutto.org

بھٹو خاندان کا خون

ذوالفقار علی بھٹو:

پاکستان پیپلز پارٹی کے سربراہ ذوالفقار علی بھٹو 4 اپریل 1979ء کو نواب محمد احمد خان قصوری کے قتل کے الزام میں پھانسی دے دی گئی۔ اس مقدمے میں وعدہ معاف گواہ فیڈرل سیکورٹی فورس کے سربراہ مسعود محمود نے اعتراف کیا تھا کہ بھٹو نے انھیں مسٹر قصوری کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ نے 18 مارچ 1978ء کو اس مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے بھٹو کو سزائے موت اور 25 ہزار جرمانہ ادا کرنے یا چھ ماہ تک سخت قید کی سزا سنائی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ورثا اور پیپلز پارٹی کے ذرائع پھانسی کو سیاسی قتل کا نام دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ عدالت نے جنرل ضیاء کے حکم پر پھانسی کا فیصلہ سنایا تھا۔ وہ اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کیلئے یہ بات بھی کہتے ہیں کہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مولوی مشتاق علی نے صدر کی ہدایات براہ راست وصول کی تھیں۔ سپریم کورٹ 4 ججوں نے پھانسی کے حق میں جبکہ 3 نے اس کے خلاف فیصلہ سنایا۔

پیپلز پارٹی کے ذرائع کہتے ہیں کہ بھٹو دراصل امریکہ کے غضب کا نشانہ بنے ہیں کیونکہ انھوں نے پاکستان میں ایٹمی پروگرام کا آغاز کیا تھا اور وہ عالم اسلام کے اتحاد کے خواہاں تھے۔

پھانسی کی سزا پر عمل درآمد روکنے کیلئے کئی بین الاقوامی رہنماؤں نے جنرل ضیاء الحق پر دباؤ ڈالا لیکن وہ اپنے فیصلے پر مصرر ہے۔ یوں 4 اپریل 1979ء کو ملکی تاریخ میں پہلی بار ایک وزیراعظم پھانسی کے پھندے میں جھول گیا۔ پھانسی کے بعد پورے ملک میں ہنگامے شروع ہوگئے۔ پیپلز پارٹی اسے عدالتی قتل قرار دیتی رہی ہے۔

شاہنواز بھٹو:

ذوالفقار علی بھٹو کے چاروں بیٹوں اور بیٹیوں میں سب سے چھوٹے شاہنواز بھٹو سوئٹزرلینڈ میں پڑھ رہے تھے۔ جب ان کے والد کو پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کے ساتھ مل کر بین الاقوامی لیڈروں سے مل کر جنرل ضیاء کو

پھانسی کے فیصلے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ان کی تمام تر کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔

اس کے بعد شاہنواز بھٹو فرانس میں جلاوطنی کی زندگی گزارنے لگے۔ 18 جولائی 1985ء کو 27 سالہ شاہنواز اپنے فلیٹ میں مردہ پائے گئے۔ ان کی موت کو پراسرار قرار دیا جاتا ہے۔ بھٹو خاندان کا کہنا ہے کہ انھیں زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ان کی اہلیہ ریحانہ کو شک کی بنیاد پر فرانسیسی حکام نے کچھ عرصہ حراست میں لئے رکھا۔ بعدازاں انھیں چھوڑ دیا گیا چنانچہ وہ امریکہ چلی گئیں۔

شاہنواز بھٹو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جنرل ضیاء الحق حکومت کے خلاف ''الذوالفقار'' منظم میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ ان کی میت جب لاڑکانہ آئی تو یہاں کے سپورٹس سٹیڈیم میں ایک بہت بڑا جنازہ ہوا جس میں کم از کم 25 ہزار افراد نے شرکت کی۔

مرتضیٰ بھٹو:

میر مرتضیٰ بھٹو پاکستان کے سیاسی مقتولوں میں اس حوالے سے سب سے بدقسمت قرار دیئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی حقیقی بہن بینظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے دور میں کراچی میں اپنی رہائش گاہ 70 کلفٹن سے چند گز دور قتل کر دیئے گئے۔ یہ رات کا وقت تھا جب ان کی رہائش گاہ کے باہر 70 سے 100 پولیس افسران اور اہلکار تعینات تھے۔ گھر کی طرف جانے والے راستے کی بعض سٹریٹ لائٹس اس شب نامعلوم وجوہات کی بنیاد پر بجھی ہوئی تھیں۔ حالانکہ ایک رات پہلے ان میں سے کوئی بھی لائٹ خراب نہیں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چند پولیس اہلکاروں نے ان کی گاڑی کو رکنے کا اشارہ دیا، جونہی گاڑی رکی اور اہلکاروں کو معلوم ہوا کہ گاڑی میں میر مرتضیٰ بھٹو ہی موجود ہیں تو ان پر فائر کھول دیا گیا جس کے نتیجے میں وہ اپنے چھ ساتھیوں سمیت موقع پر ہی دم توڑ گئے۔ ہوسکتا ہے کہ ان میں کوئی زندہ بھی بچ جاتا لیکن 45 منٹ تک ان کے جسم اسی طرح پڑے رہے۔ بعدازاں صرف مرتضیٰ بھٹو کو ٹراما سنٹر ہسپتال لے جایا گیا لیکن ان کے ساتھیوں کو کسی ایمرجنسی میں پہنچانے کے بجائے دیگر مقامات پر منتقل کر دیا گیا۔ حکومت نے عینی شاہدوں سمیت کئی افراد کو گرفتار کر لیا۔ بعدازاں ان میں سے دو پولیس حراست میں مردہ پائے گئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس موقعے میں ملوث پولیس افسران کو اعلیٰ سطح پر پروموٹ کر دیا گیا۔

www.bhutto.org

میر مرتضیٰ بھٹو جلاوطنی کی زندگی گزار کر اپنی بہن بینظیر بھٹو کے دور اقتدار میں واپس آئے تھے۔ انھیں اپنی بہن سے شکوہ تھا کہ انھوں نے پارٹی منشور کو والد کے نظریات کے مطابق نہیں بنایا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بہنوئی آصف علی زرداری کی کرپشن کا ذکر بھی کرتے تھے۔ جب بہن نے بھائی کے بجائے اپنے شوہر کی حمایت کی تو مرتضیٰ بھٹو بینظیر بھٹو کے شاید ناقد بن گئے اور تادم آخر اسی روش پر برقرار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار مرتضیٰ بھٹو نے آصف علی زرداری کے ساتھ تنہائی کی ملاقات میں توہین آمیز رویہ بھی اختیار کیا۔

مرتضیٰ بھٹو کے قتل کے بعد بینظیر بھٹو کی ملک میں مقبولیت میں زبردست کمی واقع ہوگئی۔ 1996ء میں حکومت کی برطرفی کے بعد مسٹر آصف زرداری پر مرتضیٰ قتل کا مقدمہ بھی چلا تاہم ناکافی شواہد کی بناء پر مقدمہ خارج ہوگیا۔ پیپلز پارٹی کے بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ مرتضیٰ کو قتل کرنے والے پراسرار ہاتھ اس قدر طاقتور تھے کہ انہوں نے اس کے تمام شواہد مٹا دیئے۔

بینظیر بھٹو:

ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی اپنے خاندان کی چوتھی فرد ہیں جو قتل کردی گئیں۔ پیپلز پارٹی کی سربراہ اور دو بار وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز رہنے والی بینظیر بھٹو پاکستان کا اب تک ہونے والا آخری سیاسی قتل ہیں۔ اگرچہ پاکستانی حکومت ان کے قتل کی ذمہ داری القاعدہ اور طالبان پر عائد کررہی ہے تاہم پیپلز پارٹی کے ذرائع یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

بینظیر بھٹو پر پہلا حملہ بھی خودکش تھا جو 18 اکتوبر 2007ء کو کراچی میں ہوا۔ وہ اسی روز جلاوطنی کی زندگی ختم کرکے وطن واپس لوٹی تھیں۔ اس حملے میں کم از کم 36 افراد ہلاک اور 450 زخمی ہوئے تھے۔ تاہم بینظیر بھٹو مکمل طور پر محفوظ رہیں۔ بینظیر بھٹو نے اس حملے کے بعد کہا تھا کہ بعض لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں حکومت کو ایک خط بھی لکھا تھا۔

سنڈے ایکسپریس

6 جنوری 2008ء

www.bhutto.org

مولوی کا لونڈا

خواجہ جمشید امام

سیکرٹری داخلہ کمال شاہ صاحب نے تو مجھے نہال کر دیا ہے وجد کی کیفیت ہے کہ دھمال پر مجبور کر رہی ہے بابا بلھے شاہ کی طرح گھنگھرو پہن کر وطن کے گوشے گوشے، قریہ قریہ ہر گلی اور ہر محلے میں رقصاں ہونے کو دل چاہ رہا ہے۔ کوئی لونڈا ہے 15 سال کا جسے محترمہ کے قاتلوں میں پہلا نمبر دیا جا رہا ہے خدا جانے کسی جن کا بچہ ہے کہ پاکستان کے تمام اہلِ عقل محافظوں کو تھل دینے والی ٹیم کا حصہ تھا اگر اُسکے ساتھی ناکام ہو جاتے تو اس 15 سالہ لونڈے نے محترمہ کو شہید کرنا تھا۔ قارئین ایک لمحے کیلئے یہاں رُک جائیں اخبار بند کر دیں اور اگر کوئی آپ کے نزدیک بیٹھا ہے تو اُسے بھی اپنے ساتھ ملا کر تالیاں بجائیں اور اس عظیم کارنامے پر اُن تمام اصحاب کا شکریہ ادا کریں جنہوں نے رسی کا وہ سرا آخر کار پکڑ لیا ہے جس کے دوسرے سرے پر بیت اللہ محسود بندھا ہوا ہے اور عنقریب وہ لاہور کچہری میں اپنی کچی تاریخوں پر پیش ہونے آیا کرے گا۔ تالیاں بند کر دیں تا کہ کالم کا بقیہ حصہ بھی آپ کی نظر سے گزر سکے گو کہ جو گزر گیا وہ کبھی واپس نہیں آتا میرا خیال ہے کہ یہ 15 سالہ لونڈا اُسی مولوی صاحب کا ہے جو ریکارڈ کی جانے والی کیسٹ میں بیت اللہ

www.bhutto.org

محسود کو بتا رہا ہے کہ ہمارے بندوں نے کام کیا ہے مولوی صاحب کو ساری معلومات اسی لونڈے نے دی ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ یہی 15 سالہ لونڈا ماسٹر مائنڈ بھی نکل آئے کیونکہ اگر 15 سالہ ظہیر الدین بابر اپنا کھویا ہوا تخت واپس لے سکتا ہے محمد بن قاسم 17 سال کی عمر میں سندھ پر حملہ آور ہو سکتا ہے تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے یہ اُسی عطار کا لونڈا ہو جس سے ہم جنرل ضیاء الحق کے دور میں دوا لیتے رہے ہیں گو کہ اب ہمیں دوا نہیں دُعا کی ضرورت ہے اور دُعا کے معاملے میں بھی جن کے ساتھ لڑائی ہے اُن کی مشق اور روابط دعائیں مستجاب کرنے والی ہستی سے زیادہ گہرے ہیں۔

محترمہ شہید ہوئیں ساری دنیا نے گولی چلتی اور بم دھماکہ ہوتے دیکھا ڈاکٹروں نے موت کی پہلی تصدیق گولی سے کی بعد میں ڈاکٹروں کو یاد آ گیا کہ محترمہ کو گولی نہیں لگی بلکہ گاڑی کا لیور لگا جس سے اُن کی موت واقعہ ہو گئی گاڑی بنانے والے کہتے ہیں کہ اُس گاڑی میں کوئی ایسا لیور سرے سے گاڑی میں موجود ہی نہیں ہے جس سے ایسا حادثہ رونما ہو سکے جب یہ مؤقف پیش کیا گیا اُس وقت سارا پاکستان دُکھ اور تکلیف میں مبتلا تھا اس کی فوری ضرورت کیا تھی میں ابھی تک سمجھ نہیں پایا۔ شہیدہ نے اپنی زندگی میں قتل ہونے کے خدشے کے پیشِ نظر ملزمان کے نام کئی جگہوں پر لکھوائے ہوئے تھے مگر اُن میں سے کسی کو شاملِ تفتیش نہیں کیا گیا۔ حالانکہ قتل کے عام مقدمات میں پنجاب پولیس ملزم کے محلے داروں تک کو پکڑ کر لے جاتی ہے مگر شاید ملزمان ریاست کی نظر میں بہت زیادہ قابلِ احترام ہیں ہو بھی سکتے ہیں کیونکہ یہاں قابلِ احترام ہونے کے لئے مجرم ہونا بھی ضروری ہے بھٹو پھانسی کا مجرم ثابت ہوا تو آج تک اُس کا احترام دلوں سے نہیں نکلا ڈاکٹر قدیر نے اقبالِ جرم کیا تو اُس کی تعظیم میں اضافہ ہو گیا عمران خان پر دہشت گردی کا مقدمہ بنا تو اُس کے وقار میں اضافہ ہوا اب یہ ممکن ہے کہ کچھ کم قابلِ تعظیم لوگوں نے سماج میں زیادہ محترم ہونے کیلئے یہ جرم کر لیا ہو صدر پرویز مشرف نے دلی افسوس کا اظہار کیا اور بعد ازاں حقائق جاننے کیلئے محترمہ کے پوسٹ مارٹم کو ضروری قرار دے دیا اب کوئی پوچھے کہ محترمہ بینظیر بھٹو گھریلو عورت تو تھیں نہیں جو گھر کے اندر گھر کے کسی فرد سے اتفاقیہ گولی لگنے سے شہید ہو گئی تھیں کہ گھر والوں نے اُس کا پوسٹ مارٹم کروانا ضروری نہیں سمجھا یہ تو ریاست پاکستان کی ذمہ داری تھی کہ محترمہ کا پوسٹ مارٹم کروایا جاتا وہ دو بار پاکستان کی وزیرِ اعظم رہی تھیں پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت

کی سربراہ تھیں۔ عالمی سطح پر محترمہ کی ایک ذاتی شناخت تھی اور پھر ریاستی کعبہ کے مجاوروں کے علم میں ہونا چاہیے تھا کہ اس خونِ ناحق کیلئے سب سے پہلے اُنہوں نے ہی جوابدہ ہونا ہے رہی بات آصف علی زرداری کی کہ اُس نے پوسٹ مارٹم کی اجازت نہیں دی اُسکی جگہ کوئی بھی عقل مند آدمی ہوتا تو یہی کرتا کیونکہ جس ڈاکٹر نے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ دینی تھی وہ بھی تو اُسی ریاست کا ملازم تھا جس طرح ڈاکٹروں نے اپنا ابتدائی بیان بدل لیا اسی طرح پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی بدلی جانی تھی اور پھر اُسی پوسٹ مارٹم رپورٹ نے دنیا بھر میں گھومنا تھا۔

وقت گزرتا جارہا ہے محترمہ کے قتل پر موقف روز تبدیل ہورہے ہیں غم و غصے کی بدترین لہر پر اپنے تئیں کنٹرول کرلیا گیا ہے ایک شخص کی خاطر ساری قوم کو اذیت اور کرب میں مبتلا کر کے بے آبرو کیا جارہا ہے صرف ایک شخص کی خاطر۔ قبائلی نظام کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہاں عورت کو قتل نہیں کیا جاتا اور قبائل اگر کسی لڑائی کی صورت میں مورچہ بند بھی ہوں تو مخالف فریق کی عورتیں جب اپنے مردوں کو کھانا اور اسلحہ دینے آتی ہیں تو فائرنگ کا سلسلہ بند کردیا جاتا ہے بیت اللہ محسود دہشت گرد ہوسکتا ہے اُس نے ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا ہے وہ امریکی نوازشات سے بھی محروم ہوچکا ہے اُس پر ہر طرح کا الزام جو جرم بھی ہوسکتا ہے میرے دل و دماغ ماننے کیلئے تیار ہیں لیکن محترمہ کو شہید کرنے والی بات کم از کم مجھے ہضم نہیں ہورہی۔

پاکستانی سیاست کے سب سے بڑے المیے کو مزاح میں تبدیل کرنے کے لیے کسی 15 سالہ لونڈے کو سٹیج پر لایا جارہا ہے جو عنقریب انکشافات بھی کردے گا مگر نابالغ کی شہادت کیسی اور اُس پر جرم کا اطلاق کیا؟ یہ کوئی عزت کی بات نہیں کہ اتنے دن گزرنے کے بعد پاکستان کے تمام اہلِ عقل نے تمام وسائل استعمال کر کے گرفتار بھی کیا ہے تو ایک 15 سالہ لونڈا۔ سیاست کے بے رحم جنگل کو نا جانے کن ہاتھوں نے دیدۂ بینا سے لونڈوں کا کھیل بنادیا ہے محترمہ کے قتل کا کفارہ تو ساری قوم کو مل کر ادا کرنا پڑے گا ابھی تو کوئی ایسا حلال جانور نظر نہیں آرہا جس کا صدقہ دے کر اس بے یقینی اور دلوں میں دبی ہوئی نفرت کے طوفان کو کم کیا جاسکے۔

بیدل حیدری نے کہا تھا کہ ۔

یہ ضروری ہے انہیں کل کی ضمانت دی جائے

www.bhutto.org

ورنہ سڑکوں پر نکل آئیں گے سارے بچے

ہمارے بچے موجودہ بدترین معاشی حالات میں جو کچھ سیکھ رہے ہیں وہ یقیناً بہت بُرا ہے لیکن محترمہ بینظیر پر حملہ کرنا کسی معمولی دل گردے والے مرد کے بس سے بھی باہر ہے پھر محلے کے لونڈوں پر پاکستان کا سب سے بڑا مقدمہ بنا دینا مجھے نہال کرنے کیلئے کافی ہے میں تو حالت وجد میں نا جانے کیا کچھ لکھتا جا رہا ہوں اگر واقعی کوئی 15 سالہ لونڈا اس کیس کا مرکزی ملزم دریافت ہو گیا ہے تو پھر ہونا ہو یہ اُسی مولوی کا لونڈا ہے جس نے بیت اللہ محسود کو فون پر اطلاع دی تھی کہ ہمارے لڑکوں نے کام کیا ہے ایسی ذہنیت رکھنے والے ہی اپنے بچوں کی ایسی تربیت کر سکتے ہیں.....اور پھر وہ ہنسی خوشی رہنے لگے.....تالیاں.....

www.bhutto.org

"باؤ جی بڑا ظلم ہو یا ایہہ"

خواجہ جمشید امام

اگر ہم اِرد گرِد پھرتے ہوئے انسانوں کو غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کہاں ہیں چلتے پھرتے دردناک افسانے ہیں اور کردار ان انسانوں کے اندر پلنے والی خواہشات ہیں لوگ غور سے نہیں دیکھتے۔ زیادہ لوگ تو دیکھتے ہی نہیں اور پھر کسی انسان کو اُسکی خواہشات سمیت الفاظ کے رنگوں سے کسی تصویر میں ڈھالنے کیلئے تو انتہائی غور سے دیکھنا پڑتا ہے۔ انتہائی حیرت کا احساس اُس وقت ہوتا ہے جب اچانک آپ پر آشکار ہو کہ جس ہستی سے آپ زندگی میں بار ہا مل چکے ہیں وہ تو ایک افسانہ ہے درد و الم سے بھرپور۔۔۔

کالج کے زمانے سے میں فیروز دین کو جانتا ہوں پیشے کے اعتبار سے موچی ہے پرانی انار کلی چوک سے فوڈ سٹریٹ میں داخل ہوں تو بائیں جانب رحیم ہوٹل کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھا رہتا ہے میں نے اکثر اُسے گہری سوچ میں ڈوبے سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے ہی دیکھا ہے میری عادت ہے کہ میں اپنے بوٹ خود پالش کرتا ہوں اور اگر باہر سے کراؤں تو ہمیشہ اُس کا معاوضہ دوگنا دیتا ہوں۔ میں ہمیشہ سے ایسا کرتا ہوں میری یہ عادت کب سے ہے مجھے یاد نہیں مگر آج میں ایسا کرنے کی مضبوط دلیل رکھتا ہوں ہم بوٹ پالش کے پیسے تو ادا کر دیتے ہیں لیکن کسی کے بوٹ پالش کرتے وقت انا کے سنگلاخ پہاڑوں پر جو آسمانی بجلیاں ٹوٹتی ہیں اُسکا

www.bhutto.org

اندازہ صرف اُس شخص کو ہوسکتا ہے جو اُس مصیبت سے گزرے۔ میں نے زندگی میں ایک دو بار اس کا تلخ تجربہ کیا ہے حالانکہ بوٹ یا تو میرے والد صاحب کے تھے یا پھر بڑے بھائیوں کے لیکن بڑا ہتک آمیز محسوس ہوا۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی معصوم اسے باعزت روزگار سمجھ رہا ہو لیکن اس کے پیچھے جذبہ محرک اُسکی معصومیت یا پھر لاعلمی ہوگی لیکن جو بوٹ پالش کروا رہا ہوتا ہے اُسکا کا تاسر میں نے زندگی میں بارہا دیکھا ہے پالش بوٹ پہنتے ہوئے جو احساسِ تکبر ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ درست ہے رزق حلال عین عبادت ہے لیکن حلال کے رزق کا یہ ہتک آمیز ذریعہ میری سمجھ سے باہر ہے بہر حال جس سماج میں 7 سال کا بچہ مزدوری کرے اور 30 سال کا ہٹا کٹا جوان شخص بھیک مانگ کر خوشحال زندگی گزارے جہاں معصوم بچے کوڑے کے ڈھیر سے اپنا رزق تلاش کریں اُس سماج میں ''احساس'' تو بے معنی سا لفظ بن جاتا ہے۔

محترمہ بینظیر بھٹو شہیدہ کے ساتھ پیش آنے والے المناک واقعہ کے بعد پورے ملک میں سوگ تھا۔ فوڈ سٹریٹ تو ایک اندھیری غار میں تبدیل ہو گئی تھی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا حالات آہستہ آہستہ معمول پر آئے تو میں بھی رحیم ہوٹل کی گندی سی کرسی پر جا بیٹھا بارش کی

وجہ سے جوتے خراب ہو چکے تھے فیروز دین سے سلام دعا کے بعد جوتے اتارنے شروع کئے تو فیروز دین نے کہا باؤ جی ''بڑا ظلم ہویا ایہہ'' میں تو ابھی تک اُس صدمے سے نڈھال ہوں اُس وقت تو حالت غیر تھی فیروز دین کے الفاظ کی بے بسی اور دُکھ بھرے الفاظ نے میری رہی سہی ہمت کو بھی مجھ سے چھین لیا میں نے اپنی تمام قوتِ برداشت کو یکجا کر کے صرف ''ہوں'' کہنے پر اکتفا کیا۔ فیروز دین شاید میری حالت بھانپ گیا تھا یا پھر اُسے بھی کوئی غمگسار اس عرصے میں میسر نہیں آیا تھا کہنے لگا ''اب کیا ہوگا'' میں نے بے دلی سے جواب دیا ہونا کیا ہے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا فیروز دین نے شاید پہلی بار میرے زبان سے مایوسی کی بات سنی تھی کہنے لگا'' باؤ جی اللہ خیر کرے گا'' میں نے بات ختم کرنے کیلئے کہا سکاٹ لینڈ یارڈ تفتیش کرے گی دیکھیں کیا ہوتا ہے فیروز دین نے

انتہائی راز دارانہ انداز میں بتایا'' باؤ جی سکاٹ لینڈ یارڈ بے شک تفتیش کرے گی اور حقائق بھی جان جائے گی مگر کیا وہ حقائق کبھی منظر پر بھی آئیں گے؟'' میں نے کہا کیوں نہیں آئیں گے؟

کہنے لگا ''باؤ جی لیڈی ڈیانا بھی تو بہت بڑی عورت تھی اُسکی تفتیش بھی سکاٹ لینڈ یارڈ نے ہی کی تھی کونسے حقائق منظر عام پر آئے ہیں'' اب چونکنے کی باری میری تھی میں نے حیرت سے اُس بزرگ کو دیکھا جو بات ختم کر کے میرے جوتے پالش کرنے میں محو ہو چکا تھا۔ میرا دل چاہا کہ میں اپنے سابقہ مطالعہ اور مشاہدے پر لعنت بھیج کر فیروز دین کے پاس ہی بیٹھا رہوں مختصر سی بات میں مکمل تاریخ بیان کر گیا میں اُس سے بات کرنے کیلئے پر تول رہا تھا کہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کوئی مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا میں نے موڑ کر دیکھا تو ایک 30 سال کا ہٹا کٹا جوان شخص جو بھکاری تھا مجھے اُسکی صحت اور ڈیل ڈول دیکھ کر اُسکے بھیک مانگنے پر انتہائی غصہ آیا میں بھکاریوں کو جھڑکتا نہیں لیکن اُس دن تو میں نے اُسے انتہائی غصے سے ڈانٹ دیا اُس نے میری ڈانٹ ڈپٹ سنی ان سنی کر دی اور دور میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر دودھ پتی کا آرڈر دینے لگا فیروز دین نے بتایا یہ چند دن پہلے میرے پاس کافی دیر بیٹھا رہا ہے۔ میں نے کہا کون بولا'' یہ بھکاری اس کے بچے انگلش میڈیم سکول میں پڑھتے ہیں بتا رہا تھا پانچ سو روپے روز کما کر گھر جاتا ہوں'' میں نے ایک بار پھر اُس بھکاری کی شکل دیکھی فیروز دین نے کہا'' باؤ جی مجھے یہاں بیٹھ کر کام کرتے ہوئے 50 سال ہو گئے ہیں میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک بار 500 روپے کمائے ہیں اور وہ بھی عید کا دن تھا'' میں نے حیرت سے اُسکی شکل دیکھی اور کہا فیروز دین صاحب زندگی میں صرف ایک بار۔ بولے'' ہاں صرف ایک بار لیکن میں نے خدا سے کبھی گلہ نہیں کیا گزر بسر ہو جاتی تھی لیکن اب چند ماہ سے تو جیسے گزارہ کر رہا ہوں خدا ہی جانتا ہے ہم سے اچھا تو یہ بھکاری ہی ہے جس نے اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سکول میں داخل کروایا ہوا ہے اور زندگی کی تمام ضروریات بغیر محنت کے اس کے گھر کی دہلیز پر پہنچ جاتی ہیں وہ ایک لمحے کیلئے رُکا اور پھر بولا'' باؤ جی یہاں سے 35 کلو میٹر دور سرحد کے اُس پار میرا گاؤں ہے میں جب پاکستان آیا تو تقریباً 11 سال کا تھا گاؤں چھوڑتے ہوئے میرے باپ کے چہرے پر جو خوشی تھی وہ آج بھی میرے چشم تصور میں مجسد ہے وہ ہم سب بہن بھائیوں کو بار بار پیار کرتے اور بتاتے کہ پاکستان بن گیا ہے! ہمارا اپنا گھر ہمارا اپنا دیس! جہاں ہم اپنی زندگیاں محمد ﷺ عربی کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق گزاریں گے'' فیروز دین ایک لمحے کیلئے رُکا اور اپنے ذہن کے خانوں سے کچھ تلاش

www.bhutto.org

کرتا ہوا محسوس ہوا اور پھر انتہائی نحیف اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنا لگا ''باؤ جی بڑا ظلم ہو یا ایہہ'''' باؤ جی بڑا ظلم ہو یا ایہہ'' میں نے اُسے بلانے کی بڑی کوششیں کی لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا جوتے پالش ہو چکے تھے میں نے حسب عادت اُسے زیادہ معاوضہ دیا لیکن اُس نے میری طرف دیکھا نہیں جس سماج میں خلقت نے غم و غصے کو اس حد تک دبایا ہوا ہے۔ جہاں معصوم لوگوں کے ساتھ نا جانے کون کونسا فراڈ ہو چکا ہے جہاں چینی اور آٹے کے بعد چاول کا بحران دہلیز پر کھڑا دستک دے رہا ہے۔ جہاں حق مانگنے والوں کے ساتھ بارود کی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے جہاں اہلِ دانش کی بجائے درباری مسخرے اقتدار کے محمد شاہ رنگیلیوں کی چاپلوسی میں ہمہ وقت مصروف رہیں۔ جہاں خود کش حملہ آور دندناتے پھریں اور معزز جج و وکلاء اور قومی ہیرو نظر بند رہیں جہاں عید اور شب برات بھی محرم کا سماں پیش کرے جہاں حسینی اور یزیدی لشکر کی تمیز بھی ختم ہو جائے جہاں بے یقینی اور سوگ کی فضا ساری قوم کو اپنی آغوش میں لیے ہو۔ جہاں الیکشن میں گڑ بڑ کرنے والوں کو موقع پر گولی مار دیے جانے کا عندیہ دیا جائے جہاں بحران میں سے بھی کوئی مثبت تبدیلی نہیں نکلتی اُس سماج میں باغی کیا اور بغاوت کیا۔ جو پارسائی کا جتنا بڑا دعویٰ دار ہے اُتنا بڑا مداری ہے سائیں اختر لہوری مرحوم نے نوجوان شاعر سعید صاحب کا شاعری مجموعہ ''آوازہ'' مرنے سے پہلے دیا تھا پڑھ کر مضمون لکھ چکا ہوں صاحب کے دو اشعار آج بہت موزوں ہیں۔

دربدر تو پھرتے ہیں وہ جو گھر نہیں رکھتے
ساغروں کی قسمت میں گردشیں تو ہوتی ہیں
اے امیر رہنے دے باغیوں کے قصے کو
قحط کے زمانوں میں شورشیں تو ہوتی ہیں

www.bhutto.org

بینظیر بھائی

خواجہ جمشید امام

دن بھر نا جانے کتنے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد موبائل نمبرز کا تبادلہ بھی یقینی بات ہے اور مجھے ہر ہفتے اپنے موبائل سے لاتعداد نمبروں کا اخراج کرنا پڑتا ہے۔

میں نے زندگی بھر خواہشات کو منزل مراد کے اتنے نزدیک پامال ہوتے نہیں دیکھا اسے تقدیر کی ستم ظریفی کہیے یا تاریخ کا جبر کہ جب کسی عہد میں کوئی دیو ہیکل قد آور شخصیت جنم لے لے تو اُس عہد کے بڑے لوگوں کو تاریخ کے صفحات پر وہ جگہ نصیب نہیں ہوتی جس کے وہ اُس دیو ہیکل، قد آور شخصیت کی عدم موجودگی میں مستحق ہو سکتے ہیں مرزا اسد اللہ خان غالب کے عہد میں پیدا ہونے والے تمام بڑے شاعروں کو مرزا صاحب نے گمنامی میں دھکیل دیا ایسا ہی کچھ حادثات، اور سانحات کے وقوع پذیر ہونے پر میں بھی دیکھنے میں آیا ہے جنرل ضیاء الحق کی بے رحم آمریت نے لاتعداد روشن چراغ گل کر دیئے جن میں عبدالرزاق جھرنا، ادریس طوطی، عثمان غنی اور عثمان کے نام انتہائی اہم ہیں لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے قتل نے ان تمام ناموں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت میں اُن کے ہم رکاب 38 سے زائد نام ہیں لیکن اُن میں ایک شخصیت تو ایسی تھی جس کے ساتھ پچھلے بائیس سالوں میں، میں نے گھنٹے نہیں ایک زندگی گزار دی

www.bhutto.org

ظہیر احمد خان سے میری پہلی ملاقات 80 رہائی میں ایم۔اے۔او کالج میں ہوئی نوجوانی کا زمانہ تھا لاہور کی طلباء سیاست میں مرکزی کردار ادا کر رہے تھے اس نوجوان سے میری دوستی اُسکی مدبرانہ سوچ کی وجہ سے ہوئی اور پھر یہ دوستی بھائیوں جیسے مضبوط رشتے میں بندھ گئی۔23 سالہ اس تعلق میں جنت کے اُس باسی سے میری کوئی ناراضگی اور تلخ کلامی بھی نہیں وہ ایک مزدور کا بیٹا تھا لیکن اپنی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بھٹو اور زرداری خاندان کا مشترکہ دوست بن گیا اُس نے محترمہ بینظیر بھٹو کی ہدایت پر آصف علی زرداری رہائی کمیٹی تشکیل دی اور اس فرض کو جس خوبی سے سرانجام دیا ہے اُسکے سب سے معتبر شہادتی خود آصف علی زرداری ہیں۔دنیا کا شاید ہی کوئی فورم ایسا ہو جس کا دروازہ ظہیر احمد خان نے زرداری صاحب کی رہائی کیلئے نہ کھٹکھٹایا ہو 9 سال آصف علی زرداری جیل کے اندر رہے اور ظہیر خان جیل کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ زرداری صاحب کی کسی عدالت میں شاید ہی کوئی ایسی پیشی ہو جس پر ظہیر خان اپنے ساتھیوں سمیت موجود نہ رہا ہو۔

ظہیر خان کا ڈیرہ ''امن کی فاختہ'' کا گھر تھا ناراض دوست اپنی اپنی ناراضگیوں سمیت اُس ہائیڈ پارک میں جاتے ہوئے کبھی عار محسوس نہ کرتے تھے وہ اپنی دوستی اور دشمنی میں انتہا پسند تھا وہ اقبال کے شعر

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

کی مکمل تفسیر تھا۔وہ اپنے گھر کا واحد کفیل اپنی بہنوں کا اکلوتا بھائی، اپنے فالج زدہ باپ کا اکلوتا بیٹا اور اپنے دوستوں کا لاڈلہ دوست تھا میں تو تمام غم زدہ دوستوں کو اُسکی شہادت پر صرف غم میں ڈوبا دیکھ سکتا ہوں۔ظہیر ہم میں نہیں اس بات پر بالکل اُسی طرح یقین نہیں آتا جس طرح محترمہ کی بے وقت رخصتی ابھی تک گمان سے باہر ہے تمام دوست اس پیار کرنے والے بھائی کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے اُسکی اتنی باتیں ہیں جو کبھی ختم نہیں ہو سکتیں وہ انسان نہیں خواہشات کا چلتا پھرتا ہجوم تھا جو اپنے رومانس کے لئے جان دے بھی سکتا تھا اور جان لے بھی سکتا تھا۔آصف علی زرداری نے اپنے جن پنجابی دوستوں کی شہادت کا ذکر کیا ہے وہ ظہیر احمد خان اور اُسکے ساتھی

تھے جو ایام اسیری میں آصف علی زرداری کے ساتھ رہے اور مرتے دم تک اُسکے جان نثار ساتھیوں میں شمار ہوئے۔

مجھے اُسکی آخری کال 27 دسمبر کو دن 11:45 پر موصول ہوئی اُس نے انتہائی جذباتی ہو کر کہا جمشید بھائی، زرداری صاحب پاکستان آرہے ہیں آپکی شادی پر اُنہیں لے کر آؤں گا میں نے سنجیدگی سے کہا خان اعظم (میں اُسکی مدبرانہ گفتگو کی وجہ سے اُسے ہمیشہ یہی کہتا تھا) آپ تشریف لے آیئے گا میرے لیے میرا بھائی ہی سب کچھ ہیں میں نے ازراہ مذاق اُس سے کہا تھا ''خان اعظم جب تک آپ نہیں آئیں گے بارات روانہ نہیں ہوگی'' اور میرے ان منحوس الفاظ نے حقیقت کا روپ دھار لیا ظہیر خان نہیں آیا تو بارات بھی روانہ نہیں ہوئی ایک بڑا آدمی اپنے عہد کی دیو ہیکل قد آور شخصیت کے ساتھ پیش آنے والے سب سے بڑے سانحے میں کہیں گم ہو گیا میں اپنے موبائل میں وہ نمبر نہیں رکھتا جو میں تکلفاً درج کر لیتا ہوں یا پھر جو دنیا میں نہیں رہتے میں نے کل رات بھی بہت سے نمبروں کا اپنے موبائل سے اخراج کیا لیکن میں ظہیر خان کا نمبر اپنے موبائل سے مٹانے کا حوصلہ نہ کر سکا میں یہ حوصلہ کبھی بھی نہ کر سکوں گا میں نے رات بھی نئے سال کا پیغام اُسکے موبائل پر بھیجا ہے میں جانتا ہوں وہ اسے وصول نہیں کرے گا۔ لیکن کیا گفتگو صرف الفاظ یا اشاروں میں ہی ہوتی ہے کیا دل کے رشتے کسی مصنوعی آلۂ پیغام رسانی کے محتاج ہوتے ہیں؟ کیا جذبات کے رشتوں کو میلوں سے ماپا جا سکتا ہے؟ میرا کل بھی اُس کے ساتھ دوستی کے علاوہ کوئی مفاد نہ تھا میں آج بھی اپنے اس مفاد سے مکمل رومانس رکھتا ہوں۔ مادہ پرستوں کی اس بستی میں حقیقی پیار کرنے والے ہی نہیں ملتے ورنہ دن بھرنا جانے کتنے لوگوں سے ملنا پڑتا ہے اور چند منٹ کی گفتگو کے بعد موبائل نمبرز کا تبادلہ بھی یقینی بات ہے۔

اہلِ وفا کا کوفہ

خواجہ جمشید امام

پاکستان کی سیاست کے سب سے بڑے سپیکر پر ہمیشہ ایک ہی اعلان آج تک پردۂ سماعت پر پڑ رہا ہے کہ پنجاب کا کردار پاکستان کے چاروں صوبوں میں بڑے بھائی ایسا ہے وسائل اور آبادی کے حوالے سے دیکھا جائے تو بظاہر درست بھی معلوم ہوتا ہے لیکن کیا بھائی ہونے کے لئے موروثی تعلق ہونا کافی ہے یا پھر اُس جذباتی وابستگی کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو بڑے بھائی ہمیشہ اپنے چھوٹے بھائیوں کیلئے رکھتے ہیں اور پھر پنجاب کے لوگ تو یہ محاورہ روزمرہ کی گفتگو میں عام استعمال کرتے ہیں کہ ''رشتہ سجھن دا ہوندا وے'' یعنی رشتہ سمجھنے کا ہوتا ہے رشتہ سجھن دا اب میں ایسے سینکڑوں نہیں ہزاروں واقعات پیش کرسکتا ہوں کہ چھوٹے بھائی نے بڑے کو اور بڑے نے چھوٹے کو قتل کردیا قتل کے ایسے دلخراش واقعات کی تحقیق کے دوران ہمیشہ ایک ہی بات نظر آئی اور وہ مفادات تھے مفادات پورے نہ ہوں تو وہ سب سے پہلے آہستہ آہستہ دیمک کی طرح جذباتی وابستگی کو ختم کرتے ہیں اور جذباتی وابستگی ختم ہوتے ساتھ ہی احترام اور محبت کے تمام رشتے ختم ہوجاتے ہیں اور انسان اپنے مفادات کو حاصل کرنے کیلئے پہلے عقلی اور بھی طاقتی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر آتا ہے کیا مشرقی پاکستان میں ہم نے اس کا تجربہ نہیں کیا؟ کیا 1947ء تک لفظ پاکستان سے مشترکہ رومانس رکھنے والوں نے 23 مارچ 1971ء کو

www.bhutto.org

بنگلہ دیش کا پرچم نہیں لہرایا تھا؟ کیا بھائی بھائی کے قرآنی اور جذباتی رشتے میں بندھے بنگالیوں نے ''مکتی باہنی'' بنا کر البدر اور الشمس کو منہ توڑ جواب نہیں دیا تھا؟ کیا اس حقیقت سے بھی انکار ممکن ہے کہ ہم نے ایک اکثریت کو اقلیت کے تابع رکھنے کی غیر سیاسی حماقت کی تھی؟ کیا آج میں یہ ماننے سے انکار کر دوں کے عوامی لیگ کی 167 اور پیپلز پارٹی کی 88 نشستیں تھیں مگر ہم نے اقلیت کو سمجھانے کے بجائے اکثریت پر لشکر کشی کی دل ہلا دینے والی حمود الرحمٰن کمشن رپورٹ اور اُس سیاہ دور کی خون رنگ تحریریں آج بھی ہماری سیاسی تاریخ کا سرمایہ ہے ہم آبادی کے حوالے سے چھوٹے تھے تو ہم نے رقبے کے اعتبار سے اپنے آپکو بڑا کر لیا آج بلوچستان رقبے کے حوالے سے آبادی کے حوالے سے چھوٹا ہے تو ہم نے اپنے آپکو آبادی کے حوالے سے بڑا کر لیا ہے پنجاب آج تک ہمیشہ بڑا بھائی ہی رہا لیکن شاید ''بنا'' نہیں اسی وجہ سے بنگالی ہم سے علیحدہ ہو گئے ان کے میں پاکستان پیپلز پارٹی کے قائدین کو صبر، جرأت اور دانش پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں جنہوں نے محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد کسی انتقامی کارروائی کا مطالبہ یا پُر تشدد تحریک کی طرف جانے کے بجائے امن، آشتی، محبت اور جذبۂ رواداری کو فروغ دینے کی بھرپ ور کوششیں کی ہے۔ دوسری طرف اس عظیم سانحہ کے بعد حکومت کی طرف سے محترمہ کی شہادت لا تعداد پر اشتعال انگیز موقف اور بعد ازاں اُن کا انحراف حکومتی عہدیداروں کی اہلیت پر چار سوالیہ نشان لگا رہا ہے پاکستان پیپلز پارٹی کے ہزاروں ورکرز پر توڑ پھوڑ، گھیراؤ جلاؤ اور دہشت گردی کے مقدمات سے حکومت کی کونسی رٹ قائم ہوگئی یہ معمہ ابھی حل ہونا ہے۔

میں تو ہمیشہ اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ انسان اپنے قد کاٹھ کی وجہ سے نہیں موقف کی بنیاد پر چھوٹا یا بڑا ہوتا ہے محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد سندھ کی طرف پنجاب کی جانب سے چلنے والی صرصر جب بڑے بڑے چہروں کو جھلسا رہی تھی تو پاکستان تحریک انصاف کے چیئرمین عمران خان کی یاد بڑی شدت سے آئی کہ وہ ایک ایسے قومی ہیرو ہیں جن کی پاکستان کے چاروں صوبوں پہچان اور احترام موجود ہے اور پنجاب سے تعلق ہونے کے ناطے اُن کی ذمہ داری بستی تھی کہ وہ سارے کام چھوڑ کر محترمہ کے جنازے میں پہنچے لیکن اس کالم کو لکھتے وقت تک میری یہ خواہش ہر گزرتے لمحے کے ساتھ دم توڑتی رہی بمبئی میں چیئرمین تحریک انصاف کی میڈیا سے

گفتگو میرے لیے تو انتہائی تکلیف دہ تھی وہ نوکو منٹس کہہ کر دل کی ہر بات پاکستان کی سرزمین پر کھڑے ہو کر کہتے تو کیا اچھا تھا۔

تعزیت مہر و وفا کے لیے دنیا بھر کے دُکھی دل اپنے اپنے انداز سے بجھی ہوئی شمع سے اُٹھنے والے اُس شعلہ عشق سے اظہار عقدت کر رہے ہیں جو سیاہ پوش ہو چکا ہے جس کے بعد منصب شیفتگی کے قابل کوئی نہیں رہا جس کی بے وقت رخصتی نے پاکستان کی سیاست کے تمام خوبصورت انداز اور ادائیں معزول کر دیں ہیں راولپنڈی شہر کہاں رہا مقتل گاہ بن گیا ہے جس نے سب سے پہلے پاکستان کے معمار کو نگل لیا پھر قائد عوام کو اس شہر میں مصلوب کیا گیا اور اب .....قوام السیاسیات، پاکستانی عوام کی 54 سالہ عقلی تحریک اور پاکستان کی سیاسی بصیرت کو قتل کر دیا گیا یہ قتل ایک فرد کا نہیں پوری قوم کے سیاسی سرمائے کا قتل ہے قومیں فرد بناتی ہیں اور وہ فرد قوموں کی زندگی کو دوام بخشتے ہیں محمد علی جناح کو قوم نے قائداعظم بنایا اور پھر قائداعظم نے پاکستان جدید ترکی کے بانی مصطفے کمال پاشا کو اگر اُس کی قوم اتاترک (ترکوں کا باپ) تسلیم نہ کرتی تو شاید ترکی کی حالت بھی آج قابلِ رحم ہوتی ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں لیکن ہم نے تو 54 سال تک جس پودے کو اپنے لہو سے سینچا اُسے خود ہی کاٹ یا د۔

پنجاب کی مٹی سے میرا خمیر اٹھا ہے خدا مجھے اُس وقت سے بچائی جب مجھے سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے کہ میری اپنی دھرتی میرے تابوت یا وجود کو قبول کرنے سے انکار کر دے، میں ایک ماں کی کوکھ سے نکل کر دوسری ماں کی کوکھ میں جانا ہی پسند کروں گا اور یہی میری زندگی کا آخری اعزاز ہوگا لیکن میں آج خوفزدہ ہوں آج میں اپنے چشم تصور سے اُس بے رحم مورخ کو دیکھ رہا ہوں جو مستقبل کے کسی سال میں بیٹھ کر میری دھرتی کو اہلِ وفا کا کوفہ لکھ رہا ہے میں اُسے روکنا چاہتا ہوں لیکن میری آواز اُس بڑے سپیکر کے شور میں دب جاتی ہے جس سے آج تک ایک ہی اعلان پر رہ سماعت پر پڑ رہا ہے کہ پنجاب کا کردار پاکستان کے چاروں صوبوں میں بڑے بھائی ایسا ہے۔

www.bhutto.org